

اردو ترجمہ شریعت
جلد ۱۰

عقائد مجددیہ

المستفی
الضراط السوی ترجمہ عقائد تورپشی
مُصنّفہ

جناب علامہ شہاب الدین تورپشی رحمۃ اللہ علیہ
مترجمہ شریعت

علامہ زمانہ قابلِ اِستِقبال مولانا مولوی اختر محمد خاں صاحب امپوری حنفی
قادر نقشبندی مجددی خلیفہ مجاز قدوۃ السالکین بیدۃ العارفین مقبول الثقلین
مولانا مولوی احمد حسین خاں صاحب مروی حید آبادی نقشبندی مجددی مہ فیض شریعتی ابلی

اَللّٰهُمَّ اَلْبِكْرَ قَوْمِيْ كَان
ما جین الدین فی فضل الدین نئی نقشبندی مجددی جبرک ربانی

کوچہ گئے نمایاں - بازار شہر بی لہو
نہ بعض فکیر کثیر باجاوہ اردو ترجمہ کر اگر نہایت صحت کے ساتھ چھپے پائی

BP
166
55-7
1520



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فہرست مضامین و مطالب کتاب انصار السوئی ترجمہ و عقائد توپشتی

جانب لسانی موسیٰ خست محمد خاں صاحب متوطن برمان پور

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	مقدمۃ الکتاب از مترجم	۱	۲۳	حکمہ اہل کا بیان	۱۶
۲	حمد و نعت	۱	۲۴	قدریہ، مرجیہ	۱۷
۳	علم کلام کی تعریف	۳	۲۵	بخاریہ، بکریہ	۱۷
۴	علم کلام کی تدوین کا سبب	۴	۲۶	فرقہ اہل ہدنت و الجماعت	۱۸
۵	افتراق اُمت کی حدیث	۵	۲۷	اہل ہدنت و الجماعت کی تقسیم	۱۸
۶	فرقائے ضالہ سے مراد کون ہیں	۶	۲۸	ارکانِ ادبہ اہل ہدنت	۱۹
۷	اختلاف اُمت کی دلچسپ کہانی	۷	۲۹	صفت اسلام کا جاننا ضروری ہے	۱۹
۸	سقیفہ بنی ساعدہ کا واقعہ	۸	۳۰	رکنِ اقل	۱۹
۹	جموعے مدعیانِ نبوت	۹	۳۱	رکنِ دوم	۲۰
۱۰	واقعہ باوند شہادت عثمانؓ	۱۰	۳۲	رکنِ سوم	۲۰
۱۱	اُمت میں ایک ناگفتنی اختلاف کی ابتدا	۱۱	۳۳	رکنِ چہارم	۲۱
۱۲	واقعہ جبل	۱۲	۳۴	اشاعرہ اور ماتریدیہ کی حقیقت	۲۲
۱۳	جنگِ جبل کی کیفیت	۱۳	۳۵	بارہ سنی جن میں مابین ماتریدی اور	۲۳
۱۴	جنگِ صفین	۱۴		اشعری کے اختلاف ہے	
۱۵	گمراہ فرقوں کی ابتدا	۱۵	۳۶	زمانہ موجودہ کی حالت اور جدید	۲۴
۱۶	خوارج کی تقسیم	۱۶		فرقوں کا احداث	
۱۷	مقتدر لہ کی دستمان	۱۷	۳۷	فرقائے دہلیہ کے بعض عقائد	۲۵
۱۸	فرقہ سبائیہ	۱۸	۳۸	ختم نبوت سے انکار	۲۵
۱۹	فرقائے ردِ افض	۱۹	۳۹	آنحضرت کے وسعت علم سے انکار	۲۶
۲۰	بخاریہ، باطنیہ، زیدیہ	۲۰	۴۰	امکانِ کذب باری تعالیٰ	۲۸
۲۱	امامیہ اور اُس کے فرقے	۲۱	۴۱	فرقہ مرزائیہ - د - فرقہ عینیہ	۲۹
۲۲	فرقائے خوارج	۲۲	۴۲	عہتی ہندی کا فرقہ	۲۹

صفحہ	مضمون	نمبر شمار	صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۸۲	ہندوین کی تردید میں ایک مثال۔	۶۹	۳۰	فرقہ جہتہ کے عقائد	۲۲۴
۸۳	قرآن غیر مخلوق اور کلام خدا ہے۔	۷۰	۳۱	فرقہ خیر کے عقائد و اطوار	۲۲۷
۸۴	آٹھویں فصل رویت الہی کا بیان	۷۱	۳۲	موجودہ تراجم کی حالت	۲۲۵
۸۶	مرئی کی حقیقت	۷۲	۳۵	ترجمہ کتاب ہذا کی حقیقت	۲۲۶
۸۷	رویت الہی کے ثبوت میں قرآنی دلیل	۷۳	۳۶	عقائد توحیدی کہاں سے دستیاب ہوئی	۲۲۷
۸۸	ارنی انظر الیک کی تفسیر	۷۴	۳۹	آغاز ترجمہ کتاب ہذا	۲۲۸
۸۹	دنیا میں رویت الہی ناممکن ہے	۷۵	۳۹	حمد	۲۲۹
۸۹	ابصار و ادراک کے معنی	۷۶	۴۰	نعت - و سبب تصنیف کتاب	۵۱۵۰
۹۱	کیا معراج کی رات حضرت فرخند کو کھڑا کیا	۷۷		پہلا باب خدا پر ایمان لانے میں اُرد	۵۲۰
۹۲	اس مسئلہ میں مسلمانوں کا غلط فہم کیا نہیں	۷۸	۴۳	اس میں دس فصلیں ہیں۔	
۹۳	توین فصل - قضا و قدر پر ایمان لانے اور ارادت و مشیت کا بیان	۷۹	۴۴	پہلی فصل - ایمان کے معنی	۵۳
۹۳	خیر و شر خدا کی تقدیر سے ہے۔	۸۰	۴۵	دوسری فصل - خالق عالم کی شناخت	۵۴
۹۴	ایک لطیف اشارہ	۸۱	"	عوام کا ایمان۔	۵۵
۹۵	قرآنی دلیلیں	۸۲	"	اصحاب علم کا ایمان۔	۵۶
۹۷	قدیر کا خلاف او جہر یہ کا مذہب	۸۳	۴۷	کاملوں کا ایمان۔	۵۷
۹۸	قدیر کی نسبت مجوس کے ساتھ	۸۵		طریق معرفت خالق عالم۔	۵۸
۱۰۰	قدیر کے ایک شبہ کا جواب	۸۶	۵۱	تیسری فصل - خالق عالم کے قدیم اور بے ہمتا ہونے کے بیان میں	۵۹
۱۰۱	قضا کے معنی	۸۷	۵۳	چوتھی فصل - اثبات صفات باری تعالیٰ	۶۰
۱۰۲	قدیر کے ایک اور شبہ کی تردید	۸۸	۵۴	پانچویں فصل - باری تعالیٰ کے ہما	۶۱
۱۰۳	قدیر کیوں غلطی میں ہیں	۸۹	۵۶	وصفات کی معرفت میں	
۱۰۴	قضا و قدر کے باب میں ایک حدیث	۹۰	۵۷	نقشہ نو و نہ نام باری تعالیٰ	۶۲
۱۰۵	دسویں فصل - کلمہ شہادت کی تشریح اور تفسیر فی اللہ حید کا بیان	۹۱	۶۲	اللہ کی صفات نہ اُس کی عین ہیں نہ غیر	۶۳
۱۰۶	کلمہ توحید کی وجہ تسمیہ	۹۲	۶۳	صفات الہی میں تضاد و مغایرت نہیں	۶۴
۱۰۷	پانچ قسم کا شہد	۹۳	۶۵	اسم کو غیر معنی کہنے والوں کی تغلیظ	۶۵
۱۰۸	ایمانیات کی تفصیل	۹۴	۶۶	چھٹی فصل مراتب صفات اور اقسام مشکلات و مشابہات کا بیان	۶۶
	دوسرا باب فرشتوں کے کتابوں		۶۷	چند آیات و احادیث کی تاویلات	۶۷
۱۱۰	ادب و غیرہ پر ایمان لانے اور موت کے بعد احوال آخرت کی تفصیل کا بیان	۹۵	۶۸	ساتویں فصل - کلام خدا مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔	۶۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۹۶	پہلی فصل لفظ نبوت کے معنی اور اس کے اثبات میں اور رسالت و نبوت میں فرق کا بیان -	۱۱۰	۱۲۸	زن ادبیا اور واؤ کا واقعہ جھوٹا ہے	۱۲۸
۹۷	لفظ نبوت کی تحقیق -	۱۱۰	۱۲۹	زن ادبیا کا سچا واقعہ	۱۲۹
۹۸	عبادت کیوں فرض ہے -	۱۱۱	۱۳۰	نکاح حضرت زینبؓ	۱۳۰
۹۹	بعثت انبیا کی ضرورت -	۱۱۲	۱۳۱	وجہ نکاح حضرت زینبؓ	۱۳۱
۱۰۰	اثبات نبوت	۱۱۳	۱۳۲	آنحضرتؐ کا زینبؓ نکاح حسب فرمان الہی تھا -	۱۳۲
۱۰۱	سحر و معجزہ کی تحقیق	۱۱۴	۱۳۳	منافقین کی زبان درازی	۱۳۳
۱۰۲	ایک اعتراض کا جواب	۱۱۴	۱۳۴	اس باب میں علماء متاخرین کی غلطی	۱۳۴
۱۰۳	دجال کے کذب عوی کی دلیل	۱۱۵	۱۳۵	آنحضرتؐ کی نزاہت نظر پر ایک سچی نقل	۱۳۵
۱۰۴	دعوت الی الحق میں نبیا کا اتفاق	۱۱۶	۱۳۶	سلک الفرائق العلماء الفاضلہ	۱۳۶
۱۰۵	دوسری فصل - پیغمبروں پر ایمان لانے اور ان کے ضروری خصائص	۱۱۶	۱۳۷	یہ قصہ اس طرح جھوٹا ہے -	۱۳۷
۱۰۶	روم راتب کے بیان میں	۱۱۶	۱۳۸	القائد شیطانی کی بحث	۱۳۸
۱۰۷	انبیا پر ایمان لانے کا طریقہ	۱۱۶	۱۳۹	تیسری فصل خاتم الانبیا اور آپؐ کے معجزات کے بیان میں	۱۳۹
۱۰۸	انبیا میں دو خصوصیتیں	۱۱۷	۱۴۰	معجزات کا بیان	۱۴۰
۱۰۹	ایک اعتراض کا جواب	۱۱۸	۱۴۱	قرآن سے بڑا معجزہ ہے -	۱۴۱
۱۱۰	باب تائید انبیا	۱۱۸	۱۴۲	دعویٰ اعجاز	۱۴۲
۱۱۱	انبیا سے کبھی نافرمانی نہیں ہوتی	۱۱۹	۱۴۳	اعجاز قرآن کی پہلی وجہ	۱۴۳
۱۱۲	انبیا سے صدور ذلت	۱۲۰	۱۴۴	دوسری وجہ	۱۴۴
۱۱۳	عصمت انبیا کا ذکر	۱۲۰	۱۴۵	قرآنی معجزہ کا مقابلہ بائی کے معجزات	۱۴۵
۱۱۴	حضرت آدمؑ کی ذلت	۱۲۱	۱۴۶	قرآن میں عوت و حجت دونوں ہیں	۱۴۶
۱۱۵	حضرت ابراہیمؑ کی ذلت	۱۲۲	۱۴۷	آپؐ کے حالات خود معجز دیں	۱۴۷
۱۱۶	حضرت یوسفؑ کی ذلت	۱۲۳	۱۴۸	چوتھی فصل آنحضرتؐ کے ایمان لانے اور دعوات امیر کی شناخت	۱۴۸
۱۱۷	حضرت یوسفؑ کے قصہ کی تکذیب	۱۲۴	۱۴۹	آنحضرتؐ قوم جن کی طرف بھی مبعوث تھے	۱۴۹
۱۱۸	لولائان راہی برغان ربہ کی بحث	۱۲۴	۱۵۰	اناسمنا کتاباً ازل من بعد کی تفسیر	۱۵۰
۱۱۹	برادران یوسفؑ کی نبوت کسی نص صریح سے ثابت نہیں -	۱۲۵	۱۵۱	آنحضرتؐ کی رسالت عام تھی	۱۵۱
۱۲۰	حضرت داؤدؑ کی ذلت	۱۲۶	۱۵۲	آنحضرتؐ کا خاتم الانبیا ہونا -	۱۵۲
	تسمیع وتسعون نعت کی بحث	۱۲۸	۱۵۳	ختم نبوت کے دلائل	۱۵۳
			۱۵۴	آنحضرتؐ اپنی قوم کے دین پرست تھے	۱۵۴

صفحہ	مضمون	نمبر شمار	صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۱۸۵	دوسری حجت	۱۷۰	۱۷۸	ایک سیر انداز کی تردید	۱۷۸
۱۸۶	منکرین بعثت کا خیال	۱۷۱	۱۷۹	آنحضرت فاضل ترین انبیاء ہیں	۱۷۹
۱۸۸	اہل اسلام کی ایک جماعت جو منکرین بعثت کی جانب میل رکتی ہے	۱۷۲	۱۸۰	ان دلائل کا تتمہ	۱۸۰
۱۹۰	انسان اسی کا بندہ جس نے اٹھایا جائیگا	۱۷۳	۱۸۱	تفصیل میں الہامیاء	۱۸۱
۱۹۱	نویں فصل آخرت کے احوال میں	۱۷۴	۱۸۲	التجیر فی علی ابراہیم کے معنی	۱۸۲
۱۹۱	الاسماء اللہ سے مراد کون ہے	۱۷۵	۱۸۳	اول من یاتسبی کے معنی	۱۸۳
۱۹۲	سوال نمبر تیس	۱۷۶	۱۸۴	یونس ابن متی والی حدیث کے معنی	۱۸۴
۱۹۳	دونوں فتوؤں کی درمیانی مدت میں کیا ہوگا۔	۱۷۷	۱۸۵	آنحضرت نے کبھی حق کو نہیں چھپایا۔	۱۸۵
۱۹۴	سارہ کی تفسیر	۱۷۸	۱۸۶	تمام انبیاء آپ کی منزلت کے عاجز ہیں	۱۸۶
۱۹۵	انقلاب جہاں کی ترتیب	۱۷۹	۱۸۷	پانچویں فصل فرشتوں پر ایمان لانے کا بیان۔	۱۸۷
۱۹۶	شفاعت خاتم النبیین	۱۸۰	۱۸۸	فرشتوں کے دو گروہ	۱۸۸
۱۹۷	نامہ اعمال پڑھنے کے بعد محاسبہ ہوگا	۱۸۱	۱۸۹	فرشتوں پر ایمان لانا	۱۸۹
۲۰۰	محاسبہ کے معنی و تفصیل	۱۸۲	۱۹۰	وجود ملائکہ سے انکار کرنا بے دینی ہے	۱۹۰
۲۰۱	جنت اور دوزخ میں بعض مومنین اور بعض کفار کا بے حساب داخل ہوگا	۱۸۳	۱۹۱	اقسام فرشتگان	۱۹۱
۲۰۲	وزن اعمال کا بیان	۱۸۴	۱۹۲	چھٹی فصل کتب آسمانی پر ایمان لانے کے بیان میں	۱۹۲
۲۰۳	وزن اعمال اس طرح ہوگا۔	۱۸۵	۱۹۳	قرآن پر ایمان لانے کا طریق	۱۹۳
۲۰۴	صراط کا بیان	۱۸۶	۱۹۴	بحث ناسخ و منسوخ۔	۱۹۴
۲۰۵	صراط کے متعلق لطیف بیان۔	۱۸۷	۱۹۵	موجودہ توریت و انجیل قابل اعتبار نہیں	۱۹۵
۲۰۶	جنت و دوزخ کی تعریف۔	۱۸۸	۱۹۶	ایک اعتراض کا جواب	۱۹۶
۲۰۷	دوسری فصل قیامت کی شرطوں کے بیان میں۔	۱۸۹	۱۹۷	ساتویں فصل یوم آخرت پر ایمان لانے میں	۱۹۷
۲۰۸	قیامت کی علامتیں بہت ہیں	۱۹۰	۱۹۸	یوم آخرت سے مراد کیا ہے	۱۹۸
۲۰۹	ظہور مہدی علیہ السلام	۱۹۱	۱۹۹	یوم آخر کی تفسیر۔	۱۹۹
۲۱۰	لامہدی الایمانی ابن مریم کے شخص	۱۹۲	۲۰۰	ساعت کا استعمال دو معنوں میں	۲۰۰
۲۱۱	اس باب میں اخبار منقولہ کی درجہ	۱۹۳	۲۰۱	آٹھویں فصل موت کے بعد جی بٹھنے پر ایمان لانے میں	۲۰۱
۲۱۲	مہدی کے باب میں شیعوں کا خیال	۱۹۴	۲۰۲	دلائل بعثت بعد الموت	۲۰۲
۲۱۳	قیامت کی دس بیانی علامتیں	۱۹۵	۲۰۳	پہلی حجت	۲۰۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۰۰	دجال کا بیان	۲۱۶	۲۲۵	مطالعہ اہل تشیع اور ان کے جواب	۲۴۶
۲۰۱	دجال کے متعلق احادیث اور ان کی مرتبہ	۲۱۸	۲۲۶	حضرت ابو عبیدہ کی فدائیت	۲۴۸
۲۰۲	دجال کی صفت میں ایک اشکال	۲۱۹	۲۲۷	اہل تشیع کا اعتراض اور اس کا جواب	۲۵۱
۲۰۳	ایک اور اشکال	۲۲۰	۲۲۸	موجبات بفضل ابو بکرؓ	۲۵۲
۲۰۴	حضرت عیسیٰ کا نزول	۲۲۲	۲۲۹	اہل تشیع کا قول کہ علیؓ ابو بکر کی بیعت سے کارہ تھے اور اس کا جواب	۲۵۶
۲۰۵	خروج یا خروج و مایوج	۲۲۵	۲۳۰	وہ احادیث جن سے شیعوں نے حضرت علیؓ کی خلافت بافضل ثابت کرتے ہیں	۲۵۸
۲۰۶	طاغوت کی حقیقت	۲۲۵	۲۳۱	حدیث غدیر خم کے معنی	۲۵۹
۲۰۷	مغرب سے طلوع آفتاب	۲۲۵	۲۳۲	چوتھی فصل مراتب صحابہ اہل بیت کی توثیق کے بیان میں	۲۶۴
۲۰۸	اس وقت کا ایمان لانا مفید نہ ہوگا	۲۲۷	۲۳۳	ایک عجیب نزات شیعیان کی نفی میں	۲۶۵
۲۰۹	ایمان یا اس مقبول نہیں	۲۲۹	۲۳۴	بعد شیعیان کے تہذیب کا مرتبہ ہے	۲۶۶
۲۱۰	دابتہ الماثل کا کھانا	۲۳۰	۲۳۵	استحقاق خلافت عثمان	۲۶۷
۲۱۱	دخان کا ظاہر ہونا	۲۳۰	۲۳۶	عشرہ مبشرہ	۲۶۸
۲۱۲	آگ نکلنا	۲۳۱	۲۳۷	علیؓ کے تمام صحابہ کی تعظیم کرنی چاہیے	۲۶۹
۲۱۳	احادیث خروج نابیوں میں ایک اشکال	۲۳۱	۲۳۸	علیؓ کی محبت کا نشان درست	۲۷۰
۲۱۴	تیسرا باب - اعتقادی مسائل	۲۳۱	۲۳۹	مخالفین علیؓ پر طعن درست نہیں	۲۷۱
۲۱۵	بوجوب کتاب و سنت و اجماع امت	۲۳۲	۲۴۰	باغی بنی کے سبب دائرہ اسلام خارج نہیں ہوتا	۲۷۲
۲۱۶	پہلی فصل وجوب امامت کا بیان	۲۳۲	۲۴۱	حضرت فاطمہؓ زہراؓ کی عائشہؓ کی نفی میں	۲۷۳
۲۱۷	وجوب امامت کی بڑی دلیل اجارے صحابہ سے	۲۳۷	۲۴۲	پانچویں فصل فرقائے اسلام کے اور اس بیان میں کہ بدعہ گناہ سے	۲۷۵
۲۱۸	دوسری فصل امامت کے شرائط	۲۳۸	۲۴۳	کافر نہیں ہوتا اور اس بدعت کے بیان میں جو کفر ہے	۲۷۶
۲۱۹	کتنے لوگوں کے اتفاق سے امامت کا قائم ہو سکتی ہے	۲۳۸	۲۴۴	فرقہ خوارج	۲۷۷
۲۲۰	امام کا معصوم ہونا ضروری نہیں	۲۳۹	۲۴۵	صاحب کبیرہ کا فر نہیں ہوتا	۲۷۸
۲۲۱	اختلاف مابین علیؓ و ابن عباسؓ	۲۴۰	۲۴۶	مکھنڈ کے اسباب و دوا	۲۷۹
۲۲۲	شیعوں کے قول کا فساد بطلان	۲۴۱	۲۴۷	نصریہ اور کیسانہ	۲۸۰
۲۲۳	فرقہ باطنیہ	۲۴۲	۲۴۸	فرقہ نظامیہ	۲۸۱
۲۲۴	تیسری فصل اس بیان میں کہ بعد از حضرت کے ابو بکرؓ خلیفہ برحق تھے	۲۴۲	۲۴۹		
۲۲۵	مکرر امامت ابو بکرؓ کے پیچھے نہ ہونا درست نہیں	۲۴۲			

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۴۸	کلمہ فی الہ کی توضیح	۲۸۰	۲۴۱	تقیہ کے باب میں ایک اعتراض کی تردید	۳۰۸
۲۴۹	فرقائے زالہ مغلہ فی الہ نہیں	۲۸۱	۲۴۲	توین فصل رُوح کا بیان	۳۱۰
۲۵۰	چھٹی فصل گناہگار ان امت کا بیان	۲۸۲	۲۴۳	روح حادث ہے	۳۱۰
۲۵۱	صاحب کبیرہ کی تکفیر مذہب خوارج کا ہے	۲۸۲	۲۴۴	مطلق رُوح کا لفظ فرمایا	۳۱۱
۲۵۲	صاحب کبیرہ کے اعمال حیطہ میں ہوتے	۲۸۴	۲۴۵	روح کے حدوث پر شرعی دلائل	۳۱۲
۲۵۳	مرتد کے باب میں علما کا اختلاف	۲۸۵	۲۴۶	روح کے متعلق بعض متکلمین کی باتیں	۳۱۴
۲۵۴	ساتویں فصل چند یحییوں کے بیان میں معاذ کے جواب کے	۲۸۷	۲۴۷	اقوال بزرگان دین کی تاویل	۳۱۵
۲۵۵	اللہ پر کچھ حاجب نہیں	۲۸۷	۲۴۸	حقیقت رُوح	۳۱۶
۲۵۶	مسئلہ تمکین و تقیہ	۲۸۹	۲۴۹	روح کے ادراکات بعد از مرگ قائم رہتے ہیں	۳۱۷
۲۵۷	سوال منکر ذکیر	۲۹۰	۲۵۰	قنا کا حکم جاری ہے	۳۱۸
۲۵۸	جنت آورد و نوح دونوں موجود اور مخلوق ہیں	۲۹۰	۲۵۱	تناسخ کی بحث	۳۱۸
۲۵۹	مسئلہ شفاعت	۲۹۲	۲۵۲	اہل تناسخ کی تردید	۳۱۹
۲۶۰	مسئلہ اثبات کرامت	۲۹۳	۲۹۲	توسوں فصل - چند ایسے مسائل	۳۲۱
۲۶۱	معدوم شے نہیں ہے	۲۹۲	۲۹۳	کے بیان میں - جن میں باہم اہل حق کو اختلاف ہے	۳۲۱
۲۶۲	آٹھویں فصل جواز اور اثبات نسخ آیات میں اور بعض مسائل	۲۹۱	۲۹۴	پہلا مسئلہ ایمان سے کیا مراد ہے	۳۲۱
۲۶۳	روافض کی تردید	۲۹۸	۲۹۴	اعمال جزو ایمان ہیں یا نہیں	۳۲۲
۲۶۴	جواز نسخ کی دلیل	۲۹۴	۲۹۷	فخلفین کے اہادات کی جانچ	۳۲۳
۲۶۵	ہدایہ حقیقت	۲۹۷	۳۰۰	مصنف کا اعتقاد	۳۲۳
۲۶۶	روافض کا قول کہ پیغمبر مشرک سے پیدا نہیں ہوتا	۳۰۰	۲۹۸	جمع و تطبیق	۳۲۴
۲۶۷	شیعہ کے قول کا ایک اور طرح سے ابطال	۳۰۱	۲۹۹	دوسرا مسئلہ ایمان کے کم و زیادہ ہونے کی بحث میں	۳۲۵
۲۶۸	گیا والدین آنحضرت کی وفات کفر پر ہوئی -	۳۰۲	۳۰۱	تیسرا مسئلہ استثناء	۳۲۶
۲۶۹	ایو طالب کا کفر	۳۰۴	۳۰۲	چوتھا مسئلہ خشتہ افضل ہیں یا نبی آدم -	۳۲۸
۲۷۰	منفعہ کی تردید	۳۰۵	۳۰۶	منکرین فقہیت نبی آدم کے دلائل اور اُس کی تردید	۳۲۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۹۳	موجبات تفصیل نبی آدم	۳۳۲	۳۷۰	اس کے ثبوت میں -	۳۷۰
۲۹۴	تسخین کی فضیلت	۳۳۳	۳۷۱	نبی اور رسول کی لغوی اور اصطلاحی تحقیق	۳۷۱
۲۹۵	غیر محتاط واعظین	۳۳۴	۳۷۲	نبوت وہی و فضیلت ہے -	۳۷۲
۲۹۶	پانچواں مسئلہ حکم افعال مشرکین	۳۳۵	۳۷۳	وجوب بعثت کی بحث -	۳۷۳
۲۹۷	چھٹا مسئلہ تکلیف مالایطاق کے	۳۳۸	۳۷۴	نبی اور غیر نبی میں تمیز کا طریقہ -	۳۷۴
۲۹۸	بیان میں	۳۳۹	۳۸۱	فائدہ (۶) معراج رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں	۳۸۱
۲۹۹	خاتمہ کتاب	۳۴۰	۳۸۲	فائدہ (۷) مزامیر و معارف کی بحث میں -	۳۸۲
۳۰۰	مناجات از مترجم	۳۴۱	۳۸۳	مسئلہ سماع	۳۸۳
۳۰۱	نہم مسئلہ کتاب عقائد تورپشتی از مترجم -	۳۴۲	۳۸۴	غنا لہو الحدیث ہے -	۳۸۴
۳۰۲	دہم مسئلہ	۳۴۳	۳۸۵	گنا بجانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے	۳۸۵
۳۰۳	تہمید مطالب و تحصیل مآرب	۳۴۴	۳۸۶	سماع کی حقیقت	۳۸۶
۳۰۴	فائدہ (۱)	۳۴۵	۳۵۰	حروج سماع حرام مطلق ہے	۳۵۰
۳۰۵	فائدہ (۲) ایمان کی کچھ اد پرستہ	۳۴۸	۳۵۱	صوفیوں کا طریقہ مذہب	۳۵۱
۳۰۶	شاخیں ہیں	۳۴۹	۳۵۲	مرزائی اعتقادات کی تردید	۳۵۲
۳۰۷	فائدہ (۳) خالق عالم کی شناخت	۳۵۰	۳۵۳	لامدی الایسی ابن مریم کے معنی	۳۵۳
۳۰۸	مصنوعات میں فکر کرنے کی فضیلت	۳۵۱	۳۵۴	الاکم مشکم کی توضیح	۳۵۴
۳۰۹	فکر کرنے کی ترکیب	۳۵۲	۳۵۵	حضرت عیسیٰ کا آسمان سے نازل ہونا	۳۵۵
۳۱۰	دلائل النفس	۳۵۳	۳۵۶	اور مرزائی عقیدہ کی تردید	۳۵۶
۳۱۱	انسانی ہستی کی ابتدا	۳۵۴	۳۵۷	توفی کے معنی	۳۵۷
۳۱۲	روح اور مادہ کی قدامت کا ابطال	۳۵۵	۳۵۸	انامت کی بحث	۳۵۸
۳۱۳	بعثت بعد الموت	۳۵۶	۳۵۹	نصب امام سے غرض	۳۵۹
۳۱۴	روح کی حقیقت سے لوگ آگاہ نہیں -	۳۵۷	۳۶۰	کیا امام کا قریشی ہونا ضرور ہے	۳۶۰
۳۱۵	دلائل النفس میں ایک بخش نظم	۳۶۰	۳۶۱	خلافت راشدہ کی مدت	۳۶۱
۳۱۶	فائدہ (۴) قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے - مخلوق نہیں ہے -	۳۶۱	۳۶۲	اہل سنت کا مسلک بارہ اماموں کے باب میں -	۳۶۲
۳۱۷	قرآن کا معجز ہونا -	۳۶۲	۳۶۳	ایک زمانہ میں دو ضعیفوں کا ہونا	۳۶۳
۳۱۸	دجود اعجاز قرآن -	۳۶۳	۳۶۴		۳۶۴
۳۱۹	فائدہ (۵) نبوت کی حقیقت اور	۳۶۴	۳۶۵		۳۶۵

صفحہ	مضمون	نمبر شمار	صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۴۵۵	ایمان فرعون غیر مقبول ہے	۳۶۶	۴۲۵	تنبیوں کے اماموں کے نام	۳۶۰
	اُن مسائل کے بیان میں جن سے فرقہ		۴۲۶	اولیاء اللہ کی کرامت کے بیان میں	۳۶۱
۴۵۷	اہل ہدایت و ایمان کی فرقتیں	۳۷۰	۴۲۷	تین مردانِ خدا کی دلچسپ حکایت	۳۶۲
	باطل سے تمیز ہوتی ہے۔		۴۲۸	شرح رابع کی حکایت	۳۶۳
۴۵۷	فاسق کے پیچھے ناز پڑھنا مکروہ ہے	۳۷۱	۴۲۹	کرامت کی پہلی قسم	۳۶۴
۴۵۸	متقی کے پیچھے ناز پڑھنے کی فضیلت	۳۷۲	۴۳۰	واقعات صحابہ سے اثبات کرامت	۳۶۵
۴۵۸	کن لوگوں کی اقتدا جائز ہے۔	۳۷۳	۴۳۰	دوسری قسم	۳۶۶
۴۵۹	امام میں دس صفات کا ہونا ضروری ہے۔	۳۷۴	۴۳۱	تیسری قسم	۳۶۷
			۴۳۱	چوتھی و پانچویں قسم	۳۶۸
۴۵۹	صحابہ کرام کی فضیلت	۳۷۵	۴۳۲	حضرت عمرؓ کی کرامت	۳۶۹
۴۶۰	تمام صحابہ رضاعی و عدول ہیں	۳۷۶	۴۳۳	حضرت خالدؓ کی کرامت	۳۷۰
	یزید اور اہل قبلہ پر لعنت کی تحقیق	۳۷۷	۴۳۴	معجزہ سحر اور کرامت میں فرق	۳۷۱
۴۶۲	عشرہ مبشرہ	۳۷۸	۴۳۵	سحر و معجزہ کی جگہ و بخت	۳۷۲
۴۶۳	مومنوں پر سحر کرنا	۳۷۹	۴۳۸	ایک اور طریقہ سے سحر و معجزہ میں فرق	۳۷۳
۴۶۴	ولی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچتا	۳۸۰	۴۳۹	عورتوں سے منع کرنے کی حرمت	۳۷۴
	خدا کے اوامر و نواہی بندہ عاقل		۴۴۳	تقیہ کی بحث	۳۷۵
۴۶۵	بالغ پر سے کبھی ساقط نہیں ہوتے	۳۸۱	۴۴۵	نبیؐ کے متعلق ایک عقد	۳۷۷
۴۶۵	کلمات کفر	۳۸۲	۴۴۷	ایمان کی حقیقت اور اُس کے اقسام	۳۷۸
	ایک عاجز ہر قسم کے کفر سے		۴۴۷	ایمان کے وجودات ثلاثہ۔ وجود عینی	۳۷۹
۴۶۷	پاک کرتی ہے۔	۳۸۳	۴۴۸	قرایمان سے حقائق ہمشیا پر آگاہی	۳۸۰
۴۶۸	عدم تکفیر اہل قبلہ کے معنی۔	۳۸۴	۴۴۹	وجود ذہنی اور اس کے مراتب	۳۸۱
۴۶۸	کاہن کو سچا جاننا کفر ہے۔	۳۸۵	۴۴۹	وجود لفظی۔	۳۸۲
۴۶۹	عردہ کو ثواب پہنچتا ہے۔	۳۸۶	۴۵۰	ایمان میں زیادت و نقصان	۳۸۳
			۴۵۰	ایمان کے اقسام متعددہ	۳۸۴
			۴۵۱	ایمان بالغیب	۳۸۵
			۴۵۱	ایمان بالغیب کی فضیلت پر ایک واقعہ صحیحہ	۳۸۶
			۴۵۲	آنحضرتؐ کا ایک معجزہ	۳۸۷
			۴۵۴	ایمان یا س مقبول نہیں	۳۸۸

تمام شد

صحف نامہ

ترجمہ تمام عقائد و تہذیبی معارف و کلمہ و حواشی مفید

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
خدا یا تیرے	خدا یا ہم تیرے	۱	۴	عفاء	عفا	۱۹	۶
تفرقت	متفرق	۱	۱۷	حو	جو	۲۰	۵
میں کسی کی	کسی کو شک نہیں	۳	۱۰۰۹	صورت	صوت	۶	۶
	کیونکہ			وارکان	والارکان	۲۲	۵
جانب سے	انسان اس کے			الاصول	لاصول	۶	۶
	سیب کی جانب سے			من اعتقل	من اعتقل	۶	۶
لیطوفوا	لیطفتوا	۳	۲۵	ماتریدی کے	ماتریدی کے	۶	۱۶
واستفرق	ستفرق	۵	۱۰	باب	بات	۶	۲۲
ویدانات	ویانات	۶	۳۰	حرف	صرف	۴۳	۱۱
مد حال سے	مد حال سے غالی			ہوتی ہیں	ہوتی ہیں	۶	۱۸
ایک	نہیں ایک یہ کہ	۶	۱۰	اُس کی	اُور اُس کی	۶	۶
الانتمہ	الانتمہ	۸	۸	عدم	عدم	۲۴	۱۴
صفحہ	صفحہ ۱۸	۶	۱۳	شرح	شرح	۲۵	۳
دون	دونوں	۱۲	۱	البیہ	علیہ	۲۴	۷
اسی	ان	۱۷	۲۰	ان محمد	ان محمدؐ	۶	۲۱
ساتھ	ساتھ	۱۷	۲۰	بسم	بسم	۶	۲۲
غلاط	غلاط	۱۵	۳	من الضروریات	من الضروریات	۶	۲۲
ازارقہ	ازارقہ	۱۶	۱۷	غالط	دو عالم	۲۸	۶
گروہ	سرگروہ	۶	۱۵	شرکت	شرک	۶	۸
مباہ	مباح	۱۴	۵	کی باقی	کیا جاتا	۶	۶

صفحہ	سطر	صحیح	غلط	صفحہ	سطر	صحیح	غلط
۲۵	۱۲	انہیں	ان میں	۲۸	۹	دو عالم	عالم
۲۶	صفحہ آخر	صفحہ ۳۵۰	۲۲۶	۲۹	۲	صفحہ ۲۰۲	صفحہ ۲۷
۲۷	۱۲	کا	کے	۳۰	۴	مرستے	فرقے
"	۱۲	اس کو	ان کو	"	۱۶	مرزا سنے	مرزائی
۲۹	۱۱	مایہ	مایا	۳۱	۱۸	جزئی	جزوی
"	"	"	"	"	"	ہونا ان کا نصیب	ہونا ان کا
"	"	"	"	"	"	ایک سطر میں چار	نصیب العین
"	۱۵	پرستی	پرستی	"	"	صفحہ ۲۷۵	صفحہ
"	۱۷	ظہور	ظہور	۳۲	۵	من تمسک	لا تمسک
"	۲۰	قطع	قطع	"	۹	کیا بچو	پچھو
۵۰	۶	ایات	ایات	"	۲۰	افساد	افسانہ
۵۱	۱	تدبیر اس کی	تدبیر	۳۳	۲۲	کے تراجم ایسے	کے ایسے
۵۲	۱۶	رکھتی	رکھتی ہو	۳۴	۱۶	کے	کئے
۵۳	۱	پہلے	مانا پہلے	"	۱۵	المعتقد	المعتقد
۵۶	۴	ہیں	نہیں	۳۵	۱۲	فی المعتقد	فی المعتقد
"	۵	کر سکتا	سکتا	"	۱۳	بیش	بیس
۶۱	۶	عزیز	عزت	۳۶	۸	دوامی	دوامی
"	۷	ذیل	ذیل	"	۱۰	لائق	لائق
۶۵	۱۸	شہادت	شہاد	"	۱۸	فاضل	فاضل
۶۲	۱۵	کسی	سی	"	"	لے سکتا ہے	لے سکتا
۶۸	۱۲	بندہ گناہ کرے	بندہ کرے	۳۷	۱۲	نحمدک	نحمدک
۷۵	۳	سمات وحدوث	سمات وحدوث	۳۹	۱	یاد میں	یاد
۷۳	۱۳	پتہ نہ تھا	پتہ تھا	۴۰	۶	نبی کریم	نبی کریم
۷۷	۱۸	خلاف	خدا	۴۱	۴	اسی	کی
"	۲۱	کرتی	کر لی	"	۱	زندہ	زناہ
۷۸	"	احصا	احصا	"	۲	صفحہ ۳۴۸	صفحہ ۲۲۲
۷۹	۱۴	تأویذک	تأویذک	"	"		

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
مآئہاتہ	مآئہاتہ	۸۱	۲۰	چیزوں کی	چیزوں کو	۱۰۸	۵
ابطال کے	ابطال کیلئے	۸۲	۱۵	اثبات	اثبات	۷	۶
لیتمع	لیتمع	۸۳	۲۱	چلوں	چلوں	۷	۲۵
کے	کریں	۸۶	۱۲	وہ نبی ہے	نبی وہ ہے	۱۱۱	۵
ناظرۃ	ناظرۃ	۸۶	۲۰	عقل پر	عقل میں	۷	۲۲
اعترا	اعتبار	۸۷	۲۳	صفحہ	صفحہ ۳۷۰	۷	۲۵
ہیں	ہو	۹۳	۹	تکملہ ص ۳	تکملہ ص ۳	۱۱۳	۷
شریک	شریک ہونے	۹۴	۷	احیا	احیا	۱۱۷	۲۳
مناسبت	مناسبت	۹۸	۲۳	مترود	مترود	۱۱۶	۱۰
خر	خیر	۹۹	۳	اگر نبی	اگر غیر نبی	۱۱۸	۱۹
وہ کہ	وہ یہ کہ	۱۰۰	۲۵	الہام الملک	الہام ملک	۱۱۹	۲۱
کو	کی	۱۰۰	۷	ذلت	ذلت	۱۱۹	۱۶
سب	سب کچھ	۱۰۳	۸	یہ نقص	بہ نقص	۷	۲۰
بائیں	پائیں	۱۰۴	۱۳	ذلت	ذلت	۱۲۱	۹
ال	اصل	۱۰۴	۱۴	ذلت	ذلت	۷	۱۰
ہولاء	دھولاء	۱۰۵	۷	ماخوذ	ماخوذ	۱۲۲	۱۲
شعبۃ	شعبۃ	۱۰۵	۶	ذلت	ذلت	۷	۱۵
ہذا	خدا	۱۰۵	۱۸	ذلت	ذلت	۱۲۳	۱۵
وامتاز الیوم	وامتاز الیوم	۱۰۶	۱۹	تو یہ بھی	تو یہ بھی	۷	۲۱
ایہا	ایہا	۱۰۶	۷	لا تعصداً قم	لا تعصداً قم	۱۲۴	۱۲
شکم	شکم	۱۰۶	۲۰	اقدام	اقدام	۱۲۵	۷
طلاق	اطلاق	۱۰۶	۲۳	نہض	نہض	۷	۱۸
کہ کی	کہ شرک کی	۱۰۶	۲۵	مبیدہ	مبیدہ	۷	۱۹
لعطل	تعطیل	۱۰۷	۶	العافیہ	العافیہ	۱۲۷	۱۴
فی البدیہہ	فی التدریر	۱۰۸	۲۱	ذلت	ذلت	۷	۱۶
شہ و نظر	شہ و تطیر	۱۰۸	۲۷	آضی	آضی	۷	۲۴

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
الغلیبہا	الکفلینیہا	۱۲۸	۱	بیس	تیس	۱۵۵	۱۳
مصبیب	مُصیب	۵	۵	اِنَّہ	اَلَا اَنَّہ	۲۷	۲۲
لوگوں سے	لوگوں کے	۱۳۲	۵	میرا قائم	میرا حکم قائم	۱۵۶	۱۹
زید کی	زید کے	۶	۶	صغیر	صغیرہ	۱۵۷	۲۲
شسا	شسا	۱۳۵	۱	ذلت	ذلت	۱۵۸	۳۱
پڑھ گئی	پڑ گئی	۴	۴	ڈال	ڈال لو	۱۵	۱۵
ابی سرج	ابی سرج	۱۳	۱۳	نہ پڑی	پڑی	۱۷	۱۷
رضائی	رضاعی	۵	۵	مخالفت	مخالفت	۱۵۹	۲۵
الحراح	الحاح	۱۸	۱۸	وَجَدَتْہُ	وَجَدَتْہُ	۱۶۱	۸
تلك فرانیق	تِلْكَ الْفَرَانِیْقُ	۱۳۷	۵	دونوں	دونوں	۱۶۱	۱۳
پڑ رہے	پڑھ رہے	۷	۷	پیغمبر	پیغمبر	۱۶۱	۲۲
خرج	ماخرج	۱۳۹	۷	وَمِنْ دُونِہِ	وَمِنْ دُونِہِ	۱۶۲	۱
کوئی نہیں	کوئی نہیں	۱۷	۱۷	تفضیل	تفضیل	۱۶۲	۱۹
تویلات	تسویلات	۲۱	۲۱	تھی	تھی	۱۶۳	۱۳
دونوں ہاتھ	دونوں ہاتھ کے	۱۴۳	۳	رِءَ تَفَضَّلُونِی	رِءَ تَفَضَّلُونِی	۱۶۳	۱۹
خدا	لَکُنْ خُدا	۱۴۳	۳	رسالت کا	رسالت	۱۶۴	۷
سہنم	سہنم	۱۴۴	۷	تفصیل	تفصیل	۱۶۷	۱۴
دولوا الدھر	دیولون الدبر	۱۴۴	۷	قیام	قیام	۱۶۸	۱
اِخْدِی	اِخْدِی	۱۴۶	۳	جادہ	جادہ	۱۶۸	۵
مصدق	مصدق	۱۵	۱۵	ادھی	ادھی	۱۶۸	۱۳
ہوتے ہیں	ہوتے تھے	۱۴۷	۱۴۷	اللہ تعالیٰ نے	اللہ تعالیٰ نے	۱۶۸	۱۴
اسلم	احم	۱۴۹	۱۴	تحقیق	تحقیق	۱۶۹	۱۵
کے معنی	کے یہ معنی	۱۵۰	۱۱	مختلف	مختلف	۱۶۹	۱۸
یہ	یہ	۱۵۱	۱۴	غرض مسئلہ	غرض اس مسئلہ	۱۶۹	۲۱
یقینیت	یقینیت	۱۵۱	۱۹	اسمعین	اجمعون	۱۷۰	۵
صفت	صنف	۱۵۳	۳	اُسے	انہیں	۱۷۳	۲

صفحہ	سطر	صحیح	غلط	صفحہ	سطر	صحیح	غلط
۲۰۵	۲	طالع	طالع	۱۷۴	۹	فصیحت	فصحت
۲۰۶	۲۲	بعید	بعد	۱۷۵	۱	منزلہ ہیں جتنی ہیں	منزلہ ہیں جتنی ہیں
۲۰۷	۶۵	وَرَانِ مِنْكُمْ	اِنَّ مِنْكُمْ	۱۷۹	۱۲	فی الصلوة	فی الدالة
۲۰۸	۱۸	بعض	پس	۱۸۰	۵	پس	پس
۲۱۱	سطر آخر	تکملہ ص ۳۸۸	تکملہ ص	"	۱۳	مر	میر
"	"	بیان میں	بیان	۱۸۱	۶	اور اس کے ایام	اور ایام
۲۱۲	۹	حاشیہ ۴۱۰	حاشیہ ()	۱۸۳	۱۳	کروے گا	کروے
"	آخر	تکملہ ص ۴۱۱	تکملہ ص	۱۸۵	۱۵	ابتداء	ابتدائی
۲۱۴	۱۰	خوارق عادت	خوارق وعاداً	"	۱۷	جب یہ امر	جب امر
"	۱۹	اہل تشیع	اہل تشیع	"	"	مختلفہ وغیر	وغیر مختلفہ
۲۱۵	۳	التقات	التفافات	۱۸۶	۱۰	مختلفہ	مختلفہ
"	۴	خرافات	خرافات	"	۱۲	لِتَبْلُغُوا	لِتَبْقُوا
"	۱۵	خوارق عادت	خوارق وعاداً	"	۱۴	علیہا	علیہا
۲۱۹	۱۷	تناقص	تناقص	۱۸۷	۹	غریب	عریز
۲۲۱	۱۸	مرتبہ	مرتب	۱۸۷	۱۲	اَتَى	اَتَى
۲۲۲	۱۴	وعلیہ	علیہ	"	۱۸	ظاہر ہیں	ظاہر ہے
۲۲۳	۸	عریز	عریز	"	۲۴	قائل ہیں	قائل
۲۲۵	۱۱	مستخص	مستخص	۱۸۹	۲	بعث	بعث
۲۲۶	۷	معبود	معبود	۱۹۴	۷	میں ہے	میں
"	۲۴	وَأَهْوَنُ	وَأَكْلُون	۱۹۷	۱۴	ثُمَّ مَرَّ	ثُمَّ مَرَّ
۲۲۷	۲	ساعت	شاعت	"	"	مصابیح کا کیا	مصابیح
۲۲۹	۲۵	کا	کو	۱۹۹	۱	باعث -	باعث
۲۳۰	۹	کے لئے	کو	۲۰۱	۸	نہیں	ان میں
۲۳۱	۸	تناقص	تناقص	۲۰۱	۲۳	مسئولوں	مشکوں
۲۳۳	۱۳	تصعج	تصعج	۲۰۲	۱۵	گرائی	گردانی
"	"	اصبحوا	اصبحوا	۲۰۴	۲۵	رہی	دہی

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
خروج	فروج	۲۳۵	۵	مشارقت	مشارکت	۲۶۵	۵
نسب	نصب	۱۰	۱۰	راج	راجع	۲۶۸	۱۶
متعبد	متعدد	۱۳	۱۳	تاکہ یہ حضرت	کہ یہ حضرت	۲۶۹	۴
منسوب	متصوب	۱۴	۱۴	دور کار	دوراز کار	۱۱	۱۱
اقدام	واقدام	۱۶	۱۶	عرضاً	عرضاً	۲۶	۲۶
کے	ہے کے	۲۳۶	۲۵	ان	ان	۲۳	۲۳
امیر منکم	و منکم امیر	۲۳۷	۱	انفقہم	انفقہم	۲۴	۲۴
تکملہ ص	تکملہ ص	۲۳۷	۱۸	ذلات	ذلات	۲۷۰	۱۷
بجائے کہ	بجائے کہ	۲۳۸	۱۰	کہ میں طلحہ	کہ طلحہ	۲۷۱	۱۵
بجوبی	بجوبی	۲۴۰	۲۰	من غلّ علی	من غلّ علی	۱۷	۱۷
استعیاب	استعیاب	۲۴۲	۴	لے	کے	۲۷۲	۲
ہوتا	نہ ہوتا	۶	۶	کیا	کہا	۵	۵
اصلہ	اصح	۲۴۳	۹	اُن کے	اور اُن کے	۲۷۳	۱۵
ہلال	حلال	۲۱	۲۱	زبان	زبان	۲۷۴	۱۲
تفضل	تفضل	۲۷۶	۱۹	سبعین	سبعین	۲۷۵	۸
شاہد	مشاہد	۲۷۸	۱۶	فرقہ	مقدمہ	۲۷۹	۲۲
علمی	علمی	۲۵۰	۲	بات	بات پر	۲۷۷	۱۱
امانت	امامت	۲۵۱	۱۱	نصیریہ	نصیریہ	۲۷۹	۱۰
احصار	احصاء	۲۵۳	۱	غلاط	غلاط	۱۳	۱۳
طیب	طیب	۲۵۷	۲۴	سعی و بلغ	سعی و بلغ	۲۸۰	۱۶
شخص کی	شخص پر	۲۶۰	۴	یہ نہیں	یہ ہیں	۱۹	۱۹
مولاد	موالات	۱۱	۱۱	کہ کلمہ	کلمہ	۲۰	۲۰
اس کے	اس کے کہ	۲۶۲	۱۲	مستجابتہ	مستجابتہ	۲۸۳	۱۹
کہ لوگوں نے	کہ ان لوگوں نے	۲۲	۲۲	دعوۃ	دعوۃ	۱۱	۱۱
چاہتے	چاہتے ہیں	۲۵	۲۵	واہیات	واہیات	۱۱	۱۱
اور کرنا	اور تکبر کرنا	۲۶۴	۲۶۴	تناقض	تناقض	۲۸۴	۴

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
بِنَفْسَيْنِ نَفْسٌ	بِنَفْسَيْنِ نَفْسٌ	۲۹۱	۱۷	اُن میں سے	اُن سے	۳۰۷	۱
نَفْسٌ	نَفْسٌ	"	۱۸	اصراط	اصرار	۳۱۰	۱۱
جائز ہے	جائز ہیں	۲۹۲	۶	اُن کا	اُس کا	۳۱۱	۵
دیکھو ص ۱۲	دیکھو ص ۲۷۶	۲۹۳	آخر	ادحیتا	ادحینا الیک	"	۹
حصری	حصری	۲۹۵	۱۰	جلیلیوں	حلولیوں	۳۱۳	۱۸
مکملہ ص	مکملہ ص ۳۳۳	"	آخر	معرفت ہوتی	معرفت حال ہوتی	"	۲۴
الحصری	الحصری	۲۹۷	۸	کو غلبہ	کو جو غلبہ	۳۱۴	۱۲
احصار	احصاء	"	۱۶	احتمال یہ کتا	احتمال لکنا ہو	"	۱۵
نعد	بعض	"	"	یسعم	یسعم بہ	"	۲۰
شَيْئًا	شَيْئًا مَذْكَورًا	۲۹۷	۱۱	درجہ الذی	درجۃ الی	"	۲۱
صحبت	صحت	۳۰۰	۳	نقص	نقص	۳۱۵	۱۶
مشرک سے	مشرک کا	"	۲۳	اس حال	اس حال پر	"	۱۸
پیغامبر کا۔	پیغامبر سے	"	"	حقیقت کا	حقیقتِ وح کا	۳۱۶	۶
بے سامان سے	بے سامان کے	۳۰۱	۵	کالیوں	قالبوں	۳۱۸	۱۲
دوسرے	دوسرے پر	۳۰۲	۸	استدلات	استدلالات	۳۱۹	۱
اُس نے	جس نے	"	۱۴	بحث	بعث	"	۹
بلکہ دوسرے	بلکہ وہ دوسرے	"	۲۱	اشد ایک	اشد نے ایک	"	۲۳
مراد بقا سے	مراد بقایا سے	۳۰۳	۴	وہ استانہ	وہ اُس	"	۲۴
وہ لوگ ہیں	نصاری ہیں	"	"	مکملہ ص	مکملہ ص ۳۲۱	۳۲۱	آخر
نصاری سے	نصاری ہیں	"	"	دو یومن	د یومن	۳۲۲	۵
لفی	لفی مثل مبین	"	۹	دوسری دلیل	اُن کی پہلی دلیل	"	۱۳
تَبَشِّرُهُ	تَبَشِّرُهُ	"	۱۶	نماز کو	نماز کو اور دیں	"	۱۷
دایلی	دایکی	"	۲۱	مکملہ ص	مکملہ ص ۳۲۳	۳۲۳	۲۲
تغوض	تغویض	۳۰۵	۱۰	طرف سے	طرف ہے	"	۹
مکملہ ص	مکملہ ص ۳۳۹	"	آخر	مالایان	مالایان	۳۲۴	۹
دیکھو ص	دیکھو ص ۳۳۹	۳۰۶	آخر	مصدق	مصدق	"	۱۳

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۲۴	۳	المامل	الخامول	۳۲۵	۲	تفریق	تفریح
۳۲۵	۵	امرط شدہ	امرشدہ	۵	۸	مجبول	محمول
۳۲۸	۳	صفحو ۲۴	صفحو ۲۸	۲۵	۱۵	تصدیق و اقرار	تصدیق اقرار
۳۵۰	۱۸	صفحو ۲۶	صفحو	۳۲۶	۵	بعض میں کم	بعض میں
۳۵۶	۹	انسانی پیدائش	انسان	۷	۷	اصوب	اصلوب
۷	۱۹	رُوح	اُوج	۷	۱۱	استثنا کرکے	استثنا
۳۵۷	۱۸	وَلَقَدْ	إِنَّ	۷	۱۸	داخل کرنا	داخل کرنا
۷	۷	جَعَلْنَاهُ نَفْثَةً	جَعَلْنَاهُ	۳۲۷	۳	وسلم کی	وسلم کے
۷	۲۲	وَالْعَلَقَةِ فَخَلَقْنَا	وَالْعَلَقَةِ	۷	۲۲	خاتمہ کفر	خاتمہ ایمان
۱۹	۱۹	فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ	فَخَلَقْنَا	۳۲۸	۷	افضل میں یا انکے	افضل میں
۷	۷	الْمُهْنَةِ مَهْنَةً	الْمُهْنَةِ	۷	۷	بنی آدم سے	بنی آدم کے
۷	۷	فَخَلَقْنَا	فَخَلَقْنَا	۷	۷	افضل میں یا انکے	افضل میں
۷	۷	الْمُهْنَةِ عَظَمًا	الْمُهْنَةِ عَظَمًا	۷	۷	کے۔	کے۔
۲۰	۲۰	فَلَكُنَا الْعُقَا	فَلَكُنَا	۳۲۹	۵	مصیب	مصیب
۳۵۸	۱۶	بڈیوں	بڈیاں	۷	۲۰	تو تین بھی دی	تو تین بھی دی
۳۵۹	۳	ریش و خش	ریش و خش	۷	۷	گئیں	گئیں
۷	۷	وَدَعَا	وَدَعَا	۷	۷	اُس	اُس
۳۶۱	۲۱	جب	تب	۳۳۰	۱۱	ترویج	ترویج
۳۶۲	۱۶	کام	کام	۳۳۱	۵	اصطفیتا	اصطفیتا
۷	۲۲	ہو جو	ہو جو	۷	۲۰	لا اجعل	لا اجعل
۳۶۳	۷	ص	ص	۳۳۲	۳	قبول کریں	قبول کر کے
۷	۷	طاہر علی قاری	طاہر علی قاری	۷	۷	اُس سے مزاج	اُس سے مزاج
۳۶۴	۵	گنتے ہیں	گنتے ہیں	۳۳۳	۲۳	مبتلائے	مبتلا
۷	۷	موضوع سے	موضوع	۷	۷	تو	اور
۳۶۵	۳۰	ہر نفس پر موت	ہر نفس پر حکم	۷	۲۰	جن کے	ان کے
۷	۷	کا حکم	کا حکم	۳۳۴	۱۶	اندو	احد

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
شاعر	شاعر	۳۶۶	۱	رسول اللہ علیہ	رسول اللہ صلی	۳۶۷	۱
لیبیہ	لبید	"	۲	اللہ علیہ			
سہرہما	شعرہما	"	۳	صفحہ	صفحہ ۲۱۳	۳۱۰	۱۷
عرب	حرب	۳۶۷	۱۲	یل	میں	۳۱۲	۳
قُترَہ	قُترَہ	۳۶۸	۱۸	فہم میں	فہمیں	۳۱۵	۱۷
صفحہ ۴۸	صفحہ ۱۱۱	۳۷۰	۷	زمانہ میں	زمانہ	"	۲۲
از کے امت	از کے است	۳۷۱	۵	صفحہ	صفحہ ۲۳۴	۳۱۸	۱۹
متغائر	تغائر	"	۱۷	اتامہ	اقامہ		
اور وہ	وہ	۳۷۲	۱۶	الذین	الذین	۳۱۹	۱۷
محبوبی	محبوبی	"	۲۱	حوزۃ الحلہ	حوزۃ الملتہ	"	"
یَعَثَّ اللہ	أَبْعَثَ اللہ	۳۷۴	۸	ولتصیفہ	ولتصیفہ	۳۲۲	۱
مخرقات	مخرقات	"	۱۲	متوارع	متورع	"	۱۲
قید لگائیں	قید لگائیں	"	۲۲	لا تشنعس	لا تشغل	۳۳۳	۲
آیہ	آیۃ	۳۷۵	۶	باب یہ حکم	باب کا یہ حکم	۳۳۵	۴
منطق	منطبع	"	۱۲	عودتوں کے	عودتوں سے	۳۴۲	۱۵
کرتے ہیں	کریں	۳۷۶	۴	بات	باب	۳۴۳	۱۴
الغائب	الغائب	"	۴	رنجی	رضی	۳۴۴	۴
من الخیر	تکثرت	"	۱۵	فرقہ اطمیل	فرقہ اسماعیلی	۳۴۵	۲۴
	من الخیر	"		کر دیتا ہے	کر دیتا	۳۴۹	۱۷
محض	بعض	"	۱۶	تو اُن کو تو	اُن کو تو	۳۵۲	۹
یا	لا	۳۷۸	۲۳	بھی	ہی	"	"
بین القرآن	بین الاقران	۳۷۹	۲۵	حجاج	حجاج	۳۶۲	۳
جسد	جسدا	۳۸۲	۱۸	تفسیر	مستبشر	"	۱۸
صفحہ	صفحہ ۲۱۱	۳۸۹	۱۱	سفر میں	سفر اور حضر میں	۳۶۳	۲۰
صفحہ	صفحہ ۲۹	۴۰۶	۲	کرامہ	کرامیہ	۳۶۴	۲۰
اُنہیں	اُن میں	۴۰۳	۱۳	بنی کو	بنی کے	"	۲۲

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
عبد ۵	عبد ا	۴۶۵	۱	کسی ایسی چیز	کسی چیز	۴۶۷	۱۱
ممول ہیں	محمول ہیں	"	۱۴	کافر نہ چاہتے	کافر کتنا نہ	"	۲
محمول پر	محمول بر	"	۱۸	چاہتے	چاہتے	۴۶۸	۳
لواذر	نواذر	۴۶۶	۷				

نوٹ

واضح ہو کہ یہ موٹی موٹی غلطیوں کی صحت ہے۔ ورنہ گہری نظر سے دیکھا جائے تو بعض غلطیاں اور بھی نکلیں گی۔ افسوس کہ مصحح کی غفلت یا کاتب کی سستی سے ایسا ہوا۔ قارئین سے استدعا ہے کہ کتاب کو بغور ملاحظہ فرما کر اصلاح اغلاط میں کوشش کریں۔ ہم بھی طبع ثانی میں اس کا پورا اہتمام کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۛ

ضمیمہ

الضراط السوی ترجمہ عقائد توحیدی

از مترجم عفی عنہ

رسالہ المتعمد فی المعتقد جس کا ہم نے اردو ترجمہ کیا ہے۔ اُن کتب عقاید میں سے ہے۔ جو آج تک مار علیہ علماء احناف رہیں۔ علم کلام کی کتابوں میں اکثر وہی مسائل ہوتے ہیں۔ جو ذات و صفات باری تعالیٰ اور رسالت و نبوت نیز معاملات آخرت سے متعلق ہیں۔ ان کتابوں میں زیادہ تر آیات و احادیث اور اقوال و دلائل معتمدہ اصحاب طواہر سے استناد کیا جاتا ہے۔ اور حقیقت میں انہیں مسائل و عقائد کا دست برد آور دہل و فریب اغیار سے محفوظ رکھنا مد نظر ہوتا ہے۔ عقائد اہل السنۃ والجماعت ان عقیدوں کا نام ہے۔ جو ائمہ اربعہ اور اُن کے تابعین کے معمول و مامول رہے ہیں۔ پس انہیں عقیدوں کی تصویب اور ان کے مخالفین کے معتقدات کی تردید غایت مامول ہوتی ہے اسی لحاظ سے فرقہ ہائے مخالفہ کا تذکرہ اُن کے عقائد پر تبصرہ اور بقدر ضرورت اُن کا بطلان بدلائل واضحہ لازمی ضروری ہوتا ہے۔

چنانچہ عقائد توحیدی میں ان تمام امورات کا بقدر مناسب وقت عمدہ طریقہ پر بیان آگیا ہے۔ اور جدید ضرورتوں کے لحاظ سے ضروری باتوں کو ہم نے اس کتاب کے مقدمہ و مکملہ میں اس وسعت کے ساتھ لکھ دیا ہے۔ کہ ایک چاندلاشی حق انہیں دیکھ کر اطمینان کلی حاصل کر سکتا ہے۔ اور اُن کے دیکھے اور سمجھے بعد ہرگز کسی کے دام فریب میں نہیں آسکتا۔ والتوفیق

مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی ۝

مقدمہ و تکملہ میں ہم نے عقائد کے متعلق بہت سی ضرورتوں کو رفع کر دیا۔ اور تمام فرقہ ہائے خالاکا حال لکھ دیا تھا۔ مگر دو فرقوں دِباطنیہ اور صوفیہ (ملاحدہ) کے حالات سے ہم نے دانستہ اغماض کیا تھا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان ہر دو فرقوں میں سے پہلے فرقہ کے حالات تو اس درجہ پردہ خفا میں ہیں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اُن کے عقائد کی کتابیں اب تک غیروں کی نظر سے پوشیدہ ہیں۔ اور تقیہ کا اُن میں اس درجہ غلو ہے کہ غیر کے سامنے اپنے مذہب کے کسی امام کا نام لینا بھی گناہ اور خلافت تقیہ یقین کرتے ہیں۔ جب یہ حال ہے تو آپ جانتے ہیں۔ اس فرقہ کے عقائد و حالات کی تفتیش و جستجو میں کیا کچھ محنت اُٹھانی نہ پڑتی ہوگی۔ رہا دوسرا فرقہ یعنی صوفیہ ملاحدہ کا فرقہ تو گوہندوستان میں ان محدین کی کچھ کمی نہیں۔ اور ہر شہر و قصبہ بلکہ دیہات تک میں ان بے دین صوفیوں کی ڈلیاں پڑی پھرتی ہیں۔ اور مگر اسی خلق اللہ کا باعث ہوتی ہیں۔ تاہم چونکہ یہ بحث موضوع کتاب سے دُور جا پڑتی ہے۔ اس لئے ان سے تعرض کرنا غیر موزوں سا سمجھا گیا ۝

اب جب کہ یہ کتاب چھپنے کے لئے بھیجی جانے لگی۔ اور حضرت مرشدی و محمدی مولائی و بلجائی قبلہ مولانا خواجہ احمد حسین خاں صاحب قادری نقشبندی مجددی۔ لازوال شسوس اقامتہ طالعہ فی النصف النہار فی تبرکاً و تمیناً اس کتاب کے بعض مضامین ملاحظہ فرمائے۔ اور فرست مضامین پر بسیط و عمیق نظر ڈالی تو حضرت موصوف نے باعمرار فرمایا کہ ان ہر دو فرقوں کے حالات مختصرہ ضرور اس کتاب میں ہونے چاہئیں۔ لہذا بمصدق الاصر فوق الادب میں نے ان ہر دو فرقہ ہائے مذکورہ بالا میں سے صوفیہ ملاحدہ کے عقاید و اہمہ اور اعمال روایہ تو ایک علیحدہ رسالہ تادان صوفی نام میں لکھ کر انجمن اشاعت اسلام برہان پور کی طرف سے شائع کر دئے۔ جو بے حد دلچسپ ثابت ہوئے۔ اور دِباطنیہ فرقہ کے جُزئی حالات ضمیمہ کے عنوان سے یہاں پڑھا دئے۔ اُمید ہے کہ ناظرین ان حالات کے پڑھنے سے نہایت محظوظ ہوں گے۔ کیونکہ اُن کے لئے یہ مضمون بالکل اچھوتا اور

اور نیا مضمون ہوگا۔ جس کا زیادہ تر حصہ اب تک پہلے قلم کی جولا نگاہ سے بچا ہوا ہے :

فرقہ باطنیہ

حضرت مصنف علام نے اپنی کتاب عقائد توحیدی میں فرقہ باطنیہ کا صرف مختصر تذکرہ کر دیا ہے (اور اسی طرح دوسرے مصنفین نے) اور اس کی تفصیلات تعارض نہیں کیا۔ مگر اس زمانہ میں کہ تعلیم یافتہ اصحاب ہر بات کی تلاش و تفتیش و تحقیق و تفصیل کے خواہاں ہیں نظم ہوگا اگر ہم بھی اس فرقہ کے بقدر ضرورت تعارف سے برادران اسلام کو نا بلد رکھیں۔ لہذا اس سلسلہ میں ہم نے ذیل کا بیان ہدیہ نظرینا کرنا مناسب جانا۔

واضح ہو کہ فرقہ باطنیہ جیسا کہ اُس کے نام سے شبہ ہوتا ہے کوئی ایک فرقہ نہیں ہے بلکہ اس کی بہت سی شاخیں ہیں۔ مثلاً قرامطہ، جاروویہ، جابجیہ، طاہریہ وغیرہ وغیرہ جو اس ایک فرقہ سے نکل کر مختلف ناموں یا اپنے بانیوں کے اسمی سے موسوم ہو گئے ہیں۔ اور باہم اس قدر مختلف العقائد ہیں کہ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کی تکفیر کرنے سے بھی نہیں چھکتا۔ لیکن چونکہ ہمارے اس ملک ہندوستان میں ان مذکورہ فرقوں کے متبعین برائے نام بھی نظر نہیں آتے بلکہ کتابوں میں کہیں کہیں ضحّا اُن کا تذکرہ آجاتا ہے۔ اس لئے ہم اُن کو چھوڑ کر فرقہ باطنیہ کی باقی دو شاخوں نزاریہ اور مستعلویہ کا بیان کرتے ہیں۔ کہ اختلاف مبینی و محالک کن اور مالوہ وغیرہ میں ان فرقوں کے لوگ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ عام طور پر ان دونوں فرقوں کا پیشہ تجارت ہے اور اس فن میں دوسرے ہم پیشہ اقوام سے ممتاز ہیں۔ یہ دونوں فرقے مصر کے خلیفہ بنو فاطمہ میں سے خلیفہ المستنصر بالله تک متحد الخیال اور متفق العقائد رہے پھر ان میں ازبوی عقائد امامت باہم اختلاف ہو گیا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ایک وزیر خلیفہ مذکور دربار عام میں تخت خلافت پر نہ کھنٹھے۔ اور ان کا بڑا بیٹا نزار بالله پس پشت کھڑا ہوا اُن پر کسی چیز سے ہوا کر رہا تھا۔ درباریوں میں سے کسی مقتدر ندیم نے سوال کیا۔ کہ آپ کے بعد کون امام خلیفہ ہوگا۔ خلیفہ مذکور نے اُس کے جواب میں اپنے پس پشت اشارہ کیا۔ چونکہ پس پشت نزار کھڑا تھا۔ بعض لوگوں نے اس اشارہ کو اس کے حق میں نص امامت و خلافت سے منصوص تعبیر کیا۔ اور بعض متائل و متردد رہے۔ ان کا خیال یہ ہوا کہ خلیفہ مذکور کا پشت کی جانب اشارہ اس امر پر دال ہے۔

کہ امام معصوم ابھی صلیب پدر میں ہے۔ چنانچہ جب مستعلیٰ بادشاہ خلیفہ کے صلیبی فرزند متولد ہوئے۔ تو ان کا قیاس بھیج نکلا۔ اور انہوں نے مستعلیٰ بادشاہ ہی کو امام مانا۔ اب ان دونوں بھائیوں میں نفس کی بابت آپس میں ایک خول ریز جنگ ہوئی بالآخر مستعلوی نزاریوں پر غالب آکر رہے۔ اور اس طرح دو فرقے ہو گئے۔ نزاریہ کے ماننے والے نزاریہ کہلائے اور مستعلی کے ماننے والے مستعلویہ پھر ان میں مروریام سے عقائد میں بھی بعد امت قین ہو گیا۔ ایسا کہ گویا ایک کو دوسرے سے تعلق ہی نہیں تھا۔

ترکازی نزاریہ کو امام مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیامت تک انکی نسل سے امام ہوتے رہیں گے۔ ہر تینس آغا خاں فرقہ نزاریہ کے موجودہ امام ہیں۔ ان کے ماننے والے خود کہلاتے ہیں۔ لاکھوں ہندو مسلمان اس فرقہ کے ہندوستان اور بیرون ہندوستان میں موجود ہیں۔ اب سے چند سال پہلے ان کے ہندو مریدوں کے ہندوانی نام ہوتے تھے۔ اب ان کے حکم سے ان سرگے نام مسلمان رکھ دئے گئے یہ لوگ خود کو اسماعیلی بھی کہتے ہیں۔ اور یہ نسبت حضرت اسمعیل ابن جعفر صادق کی طرف ہے۔ اس فرقہ کی تنظیم بڑی زبردست ہے۔ آغا خاں موصوف سے ان کو اگر اعتقاد ہے۔ وہ انہیں امام معصوم مانتے ہیں۔ ہر تینس موصوف اپنا نسب حضرت علی ابن ابیطالب سے ملاتے ہیں۔ یہ لوگ بھی اپنے عقائد کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اور سنا جاتا ہے کہ اس فرقہ کے لوگ امام معصوم کے موجود ہوتے کسی شرعی عبادت کی چنداں ضرورت نہیں سمجھتے۔ اصلا ع تجارت و دکن کے بعض شیعہ و امامیہ اور اہل تسنن بھی ہندوؤں کو اپنا مرید کرتے ہیں۔ ایسے مرید خود کو دھرمی کہتے ہیں۔ ان کے نام و لباس و طعام اور طرز معاشرت بالکل ہندوانہ طریق پر ہے۔ لیکن ان کے بعض روشن خیال اصحاب دیر پردہ نماز روزہ بھی کرتے ہیں۔ اہل اسلام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ایسی پیری مریدی خواہ ہر تینس کی جانب سے ہو یا باقی شیعہ و سنیوں کی طرف سے آخرت میں تو کیا دنیا میں بھی مسلمانوں کو کوئی فائدہ رساں نہیں پس اس میں سخت اصلاح کی ضرورت ہے۔ ورنہ پیر و مرید دونوں کے لئے باعث فسادان دنیا و آخرت ہے۔ اَعَاذَنا اللہ عن ذالک۔

مستعلوی فرقہ کے لوگ بھی ڈھائی لاکھ سے کچھ زیادہ ہندوستان وغیرہ میں

پائے جاتے ہیں۔ اُن کا طرز معاشرت آغا خانوں اور دوسرے مسلمانوں سے بالکل جدا ہے۔ یہ اپنی قوم کے سوا دوسری قوم میں بیاہ شادی نہیں کرتے۔ مسلمانوں کے لیے ایک یا دو روز قبل روزہ ماہ رمضان میں رکھتے اور اسی طرح عید مناتے ہیں۔ بلکہ ان کا ہر ایک مہینہ اسی طرح شروع اور ختم ہوتا ہے۔ تا واقعہ لوگ ان کو ماوسی کہتے ہیں۔ کیونکہ اکثر اماوس کے دوسرے دن سے مہینہ شروع ہوتا اور اماوس پر ختم ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ اُن کے ہاں حضرت امام جعفر صادقؑ سے ایک حدیث مروی ہے۔ جس کے رُوسے انہوں نے مہینوں کے دنوں کی گنتی نہرالی ہے۔ بعض مہینے اُنہیں دن کے ہوتے ہیں۔ اور بعض تیس دن کے۔ چنانچہ رمضان کا مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے اماوس سے ان کے مہینوں کو کوئی تعلق نہیں۔

یہ لوگ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو وحی مانتے ہیں اور وصایت کا درجہ امامت سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ اس لئے بخلاف شیعہ امامیہ اماموں کی تعداد حضرت امام حسن ابن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے شروع کرتے ہیں۔ اور اکیسویں امام یعنی طیبؑ تک ختم کرتے ہیں۔ شیعہ امامیہ کے نزدیک بارہ امام ہیں جن کی نسبت سے وہ اثنا عشری کہلاتے ہیں۔ اور اُن کے ہاں کیسٹ امام۔ وہ اکیسویں امام کو مستور کہتے ہیں۔ اور امامیہ بارہویں امام یعنی حضرت مہدیؑ کو مستور کہتے ہیں۔ پھر مستعلویہ یہ اعتقاد نہیں رکھتے کہ اُن کے اکیسویں امام اب تک زندہ ہیں۔ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ طیبؑ کی ذریت سے ہر زمانہ میں امام ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن وہ سب کے سب مستور رہیں گے۔ پھر آخر زمانہ میں اُن کی ذریت سے مولانا قائم القیامہ ظاہر ہوں گے۔ جن کی نسبت ان کا اعتقاد ہے کہ وہ صاحب نبوت و رسالت اور صاحب وصایت و امامت ہوں گے۔ لیکن جب اُن سے سوال کیا جاتا ہے کہ قائم القیامہ نبی و رسول کیسے ہوں گے۔ حالانکہ آپ کے اعتقاد کے بموجب بھی نبوت و رسالت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہو گئی ہے تو اس کا کچھ جواب نہیں دیتے۔ اور صرف یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ کہ ہمارا اعتقاد یہی ہے ہمیں ان کی نسبت اس سے زیادہ کچھ نہیں بتایا گیا ہے۔ مستعلوی فرقہ کی بھی بہت شاخیں ہو گئی ہیں۔ جن میں زیادہ تر مشہور تین ہیں۔ جعفری۔ سلیمانی۔ داؤدی۔ یہ سب مل کر بوہرہ کہلاتے ہیں۔ لیکن ان میں جعفری بوہرے شیعہ نہیں ہیں۔ بلکہ یہ بکے سنی ہیں۔ یہ بھی دوسرے

بہروں کی طرح تجارت پیشہ ہیں۔ اُن کی زیادہ تعداد احمد آباد اور راندھیر میں ہے۔ یہ فرقہ بڑا دیندار اور پابند شریعت اسلامیہ ہے۔ اس فرقہ کے اکثر لوگ بڑے فیاض اور نیک نسل ہوتے ہیں۔ ان کی مسجدیں نہایت عالیشان اور آراستہ و پیراستہ ہیں خصوصاً راندھیر کی مسجد اپنا جواب نہیں رکھتی۔ حضرت اُستاد ذی مولانا ظہور حسین صاحب رام پوری مدظلہ ایک عرصہ تک راندھیر کے مدرسہ میں مدرس رہ چکے ہیں۔

اس فرقہ کے سنی ہونے کی وجہ خاص بہروں کی زبانی یہ بیان کی جاتی ہے کہ فرقہ مستعلویہ کے ایک ملا محمد جعفر نامی بغرض تحصیل علم بمن بھیجے گئے۔ حتیٰ کہ اُنہوں نے مین میں رہ کر علم میں نہایت کمال حاصل کیا۔ اس کے بعد ہندوستان کے داعی نے جن کی اجازت سے صاحب موصوف بمن گئے تھے ان کو واپس آنے کے لئے لکھا۔ چنانچہ صاحب موصوف واپس آئے۔ اور داعی وقت سے ملاقی ہوئے۔ اثنائے مکالمت میں داعی نے دریافت کیا۔ کہ کیا اثنائے راہ میں تم نے کسی جگہ نماز کی امامت کی تھی۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ راستہ میں جتنے بلاد و قربات میں میرا قیام ہوا۔ میں نے وہاں امامت کی۔ داعی نے ازراہ حسد یا شرم ان کو کہا کہ تم نے جتنی نمازیں ہماری رضا بغیر پڑھائی ہیں۔ وہ سب فاسد ہیں۔ جاؤ اور بمن تک جہاں جہاں نماز پڑھائی ہے وہاں کے لوگوں کو نماز کے اعادہ کا کہو۔ اور خود اپنی تمام نمازوں کا بھی اعادہ کرو۔ ملا جعفر صاحب نے جواب دیا کہ شریعت اسلامیہ میں تو کسی ایسی نماز کے اعادہ کا حکم نہیں ہے۔ اور نہ امامت نماز کے لئے رضا (اجازت) کی شرط ہے۔ یہ بات سن کر داعی صاحب غیض و غضب میں آگئے۔ اور ملا صاحب موصوف کو مجلس سے نکال دیا۔ ملا صاحب موصوف کو داعی کی یہ حرکت نہایت ناپسند ہوئی۔ اور ان پر مذہب باطنیہ کی خرابی آشکارا ہو گئی۔ پس اتنی بات پر وہ خود بھی سنی المذہب ہو گئے۔ اور اپنی زبردست تقریر و تبلیغ سے قریباً بارہ لاکھ باطنی بہروں کو سنی المذہب کر لیا۔ چنانچہ یہ بوہرے جعفری مشہور ہوئے۔ اور اُن کا مذہب سنی ہو گیا۔ چنانچہ اب تک یہ سب سنی اور دین کے نہایت پابند ہیں۔

سیلمانی بوہرے اُن کے داعی سلیمان نامی کی جانب منسوب۔ اُن کا

مرکز دعوت نے الحال حیدر آباد دکن میں ہے۔ اکبر علی حیدری الملقب بفتح اب حیدر نواز بنگ اسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس فرقہ کے لوگ کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ ان کی وضع قطع اور طرز نامزد و بؤہ داؤدی بوہروں کی طرح ہے۔ اور امامت و عقائد میں بھی کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔ صرف دعوت میں اختلاف ہے کہ داؤدی بوہرے داؤد ابن قطب شاہ کو داعی مانتے ہیں۔ اور سیماانی بوہرے سیماان کو ۛ

داؤدی بوہروں کی معقول تعداد ہے۔ ان میں بربست دوسری شاخوں کے ظاہر شریعت کی پابندی بھی ہے۔ ان کا مرکز دعوت سورت ہے مگر آج کل اس کے داعی مبثی میں زیادہ رہتے ہیں۔ یہ بڑے خوش اخلاق اور فیاض و باذل ہیں۔ ہر قوم کے لوگ ان کے چشمہ فیض سے سیراب ہوتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے مذہب کو اور اپنے مذہب کی کتابوں کو نہایت اہتمام سے اغیار سے پوشیدہ رکھتے ہیں۔ مذہبی معاملہ میں لڑائی جھگڑا اور بحث و مباحثہ نہیں کرتے۔ نہایت امن پسند قوم ہے۔ مگر بعض کم علم ملائوں میں مذہبی تعصب حد سے زیادہ ہے۔ کچھ عرصہ سے داؤدی بوہروں میں بھی باہم اختلاف ہو گیا ہے۔ بوہروں کی ایک معقول تعداد موجودہ ملا صاحب کو داعی مطلق نہیں کہتی۔ ان کا قول ہے کہ دعوت کا سلسلہ ملا بد الدین پر ختم ہو گیا۔ یعنی انہوں نے اپنے انتقال کے وقت کسی کی دعوت پر کسی قسم نص نہیں کیا۔ ان کے بعد ملا نجم الدین جو داعی ہوئے۔ وہ حقیقت میں داعی منصوص نہیں تھے۔ بلکہ قوم کے سردار یا منتظم داعی کی حیثیت سے قوم کے مذہبی معاملات کی قیادت کرتے تھے۔ اور پھر ان کے بعد کے تین داعی اور موجودہ ملا ظاہر سیف الدین صاحب تک جتنے داعی ہوئے۔ وہ بھی سردار کی حیثیت سے سیدنا پکارے جانے لگے۔ لیکن موجودہ ملا صاحب کے باقی متبعین جن کی تعداد ان سے بہت زیادہ ہے وہ کہتے ہیں کہ موجودہ ملا صاحب داعی مطلق ہیں۔ اور کتابوں کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ دعوت کا سلسلہ قیامت تک کبھی منقطع ہونے والا نہیں۔ ان کے نزدیک یہ ۱۵ دین داعی مطلق ہیں۔ ان داعی صاحب کی طرف سے تمام قریات و انصاریں عاملین مقرر ہیں۔ جو نیا بتا ملا صاحب موصوف کی طرف

سے احکام شریعت جاری کرتے۔ زکوٰۃ وصول فرماتے۔ اور عبادات و معاملات میں اہل قریہ کی رہبری کرتے ہیں۔ اس قوم کا نظام قابل تعریف ہے۔ جس کا اعتراف رسالوں۔ اخباروں۔ تقریروں۔ تحریروں اور جلسوں وغیرہ میں ہماری قوم کے بڑے بڑے علماء مثلاً مولانا حبیب الرحمن صاحب شروانی صدر الصدور امور مذہبی (سُورَت کی ایجوکیشنل کانفرنس میں) کر چکے ہیں۔ دعوتِ باطنیہ کی تاسیس ایک جماعت سے متعلق ہے۔ جن کا پیش رو امام جعفر الصادق کا ایک ابوازی غلام میمون ابن دیصان تھا۔ جو قراح کے لقب سے مشہور ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس دعوت کے پھیلانے میں سب سے زیادہ عبداللہ ابن میمون قراح نے حصہ لیا۔ جس نے خود کو اسماعیل کی نسل سے منسوب کیا۔ اور اپنی جماعت لے کر قیرواں پر حملہ کر دیا۔ پھر مصر میں داخل ہوا۔ اور وہاں شہر قاہرہ کی بنیاد ڈالی۔ تمام خلفاء بنو فاطمہ کے زمانہ میں یہی شہر فرقہ باطنیہ کا مرکز دعوت رہا۔ اور وہ اپنے عقائد کی تبلیغ میں سے اطراف ممالک میں کرتے رہے۔ یہ شہر ۱۲۳۳ھ میں تعمیر ہوا ہے۔

علامہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الفرق بین الفرق میں لکھا ہے۔ کہ فرقہ باطنیہ اسلامی فرقوں سے خارج ہے۔ پھر ان کے عقاید بیان کر کے اپنے اس قول کی توثیق کی ہے۔ ممکن ہے کہ فرقہ باطنیہ کی بعض شاخوں مثلاً صابحیہ وغیرہ کے عقائد ایسے ہی ہوں۔ لیکن جن دو فرقوں کا حال اوپر لکھا ہے۔ ان کے ظاہر افعال و اعمال تو ایسے نہیں معلوم ہوتے کہ انہیں فرقہ ملے خارج از اسلام محسوب کیا جائے۔ واللہ اعلم بحقیقتہ الحال۔

ذیل میں ہم فرقہ باطنیہ کے ائمہ کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔ جس سے قارئین کرام کو بصیرت حاصل ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ فرقہ باطنیہ کہاں سے فرقہ امامیہ سے جدا ہوا۔ اور یہ کہ نزار کہاں سے الگ ہوئے۔

مولانا علی ابن ابی طالب امام وعلیقہ اول یہ اعتقاد شیعہ و امامیہ۔
ووصی محض یہ اعتقاد فرقہ باطنیہ۔

مولانا الحسن ابن علی امام اول فرقہ باطنیہ و امام دوم فرقہ شیعہ

امامیہ، (۳) مولانا الحسین ابن علی - (۴) مولانا ذین العابدین ابن الحسین - (۵) مولانا باقر ابن ذین العابدین - (۶) مولانا جعفر الصادق ابن الیاقر - (۷) حضرت موسیٰ کاظم ابن جعفر صادق - (۸) حضرت علی رضا ابن موسیٰ کاظم (۹) حضرت علی نقی ابن علی رضا - (۱۰) حضرت علی نقی ابن علی - (۱۱) حضرت حسن عسکری (۱۲) حضرت مهدی المنتظر:

مذکورہ بالا بارہ اسلامی شیعہ امامیہ کے بارہ امام ہیں لیکن فرقہ یاطنیہ کے لوگ ان میں سے پچھلے چھ اماموں کو نہیں مانتے۔ بلکہ وہ امام جعفر صادق کے بعد ان کے بڑے صاحبزادہ حضرت اسماعیل کو امام مانتے ہیں۔ ان کا سلسلہ اس طرح ہے:-

(۶) حضرت اسماعیل ابن جعفر صادق (۷) محمد ابن اسماعیل (۸) عبد اللہ ابن محمد - (۹) احمد ابن عبد اللہ - (۱۰) حسین ابن احمد (۱۱) عبد اللہ امام مہدی (۱۲) محمد بن القاسم (۱۳) اسماعیل منصور (۱۴) المعدن المغربي (۱۵) نزار العزیز (۱۶) الحسین الحاکم (۱۷) علی الطاہر (۱۸) المعدن المستنصر (۱۹) احمد المستعلی - (۲۰) المنصور (۲۱) الطیب مستور - (۲۲) قائم القیامت:

یہ مستعلوی فرقہ کے ۲۱ امام ہیں۔ قائم القیامت کو صرف امام نہیں مانتے بلکہ انہیں صاحب النبوت والرسالت والوصایت بھی کہتے ہیں۔ تزار ہی فرقہ خلیفہ المستنصر تک ان کے ساتھ چلتا ہے۔ اس کے بعد وہ تزار پسر المستنصر کو امام مانتا ہے:

کتاب کے متعلق حضرت امام ربانیؒ کی رائے

از مکتوبات امام ربانیؒ والفت ثانی دفتر اول صفحہ ۳۱

ارباب تکلیف پر پہلے نہایت ضروری ہے کہ علمائے اہل سنت و الجماعت
 شک اللہ تعالیٰ سیم کی راؤں کے موافق اپنے عقائد کو درست کریں۔ کیونکہ عاقبت کی
 نجات انہی بزرگوں کی بے خطا راؤں کی تابعی اسی پر موقوف ہے۔ اور فرقہ ناجیہ بھی
 یہی لوگ اور ان کے تابع رہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں۔ جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام
 اور ان کے اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریق پر ہیں۔ اور ان علوم
 سے جو کتاب سنت سے حاصل ہوئے ہیں۔ وہی معتبر ہیں۔ جو ان بزرگوں نے کتاب
 سنت سے اخذ کئے ہیں اور سمجھے ہیں۔ کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ بھی اپنے فاسد عقائد کو
 اپنے خیال فاسد میں کتاب سنت ہی سے اخذ کرتا ہے۔ پس ان کے مفہومہ معانی میں سے
 ہر معنی پر اعتبار نہ کرنا چاہئے۔ اور ان عقائد حقہ کی درستی کے لئے امام اہل تور
 بیتی کا رسالہ بہت مناسب آسان فہم ہے۔ اپنی مجلس شریف میں اس کا
 ذکر کرتے رہا کریں۔ لیکن رسالہ مذکورہ چونکہ استدلال پر مشتمل ہے۔ اور اس میں طول و
 بسط بہت ہے۔ اس لئے کوئی ایسا رسالہ جو صرف مسائل ہی کو شامل ہو۔ بہتر اور
 مناسب ہے۔ اسی اثنا میں فقیر کے دل میں خیال گذرا کہ اس بارہ میں ایک ایسا
 رسالہ لکھے۔ جو اہل سنت و جماعت کے عقائد پر مشتمل ہو۔ اگر ہو سکا تو جلد ہی
 لکھ کر خدمت میں بھیجا جائے گا۔

(مکتوب ۱۹۳ مکتوبات شریف)

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ لکتاب

اللہ تعالیٰ ہم تیری حمد کرتے ہیں۔ اور تیری نعمتوں سے بے منتہا کے شکر میں شب و روز تری پناہ میں رہتے ہیں۔ کہ تو نے محض اپنے کرم عظیم اور لطفِ جبار سے ہمیں خلق فرما کر اپنی اطاعت و عبادت پر مامور فرمایا۔ جیسا کہ تیرا مطلق واجب الوجود و مطلق خالق و مطلق رب ہے۔ خَلَقْتَ الْحَيَّ وَارْسَلْنَاكَ لِتَبْلُغَ دُونَ اس کا شاہد ہے۔ خدایا تیرے احسان سے نہایت اور جو دے قیاس کے منتہا شناس اور سپاس گزار ہیں۔ کہ تو نے ہمیں ایمان و اسلام کی توفیق عطا فرما کر کفر و شرک کی آلودگیوں سے دور رکھا۔ تو نے اپنے حبیبِ محبوب اور رسولِ مقبول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ دین پاک اور اسوہ حسنہ ہم کو مرحمت فرمایا جو اقراط یہود اور تفریط نصاریٰ سے بھرپور دور صراطِ مستقیم اعتدال کا رہنما ہے۔ اس میں نہ دین موسوی کی طرح بروجِ مال کی زکوٰۃ اور قتل نفسِ توبہ کا کفارہ مقرر ہے۔ اور نہ اس کو آئین ملت عیسوی کی طرح تحلیلِ شربِ حمر اور اکل لحمِ خنزیر سے سروکار ہے۔ بلکہ اس اقراط و تفریط سے پاک اور ہر ایک نقص و خط سے بے باک ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَتُوبُ اِلَیْکَ بِہِم تیرے ان انعامات سے پائیاں اور الطاف نمایاں کی حمد سرائی کئے بغیر نہیں رو سکتے کہ تو نے فرقہ نمائے ضالہ مذکور فی الحدیث سید المرسلین تفرقت امتی علی ثلاثۃ و سبعین الخ سے ہمیں مومن محفوظ رکھا کہ سوادِ عظیم اہل سنت و الجماعت میں پیدا اور اسی پر قائم رکھا۔ اس فرقہ حقہ منجیہ میں نہ تو جبر کی طرح یہ مقرر ہے کہ بندہ مثلِ حمار ہے قدرت و اختیار ہے۔ اس میں حلال و

کسب کی کچھ بھی صلاحیت نہیں۔ اور نہ وہ قدر یہ کی مانند اس بات کا مستند ہے کہ
 بندہ خود اپنے افعال کا خالق ہے۔ بلکہ اس کا اعتقاد ہے کہ بندہ یہ کہ سب کی قدرت
 ہے۔ اور خالق افعال خدا عزوجل ہے۔ وہ مثل خواجہ کے نہ تو جناب علیؑ اور صہما
 رسولؐ سے عداوت اور تبرک کرتا ہے۔ اور نہ مانند روانض کے اصحاب رسولؐ صلعم
 یا یحییٰؑ طسن کی آوازیں کستہ ہے۔ وہ امامت شیخین کا قائل محبت ختین اور مسیح علیہ
 النین کا معتقد ہے۔ اور اس کی زبان سب شتم اصحاب رسولؐ سے و انجیم کے
 مکشوف ہے۔ وہ خدا کے لئے تشبیہ و تعطیل و تجسیم کا قائل نہیں۔ اور نہ فلاسفہ کا سف
 کی طرح عقل جزوی پر مصر اور سبید ہے۔ پروردگار ہم تیری اس بے بہا نعمت کا کیونکر
 شکر ادا کریں کہ تو نے رحمت عالم اکرم نبی آدم حضرت محمد رسول اللہ کو ہمارا لایا دی مولیٰ
 و آقا بنا یا۔ اور ان کی شان الایم کہیں تو خطاب یا الْمُؤْمِنِينَ دُرُوءِ الرَّحِيمِ
 فرمایا اور کہیں وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ سے اُن کی قدر و منزلت
 کو آدم و داد و ن آدم سے بڑھایا فَصَلُّوا لِّلَّهِ وَسَلِّمُوا عَلَيْهِمْ عَلٰی اَیِّ
 وَاصِحَّائِهِ وَاتَّبَاعِهِ أَجْمَعِينَ

امتا بعد کہتا ہے بندہ گنہگار بے بضاعت تیرا پانا دانی و جہالت باجی رحمت
 رب العہد اختر محمد الحنفی قادری نقشبندی مجددی رام پوری متوطن برہان پور ابن علامہ
 زبان فاضل دوران حلتہ اعلم و العلماء قدود صہما مولوی فیض محمد خاں علیہ علی آباءہ
 رحمۃ اللہ المتان کہ جب میں تحریر و تسوید ترجمہ کتاب مطاب مقبول ہر شیخ و شاب
 اعنی المعتمد فی المفتقد لہ شہو بقائد تو رشتہ مصنفہ حضرت شیخ شہاب
 الدین رحمۃ اللہ علیہ سے بفضل خدا و طفیل روح پاک سید الانبیاء علیہ علی الہ التیمہ
 و الشفاء سے فارغ ہوا تو خاطر فائز میں گذرا کہ جس طرح تبصرۃ النظارین آخر کتاب میں
 ایک تکرار مفیدہ لگا دیا ہے اسی طرح بغرض تعمیم فائدہ اول کتاب میں ایک مختصر و غیر
 مفیدہ کتاب بھی بڑا دوں تاکہ ترجمہ دیکھنے والوں کو حصول مطلب میں وقت نہ ہو
 اور کتاب موصوف طابان حق کے لئے ہر طرح موجب برکت ہو۔ لہذا اس غرض
 سبب سے پیش نظر رکھ کر اس مقدمہ کو اس فن شریف (علم کلام) کی کتب منتخبہ سے
 سے اخذ کر کے بعنوان لطیف معروض تحریر میں لایا۔ وَمَا لَوْ فِیْقِیْ إِلَّا یَا دُلَّہُ

الْعَلَى الْعَظِيمِ

باننا چاہئے کہ علم کلام وہ علم ہے جس میں ذات و صفات باہمی تعالیٰ
 اور اعتقاد اسلام کے متعلق بحث ہوتی ہے۔ اسی کو علم عقائد بھی کہتے ہیں مختصر
 امام اعظم ابو حنیفہ نعمان ابن الثابت الکوفی التابعی رحمۃ اللہ علیہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں
 نے اس فن کی تدوین ترتیب کی جانب توجہ مبذول فرمائی۔ اور اس صنف خاص میں
 مثل اور فنون علوم دینی کے اپنے تمام معاصرین سے سیدقت مے گئے۔ اس
 فن کی مدح و ذم میں علماء سلف سے مختلف اقوال منقول ہیں۔ جن کو ملا علی القاری
 الہروی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شرح فقہ الکبیر میں نہایت خوبی سے منسبہ کیا ہے
 خلاصہ ان سب اقوال کا یہ ہے کہ ایسا علم کلامیہ میں اگر اصول دین سے متجاوز
 اور اس میں غرض عقل جزئی کی متابعت ہو تو علم کلام کے مذہب ہونے میں کسی کی
 جانب سے غافل اور الکلام فی کذا و کذا کی طرف مائل رہتا ہے۔ اور اگر مسائل کلامیہ
 اعتقادیہ کی بحث میں نہایت سنت و اجماع امت کے دلائل و استنباطات سے
 کام لیا جائے۔ اور اقوال معقولہ فلاسفہ و حکماء سے قطع نظر کی جائے تو حقیقت
 یہ ہے کہ علم کلام نہایت مفید و مفیض علم ہے۔ کیونکہ معرفت ان اعتقادات کی
 جو اس علم میں بیان ہوتے ہیں۔ ہر ایک انسان مکلف پر واجبات شرعی سے ہے
 اور یہی ایک اہل ذریعہ ادیان و ملل باطلہ کی تردید دین حق کی تائید اور فرقائے
 سالہ کی فریب ہی اور دھوکہ بازی سے مصلوٰن مامون رہنے کا ہے۔ پس نظریہ
 ہر دو مقاصد مذکورہ علمائے کرام نے اس علم میں بہت سی کتابیں لکھیں۔ اور خدا کا
 شکر ہے کہ وہ اہل سنت و اجماعت کے لئے موجب حصول سعادت و اربین
 ہوئے۔ اگر علمائے اعلام اس کی تدوین کی جانب توجہ تام نہ فرماتے۔ تو اندیشہ تھا
 کہ قصر اہل سنت کی بنا بہت جلد متزلزل ہو جاتی۔ اس لئے کہ بعد خیر القرون
 کے بے شمار عقائد باطلہ اور فرقائے مختلفہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اور ان
 کی خاص غرض یہ تھی کہ فرقہ ناجیہ ملت حقہ تنقیہ اہل سنت کو صفحہ ہستی سے مٹا دیں
 اور اس طرح اسلام کے عالیشان محل کو بیخ و بنیاد سے اکھڑ ڈالیں۔ بے یار و مدد
 لِيُطَوِّعُوا اَنْزِلَ اللهُ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ اَنْزِلَ مِنْ تَحْتِ ثَوْرِهِمْ وَ لَوْ كَسِرَ

علم کلام کی تدوین

المُشْرِکُونَ چاہتے ہیں کہ خدا کے عالمِ ناب اور لازوال نور کو اپنی بیوقوفوں سے بچا دیں۔ اور اللہ تعالیٰ پر اراکونے والا ہے اپنے نور کا۔ اگرچہ شرک کر نیوالے برا سمجھیں۔

اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ علمِ کلام کی تالیف کا سبب فقرائے زمانہ کا خرچ اور ظاہر ہونا ہے۔ ورنہ متکلمین اسلام کو کیا ضرورت تھی کہ مسائلِ کلامیہ کو موجودہ صورت میں کتابوں میں مرتب مدون کرتے چنانچہ صحابہ کرام کے زمانہ مسعود میں کلام و بحث کا مطلق وجود نہ تھا۔ اور اس کا یہی سبب تھا کہ شکوۃ نبوت سے فیض اٹھانے والے موجود تھے۔ ہر شخص اپنے شکوک و شبہات کو کسی صحابی سے پوچھ کر رفع و دفع کر لیتا۔ اور تحقیق حق کے بعد اس کی پوری تسکین و عطا کی ایک اور بات یہ تھی کہ اس زمانہ میں کثرت سے باہم اس درجہ کی مخالفت بھی نہ تھی۔ جس سے ایک دوسرے کی تفصیل و تکفیر لازم آتی۔ اور اگر اچانک کسی سے خلاف دیکھا بھی جاتا تو فوراً اس کو تعزیر و تادیب کر دی جاتی۔ یہاں اس کے سوا دوسرے ضروری بواعث ایسے تھے جس سے ان بزرگوں کو نہ تو اس علم کے جمع کرنے کی ضرورت ہوئی اور نہ مجاہدات ظاہری و باطنی سے انہیں اتنی مہلت ملی کہ وہ اس طرف عنان توجہ منعطف فرماتے۔ اگرچہ انہیں معلوم تھا کہ حسبِ زمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عقربِ امت مرحومہ نہتر فرقوں میں بٹ جائیگی۔ ان میں ایک ہی فرقہ ناجیہ ہو گا۔ باقی سب ناری۔ کیونکہ فضتین متقابلین میں حق ہمیشہ ایک ہی میں داخل ہوتا ہے۔ لیکن انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرقہ ناجیہ کی علامت بیان فرمادی ہے کہ وہ حضرت سالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے رستہ پر چلنے والے اور امور دینیہ میں انہیں کی پیروی کرنے والے ہونگے۔ لہذا ان کو اس جانب سے قبل وقوع و قہم اور سنوچ سانحہ کے کچھ اندیشہ و تردد نہ تھا۔ اب جب کہ صادق و صدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی موافق ملت اسلامیہ شیرازہ بکھرنے لگا۔ اور جامعہ سلام فرقہ فرقہ ہونے لگا۔ تو علماء کو ضرورت پڑی کہ اہل سنت کے عقائد حق کو کتابی صورت میں جمع کر دیا جائے۔ اور عقائد باطلہ سے تعرض نہ کیا جائے۔ پھر اس کے بعد

مجموعہ کتب و تصانیف کا

آئے عالمہ علماء کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ ان کے باطل خیالات اور عقائد نہ مرفوعہ
کی ساتھ کے ساتھ تردید بھی کر دیا جائے اور جس پیمانہ سے انہوں نے ناپا ہے۔
اس پیمانہ سے انہیں بھی ناپ کر دیا جائے۔

گنہگار از گنہگارم بروند بخورند
از مکافات عمل غافل مشو

افتراق امت کی حدیث مختلف طریقوں پر مروی ہے۔ مگر مطلب
سب ایک ہے۔ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبَنِيَّ عَلَى أُمِّيَّتِي مَا
أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ نَفَرَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ عَلَى اثْنَتَيْنِ وَ
سَبْعِينَ مَلَكَةً وَاسْتَفْرَضُوا أُمِّيَّتِي عَلَى ثَلَاثَةِ وَسَبْعِينَ مَلَكَةً
كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مَلَكَةً وَاحِدَةً قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مِنَ الْمَلَكَةِ
الْوَحِيدَةِ الَّتِي مُتَنَفِّذَةٌ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهَا وَاهْتَمَّ بِي (رواہ فی الفرق
بین الفرق حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا قریب
ہی میری امت پر وہ واقعہ آیا ہے۔ جو بنی اسرائیل پر گذرا۔ بنی اسرائیل کے
بہتر فرقے مجھے اور میری امت کے بہتر فرقے پہنچے ہیں۔ اور سب فرقے
ہیں۔ مگر ایک فرقہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کونسا فرقہ ہے جو دوزخ
میں نہیں جائیگا۔ آپ نے فرمایا۔ وہ جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔
بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ یہود کے اکثر فرقے ہوئے۔ اور نصاریٰ کے
بہتر اور میری امت کے بہتر فرقے ہوئے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ اس دینا مات چار قسم کے ہیں۔ مجوس۔ یہود۔ نصاریٰ
اور اہل اسلام ہیں۔ مجوس کے ستر۔ یہود کے اکتھرا۔ نصاریٰ کے بہتر فرقے ہیں۔
اور اہل اسلام کے بہتر فرقے چار ہیں۔ ان میں سب غیر منجی ہوئے والے ہیں
اور فرقہ ناجیہ صرف ایک ہی ہے۔ بعض جماعت صرف رسول خدا اور صحابہ کرام کے
قدم بقدم چلنے والی ہے۔

نیز خلفائے راشدین مروی ہے کہ انہوں نے افتراق امت کا ذکر کیا کہ

افتراق امت کی حدیث

امت کی کمافی بڑی دلچسپی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ حیات
میں تمام مسلمان ایک ہی طبعیت کے پائند اور منہاج واحد کی پیروی تھے۔ آنحضرت کا
انتقال فرمانا تھا کہ اختلاف شروع ہوا۔ پہلے آپ کی وفات کے مسائل میں وگرنہ ہو گئے
ایک بسبب محبت اور وفور محویت اور جلالت قدر اور تقرب حق کے جو آپ کو حاصل
تھا۔ آپ کی عدم ممانت کا قائل ہو گیا۔ اور کہا کہ آنحضرت مرے نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ
نے آپ کو مثل عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے آسمان پر اٹھانا چاہا ہے۔ حضرت ابو بکر
صدیقؓ کو جب خبر پہنچی تو آنحضرت کے سر ٹپنے آئے۔ اور چہرہ انور سے چادر اٹھا کر
یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّكَ لَمَيِّتٌ۔ یعنی بے شک اے
نبیؐ تم وفات پانے والے ہو۔ اور بیشک وہ سب وفات پانے والے ہیں۔ اس آیت
کے سننے سے لوگوں کے ہوش بجا ہوئے۔ پھر حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا۔ مَنْ كَانَ
يَعْبُدُ مُحَمَّدًا اَوْ اَخِيَّ مُحَمَّدًا اَتَدْعُوهُ اِلَى مَا تَدْعُوْنَ وَاَنْتُمْ كَانْتُمْ تَعْبُدُوْنَ رَبَّ
مُحَمَّدًا اَوْ اَخِيَّ مُحَمَّدًا (رواہ البخاری) جو شخص محمدؐ کی عبادت کرتا تھا۔
تو محمدؐ کو مرنے لگے۔ اور جو محمدؐ کے پروردگار کی عبادت کرتا تھا۔ تو بے شک زندہ ہے
کبھی نہیں مرے گا۔

غرض یہ اختلاف دفع ہوا اور ابو بکرؓ کی بات سب کے دل پر ایسی موثر
نمایاں ہوئی کہ قائلین اپنے خیال سے نائب ہو گئے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کے دفن کرنے کے باب میں اختلاف ہوا۔ بعض کہتے تھے کہ آپ کو مکہ
میں دفن کرنا چاہئے۔ کیونکہ وہی آپ کے مولد اور مبعث اور قبلہ اور موضع نسل ہے
اور وہیں آپ کے دادا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر ہے۔ اور اہل مدینہ چاہتے تھے
کہ آپ مدینہ میں دفن کئے جائیں کہ یہ آپ کا دار ہجرت اور دار انصار ہے۔ بعض
کہتے تھے کہ آنحضرتؐ کو بیت المقدس میں دفن کرنا اچھا ہے۔ کیونکہ وہاں آپ کے
جد امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ہے۔ یہ اختلاف یوں بڑھتا
جاتا تھا کہ حضرت ابو بکرؓ نے یہ حدیث پڑھی اَلَا نَبِيَّاءُ يَدْفَنُونَ حَدِيثُ
يُقْبَلُونَ (رواہ فی المشکوٰۃ) یعنی انبیاء اسی جگہ دفن کئے جاتے ہیں۔ جہاں ان کی
روح قبض ہوتی ہے۔ چنانچہ اس حدیث پر عمل کیا گیا۔ اور آنحضرتؐ کو مدینہ میں

اختلاف امت کی وجہ سے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں فرمایا گیا کہ یہیں آپ نے وفات پائی تھی۔
اس کے بعد امامت کے متعلق اختلاف ہوا۔ انصار کہتے تھے کہ حضرت
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ ہم میں سے ہونا چاہئے۔ اور وہ مسلمانوں
کی بیعت کے لئے سدا بن عبادہ خنجر بنی کو تجویز کرتے تھے۔ اور قریش کہتے تھے کہ
امامت کا مستحق قریش کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ انصار یہ بھی کہتے تھے کہ ایک امیر
ہم میں سے ہو۔ اور ایک قریش میں سے۔ اس وقت بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ سے
ایک ایسی حدیث روایت کی جس کو آپ کے سوا چند جلیل القدر صحابہ بھی حضرت
سنا تھا۔ اَلَا یَہِیْمُ مِنْ قُرَیْشٍ (رواہ البخاری) یعنی امامت قریش سے ہوگی۔
سب نے اس حدیث پر تسلیم کر لیا۔ اور بعد امدان نظر و بحث و مباحثہ حضرت ابو بکر
سب بیعت کر لی۔ لیکن یہ اختلاف ابھی تک باقی ہے کہ امامت غیر قریش میں کیونکر
نا جائز ہے۔ اور قریش ہی میں محصور کیوں ہے۔ چنانچہ ضرار اور خوارج غیر قریش ہیں
بھی امامت کو جائز کہتے تھے۔ حیث مذکورہ کے باب میں تفصیلی بحث کے لئے
دیکھو صفحہ ۱۲۳ غفرانہ تفسیر بعد ازاں زمین فدرک اور توریث ترکہ انبیاء کے باب میں
اختلاف ہوا حتیٰ کہ ابو بکر نے آنحضرت سے یہ حدیث سنائی۔ اَلَا یَہِیْمُ وَ لَا
یُؤْثِرُ ثَوْنٌ (رواہ الترمذی) انبیاء اپنے ترکات کا وارث نہیں رکھتے۔ ان کا ترکہ
عام مسلمانوں کے لئے حیدر ہے۔ پھر زکوٰۃ نہ دینے والوں کے متعلق اختلاف

ابو بکر علیہ السلام کے آنحضرت کی وفات کی خبر سن کر جب سفید بن علی میں مداخلت کے باب میں گفتگو کرنے کے
لئے مایہ و انصار جمع ہوئے۔ تو ان دونوں نے زبردستی سے ہر شخص اپنے مفاد اور مذاق بیان کرنے لگا جب
صحابہ کرام کو پہنچی تو حضرت ابوبکر و عمر اور ابوعبیدہ ابن الجراح رضوان اللہ تعالیٰ عنہم چند دوسرے صحابیوں کے
ساتھ دھڑکتے ہوئے وہاں پہنچے۔ دیکھا کہ انصار خلافت کے لئے سدا بن عبادہ کو پیش کرنے ہیں اور ہاجرین
کسی طرح انہی میں ہوتے یا پناہ جو کر انصار کہتے ہیں کہ اچھا ایک امیر ہم میں سے ہو۔ اور ایک تم میں سے۔ اتنے میں
عین وقت پر فاروق عظیم نے جمیع کو مخاطب کر کے کہا۔ اے مردہ انصار تم نے سید الابرار سے منہ پھرنے کے لئے
فرمایا۔ اَلَا نَمْنَعُ مِنْ قُرَیْشٍ بشر ابن سعد انصاری نے جواب دیا خدا کی قسم میں نے یہ حدیث آنحضرت
سے سنی ہے حضرت ابو بکر نے اس کی حق گوئی کی مدح کی اور بعد بڑی روک کر کے پہلے حضرت فاروق رضی اللہ
عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ماتھے پر بیعت کی پھر ابوبکر نے اس کے بعد تمام حاضرین نے بعض بعض
کہتے ہیں کہ پہلے بشر ابن سعد انصاری نے بیعت کی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ عباد بن بشر نے پہلے بیعت کی غرض
پہلے روز ۱۵ ہوا اور دوسرے روز عام بیعت واقع ہوئی ۱۶

سفید بن علی کا واقعہ

ہوا کہ اُن سے قتال کرنا چاہئے یا نہیں۔ چنانچہ اُن سے جدال و قتال کرنے کے وجہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے پر اتفاق ہوا۔ اُس کے بعد صحابہ کرام طلحہ کے قتال میں مشغول ہو گئے۔ یہ ایک شخص تھا جو اسلام میں داخل ہو کر پھر مرتد ہو گیا۔ اور نبوت کا دعویٰ کر رکھا۔ جب مسلمان اس کے قتل کا ہلاک کے درپے ہوئے۔ تو وہ شام کی طرف بھاگ گیا۔ اور مدت تک اس کا دارہ پھرتا رہا۔ حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں پھر مدینہ میں آکر مشرف باسلام ہوا۔ اور شیر دل معاذ بن قاص کے ساتھ حربہ بن سبیہ میں بعد ازاں حرب نہاد میں شریک ہوا۔ اور نہاد کی لڑائی ہی میں شہید ہوا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

پھر مسلمان سلیمہ الکذا کے قتال میں مشغول ہوئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو اس پر فورا غالب کیا۔ اس طرح سجاح عورت پر جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور نیز اسود بن زید غسانی مدعی نبوت پر خدا نے اہل اسلام کو فتح کا لہ عطا فرمایا۔ اس کے بعد مسلمان بالاتفاق تمام مرتدوں کے قتل و ہلاک پر جھک پڑے۔ اور خدا کا شکر ہے کہ تمام مرتد طعمہ تیغ بے دریغ لگا۔ اسلام کے ہوئے۔ اس سے فارغ ہو کر مسلمانوں نے غیر مسلم اقوام سے بڑی بڑی لڑائیاں کیں۔ اور روم۔ شام اور

ایران و ہندوستان و یمن و حبشہ اور اسد و غنی یعنی ان چاروں نے جہوئی نبوت کا دعویٰ کیا تھا پہلے تینوں شخصوں کی بابت تحقیق ہے کہ ان کا دعویٰ نبوت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ظاہر ہوا۔ مگر اسود کی نسبت مؤرخین کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ ایک شخص اقبابہ الحار تھا جس نے حدوین میں نبوت کا دعویٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد کیا تھا۔ اور آپ ہی کے زمانے میں قہر ذمائی ایک مسلمان کے ہاتھ سے ہلاک ہوا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اُس کی ہلاکت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی۔ طحہ اسدی نے پہلے تو مسلمانوں سے یہ مقابلہ کیا۔ پھر جب ہزیمت ہوئے تو ملک شام کو بھاگ گیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایمان لگا کر حرب بن نہاد میں قاتل شداد ہوا۔

سلیمہ الکذا یہ غنی قاتل سلیمہ تھا۔ حضرت امیر حمزہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ یہ بھی عورت وہ اپنے پیارے سپاہیوں کے گروہ میں کی طرف بھاگ گئی۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکمرانی تک زندہ رہا۔ مشرف ایمان ہوئی۔ ۱۲ منہ

عورتوں کی نبوت

عجم وغیرہ ممالک عظیمہ کو فتح کیا۔ اس وقت تک مسلمان کلمہ واحدہ پر جمع تھے۔ اور ان میں اصول دین کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہوا۔ یہ جزئی اختلاف جو اوپر بیان ہوا اور اس کے سوا جو فروع فقہ کے متعلق اختلاف تھا۔ یہ سب حقائق حق کی غرض سے تھا۔ اس میں کسی قسم کا شائبہ نفس اور ریاکانہ تھا۔ اور نہ مخالفت اس غرض سے تھی کہ اس سے دوسرے کی تفصیل یا تفصیق مقصود ہو حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ ان کے زمانہ خلافت اور نیز حضرت عثمانؓ کے خلافت کے پہلے چھ سال تک یہی حال رہا۔ اس کے بعد ایک ناگفتنی اختلاف مسلمانوں میں واقع ہوا وہ یہ کہ بعض جزئی اختلاف رائے کی وجہ سے ظالموں نے حضرت عثمانؓ و انورین رضی اللہ عنہ کو قتل کر ڈالا۔ ان کے شہید ہونے کے دوسرے روز حضرت علیؓ شیر خدا اکرم اللہ شہد وجہہ کرئی خلافت پر متمکن ہوئے۔ لیکن چونکہ یہ خلافت استخلاف اور انتخاب

لے کہ تاریخ میں ہے کہ حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایام میں اپنے قرابت داروں کو بڑے بڑے عہدے دے رکھے تھے۔ اور انعامات بھی ان پر زیادہ کیا کرتے۔ اس سے بعض صحابی منع بھی کیا کرتے۔ تو اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ اکثر صحابہؓ کو آپ کا یہ سلوک برا معلوم ہوتا۔ اسی حالت میں آپؐ نے عبداللہ ابن ابی اسحق کو مصر کا خلیفہ کر دیا۔ باوجودیکہ اس نے مصریوں پر بہت کچھ ظلم کیا۔ اور صحابہؓ نے منع بھی کیا کہ اس کو معزول کر دیا جائے۔ مگر آپؐ نے نہ مانا۔ آخر جب جناب علیؓ کرم اللہ وجہہ نے اس کے عزل کی بابت بہت کچھ اصرار کیا۔ تو آپؐ نے حسب ہوا بدیہی پٹ محمد ابن ابی بکرؓ کو مصر کی گورنری کا فرمان لے کر مصریوں کے ہمراہ روانہ کیا۔ لیکن عروان نے جس کو حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کے مزاج میں بڑا دخل تھا۔ یہ چال چلی کہ حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک فرمان عبداللہ بن عمروؓ کے نام لکھا کہ تم اپنے عہدہ پر قائم رہنا۔ اور محمد ابن ابی بکرؓ اور ان کے ہمراہیوں کو مجبوس اور قتل کر دینا۔ یہ فرمان مصر خلافت سے مزین عثمانؓ رضی اللہ عنہ کے غلام کے ہاتھ عثمانؓ رضی اللہ عنہ ہی سے اونٹ پر سوار کر کے بھیجا گیا جس کو محمد ابن ابی بکرؓ کے لشکر یوں نے دھستہ میں پکڑ لیا۔ پھر تو لوگوں کو آپؐ کی طرف سے بڑی ہنگامی ہوئی۔ اور بڑی جمعیت کے ساتھ مدینہ منورہ میں آکر حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کے مکان تک حاضرہ کر لیا۔ اور باوجود سخت رک ٹھام کے مکان میں گھس کر محمد ابن ابی بکرؓ کے دو ہمراہیوں نے آپؐ کو شہید کر ڈالا۔ **وَأَنَا لَشَدِيدٌ وَأَنَا الْبُحُورُ أَجْحُوتٌ**

آپؐ کی شدت کا وہ انداز انہوں تک ثابت ہوا۔ آپؐ نے مدینہ منورہ میں ذوی الحجہ کی گیارہویں تاریخ شہید کئے گئے۔ انہوں نے شہادت کی شب کو بہت بیتابی میں دفن ہوئے۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

وہا در معراج السی

اور شوری کے ذریعے عمل میں نہیں آئی۔ اور چونکہ فتنہ عثمان کے باب میں اہل اسلام کے دو گروہ ہو گئے تھے۔ اس لئے آپ کی خلافت میں عجیب و غریب واقعات پیش آئے پہلی بات یہ سامنے لائی گئی کہ قاتلان عثمان سے قصاص لیا جائے اور جب قصاص سے اغماض کیا گیا۔ تو اہل اسلام کا ایک بڑا گروہ علیؑ کا مخالف ہو گیا۔ اور علیؑ اور صحابہؓ کی شان میں اپنی رائے سے مختلف چرمیگوئیاں کرتا رہا بعض نے اس جنگ میں علیؑ اور اُن کے اعوان انصار کو مصیب اور ان کے مخالفین کو غلط سمجھا۔ اور بعض نے عائشہؓ اور اس کے ہمراہیوں کو حق پر جانا۔ لیکن اہل اسلام میں بھی ایک ایسا گروہ عدالت پیروہ بھی موجود تھا۔ جو اس جنگ کو اجتہادی جنگ کہتا۔ اور فریقین کی غلطی کو اجتہادی غلطی سے تعبیر کرتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ اس قسم کی لڑائیوں سے دین اسلام کو کوئی تعلق نہیں۔ ایسی لڑائیاں ہمیشہ متمردانِ قوم میں ہوا کرتی ہیں۔ اور اُس کے نتائج بجائے مضر ہونے کے بصیرت نظر اور عاقبت میں صحابہ کے حق میں مفید ہی ثابت ہوا کرتے ہیں۔ یہ فرقہ تھا جو ہمیشہ قرآن و تفریط اور بلا وجہ وجہ مسلمانوں کی تفصیل و تفسیق سے مجتنب رہتا تھا۔ اب بھی یہ فرقہ ناجیہ اسی حالت و شان اور وقار و تمکین کے ساتھ اپنی اسی رائے پر قائم و ثابت ہے۔ اور گزشتہ واقعات صحابہ کو اجتہادی خطا سے تعبیر کرتا۔ اور افراط و تفریط سے بچا ہوا صراطِ سننیم پر چلتا ہے۔ اسی فرقہ کا نام فرقہ ناجیہ اہل سنت و الجماعت ہے۔

واقعہ مجمل کو کچھ بُرٹ دن نہیں گزرے تھے کہ شیرازہ اسلام کے ہنٹار

۱۔ تمدن اسلام میں ایسا ہی۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ حضرت علیؑ کی خلافت پر پہلے ہی اجماع قائم ہو چکا تھا یعنی اہل شیعہ نے بالاتفاق حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد خلافت کو صرف عثمانؓ پر چلی دیا وہ نوں شخصوں میں ازکر دیا تھا۔ اس پر عثمانؓ کی خدائے بعد صرف حضرت علیؑ کے حق میں خلافت باقی رہی چپ بچے اسی جہ پر اکثر نے اپنی خلافت کو تسلیم کیا لیکن شام عراق اور مصر کے قبیلوں نے اُن کی خلافت پر بیعت نہیں کی ۱۲۔ منہ ۵۔

۲۔ عربی میں چل سکتے ہیں اور اُن کو آدھ چونکہ اس لڑائی میں اہل مہاجرین حضرت عائشہؓ اور اُن پر سوار نصیر ایسا سیدھے اس لڑائی کو حربہ چل سکتے ہیں۔ یہ لڑائی بھسکے میں ہوئی تھی۔ وجہ اُس کی یہ تھی کہ طلحہ و زبیر اور اکثر شام مصر کے لوگ چاہتے تھے کہ عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص لیا جائے۔ اور حضرت علیؑ کو یہ کہنا چاہتے تھے کہ عام شورش کے فرو ہو جانے پر قصاص کی جانے کہ زیادہ مہم سہیو گا۔ میں اتنی بات پر لوگوں نے وہ حاشیے چڑھائے۔ (تقدیر فرما)

است میں لگتی افتاد کی بنا

واقعہ مجمل

بنا۔ مجمل کی کہ نصیب

کے لئے معاویہ علیؓ کی لڑائی یعنی جنگ صفین پیش آئی۔ ان میں دونوں طرف سے ہزاروں صحابیوں کا قتل و خون ہوا۔ کاش یہ سرفروش مسلمان مخالفین اسلام کے مقابلہ میں لائے جاتے کہ اپنی جلی دلاوری اور فطری جنگ جوئی سے تمام دنیا کفایت و شکر لین کو آستانہ اسلام پر چھکا دیتے۔ افسوس اتنے مسلمانوں کا خون فریقین کی ذاتی اغراض کے کام میں لایا گیا۔ یہ دہی جنگ جس میں خیاب علیؓ کی طرف سے مولیٰ اشعری اور امیر معاویہ کی جانب سے عمرو بن العاص حکم مقرر کئے گئے۔ اور یہی لڑائی ہے جس میں عمرو بن العاص کی جو دت طبع نے قرآن شریف کو نیزوں پر چڑھا کر پہلے تو علیؓ کے طرفداروں کو صلح پر آمادہ کر لیا۔ اور پھر شے شے شعی جیسے بزرگ کو اپنے موافق کر لیا۔ اور فیصلہ معاویہ کے حق میں دے دیا۔ اس حکمین کے باب میں مسلمانوں کا باہم ایسا اختلاف عظیم ہوا جو ابھی تک باقی ہے۔ اور خوارج کی جماعت اُسی وقت سے علیؓ کے ساتھ سے علیحدہ ہو کر خارجی کہلائی۔ اور اسی وقت ایک جماعت عیسائی پیدا ہو گئی۔ جو علیؓ و معاویہ دونوں سے الگ ہو کر طرفین کے امیروں اور شرکاء جنگ کو برا کہنے لگی بعض کہتے ہیں کہ علیؓ کا مخالف فرقہ ناجائز کہلائے ہے اور علیؓ و معاویہ دونوں کا مخالف فرقہ خارجی (فرقہ اہل سنت یہاں بھی اپنی

(بقیہ) تاشید صفحہ ۱۱) کہ آپس میں بدمزگی پیدا ہوئی۔ طلحہ و زبر اور ان کے ہمراہی کئے اپنے جھڑپاں پہاں پہلے ہی تشریف فرما تھے۔ ان کو لے کر نصر بن ہاشم حضرت علیؓ کے پاس آئے۔ ان سے کہہ کر وادہ تھے اور وہاں دونوں لشکروں کی بے قصہ لڑائی لگ گئی۔ دونوں طرف سے ہزاروں قتل و شہید ہوئے۔ یہ لڑائی ۱۵ جمادی الثانی ۳۵ ہجری کو واقع ہوئی۔ اس لڑائی میں طلحہ و زبر کے ساتھیوں کی تعداد کمپنٹ ہزار اور اعلیٰ ۲۰۰۰ کہہ ہمارا میں کی تعداد کمپنٹ ہزار تھی ۱۲۰۰

۱۱ صفین ایک مقام ہے جہاں یہ لڑائی ۳۵ ہجری سے شروع ہو کر آغاز محرم ۳۶ ہجری تک جاری رہی پھر معاویہ کے لشکر کی تعداد اور نصر علیؓ کے لشکر کی تعداد ستر ہزار بتائی جاتی ہے۔ محرم کا نام مہینہ مسمیٰ ہے کہ یہ صفر میں یہ لڑائی شروع ہوئی۔ غرض کل ایک سو پچاس دن تک جاری رہی۔ اس جنگ میں معاویہ کی فوج بڑی ہل چکی تھی کہ آئینہ میں عمرو بن العاص نے یہ تدبیر سوچی کہ قرآن کو نیزوں پر چڑھا کر یا شاہ کیا کہ کلام اللہ کے ذریعہ ہم فیصلہ کرنے کو مجبور ہیں۔ حضرت علیؓ نے سمجھا یا بھی کہ یہ دشمن کا فریب ہے۔ اور میدان چلے آتھیں آچکا ہے۔ مگر لشکریوں نے نہیں مانا۔ آخر کار معاویہ کے مقابل میں عمرو بن العاص کی حکمت سے حضرت علیؓ کو بری طرح ندامت اٹھانی پڑی۔ بعض لوگ علیؓ کے اور بعض علیؓ و معاویہ اور طرفین کے مخالف ہو گئے ۱۲۰۰ منہ

عادت متفرقہ و سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کام میں لایا۔ اور اس جنگ کو بھی معاویہ کی غلطی کے اعتراف کے ساتھ ان کی خطائے اجتہاد ہی پر محمول کیا۔ اور ان کے کی چوٹ سے کہہ دیا۔

حق در آنجا بدست جبر بود
جنگ با او خطائے منکر بود

مگر انہیں لڑائیوں کو فرقہ ہائے ضالہ کے پیدا ہونے کی بنا سمجھنا چاہئے کیونکہ اسی وقت سے اسلام کے مختلف فرقے مختلف ناموں سے موسوم ہونے لگے۔ علیؑ کے طرفداروں نے اپنا نام شیعہ یا بن علی رکھ لیا۔ اور ان کے مخالفین خوارج کہلائے۔ پھر متاخرین صحابہؓ کے وقت میں قدریہ پیدا ہوئے۔ جو قدر و استطاعت میں خلاف کرنے لگے۔ اور حینلاف معبد حسنی اور عبید اللہ بن مشقی اور جبر بن رہم سے ظاہر ہوا۔ متاخرین صحابہؓ نے ان سے اپنی بریت ظاہر کی۔ چنانچہ عبید اللہ بن عمرؓ اور جبر بن عبید اللہؓ اور ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ اور انس بن مالکؓ اور عبد اللہ بن ابی اوفیؓ اور عقبہ بن عامر حسنیؓ ان بزرگ صحابیوں میں سے ہیں۔ جنہوں نے قدریہ سے تبرک کیا۔ اور جنہوں نے اپنے خلاف کو وصیت کر دی کہ قدریہ پر سلام نہ کریں ان کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں۔ اور ان کے مریض کی عیادت کو نہ جائیں۔

خوارج کا فرقہ بڑھتے بڑھتے بیس فرقوں میں بٹ گیا۔ ایک فرقہ دوسرے کی تکفیر کرنے لگا۔ پھر حسن بصریؒ کے زمانہ میں قدر کے باب میں اصل بن عطا کا مصلحہ ہوا۔ حسن بصریؒ نے اسے اپنی مجلس سے نکال دیا۔ اور کہہ دیا اَعْتَزَلْ عَنَّا وَهَمْ اَمَّا ہو گیا۔ پس فرقہ معتزلہ کہلا یا۔ اس کا قول ہے کہ ناسق گناہ گار نہ مومن ہے اور نہ کافر۔ بلکہ ان دونوں منزلتوں کے درمیان ایک تیسری منزلت رکھتا ہے۔ معتزلہ کا قصہ بڑا دلکش ہے۔ جو علامہ سعد الدینؒ نے شرح عقائد میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ معتزلہ فرقہ پہلا فرقہ ہے جس نے ظاہر سنت اور جماعت صحابہؓ کے خلاف باب عقائد میں قواعد ایجاد کئے اس واسطے کہ اصل بن عطا جو معتزلہ کا رئیس ہے۔ اس قرار کے سبب کہ قرمب کبیرہ نہ مومن ہے اور نہ کافر۔ بلکہ اس کی منزلت کفر و ایمان کے درمیان ہے۔ مجلس حسن بصریؒ سے علیحدہ

مگر ان فرقوں کی ابتدا

خوارج کی تسمیہ

معتزلہ کی دستخط

کر دیا گیا۔ اور اسی اعتراض کے سبب اس فتنہ کا نام معتزلہ ہو گیا۔ مگر وہ خود کو اجماع
العدل والتوحید کہتے ہیں۔ کیونکہ مطیع کو ثواب دینا اور عاصی کو عذاب الٹا دہ
لوگ خدا پر واجب تجویز کرتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ سے صفات قدیمہ کی نفی جائز
رکھتے ہیں۔ اس فتنہ نے علم کلام میں بڑا توغل کیا۔ اور فلاسفہ کے دلائل کا سہارا
پکڑ کر انہوں نے مذہبی احکام کو ترتیب دیا۔ اسی طرح معتزلہ کا مذہب لوگوں
میں خوب شائع ہو گیا۔ یہاں تک کہ ایک در شیخ ابو الحسن اشعری رحمہ نے اپنے
استاد ابی علی الجبائی معتزلی سے سوال کیا کہ آپ ائمہ میں کی بابت کیا کہتے ہیں
جن میں سے ایک مطیع مرا۔ دوسرا عاصی اور تیسرا صغیر۔ جواب دیا۔ پہلا جنت
میں ثواب پائے گا۔ دوسرا دوزخ میں عذاب اٹھائے گا۔ اور تیسرے کو نہ ثواب
ملے گا۔ اور نہ عذاب۔ اشعری نے کہا۔ اگر صغیر خدا سے کہے۔ اٹھی تو نے مجھے
چھوٹی عمر میں کیوں اٹھا لیا۔ اور مجھے باقی کیوں نہ رکھا۔ کہ میں بڑا ہو کر تیری
اطاعت کرتا۔ اور جنت میں داخل ہوتا۔ تو خدا کیا جواب دے گا۔ جبائی نے کہا
خدا فرمائیے گا۔ تیرے حق میں یہی بہتر تھا کہ صغیر سنی میں مر جائے۔ کیونکہ اگر تو بڑا
ہوتا تو مجھے معلوم تھا کہ تو گناہ کرتا۔ اور دوزخ میں داخل ہوتا۔ اشعری رحمہ نے
کہا۔ اگر دوسرا یعنی عاصی خدا سے کہے۔ اٹھی تو نے مجھے چھوٹی عمر میں کیوں نہیں
اٹھا لیا کہ میں گناہ نہ کرتا۔ اور آج دوزخ میں داخل نہ ہوتا۔ تو کیا جواب دے گا۔
جبائی اس سوال سے حیران ہو گیا۔ اور اشعری نے اس کا مذہب چھوڑ دیا۔ پھر
حسن اشعری رحمہ اور اس کے تابعین معتزلہ کی تردید کی جانب متوجہ ہوئے۔ اور
سنت و جماعت کے عقائد کو پُر زور دلائل سے ثابت کرنے لگے۔ اس مناسبت سے
ان کا نام اہل سنت و جماعت ہوا۔

فرقہ ہائے رافضی میں سے صرف سائبہ ایک ایسا فرقہ ہے جس نے
جناب علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اپنی بدعت و اہمیت کو ظاہر کیا۔ اور
علی رضی اللہ عنہ کے سامنے کہہ دیا کہ "اے علی رضی اللہ عنہ ہی آگے یعنی معبود ہو" جناب علی رضی اللہ عنہ نے
اس زندقہ فرقہ کے اکثر لوگوں کو جو ہاتھ لگے۔ جلا دیا۔ اور ابن سبا باطال اللہ عنہ
کی طرف بھاگ گیا۔ اور وہاں جا کر اعتقاد الوہیت علی رضی اللہ عنہ کی اشاعت کی۔ یہ

فرقہ بسبب اس کے کہ وہ علیؑ کی الوہیت کا قائل ہے۔ فرقہ امت اسلام سے خارج ہے۔ پھر علیؑ کے زمانہ کے بعد روافض کے چار فرقے ہو گئے۔ زید یہ امامیہ کیسانیہ اور غلاط۔ پھر ان میں سے بھی ہر ایک فرقہ کے چند فرقے ہو گئے۔ جو سب کے سب باہم ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں۔ ان میں غلاط کے تمام فرقے اسلام سے خارج ہیں۔ رہے زید یہ و امامیہ تو ان میں معدومے چند فرقے فرقائے امت میں داخل ہیں۔ باقی خارج از اسلام *۔

نجاریہ فرقہ کے لوگ نوحی سے میں پھیل گئے۔ پھر فرقہ بکریہ کا خلاف ظاہر ہوا۔ اخت عبدالواحد بن یادی کی جانب سے۔ پھر ضرار ابن عمرہ کی طرف سے فرقہ ضراریہ کی ابتدا ہوئی۔ اور جہم ابن صفوان کی طرف سے جمہیہ کا خلاف حادث ہوا۔ اور جہم بکر و ضرار سب کا ظہور زمانہ و اصل بن عطاء بن واقع ہوا اور باطنیہ کی دعوت خلیفہ مامون الرشید کے وقت سے ظاہر ہوئی۔ اور یہ ظہور دعوت حمران و قمرط اور عبداللہ بن میمون القدرح کی جانب سے واقع میں آیا *۔

فرقہ باطنیہ فرقائے اسلام سے نہیں ہے۔ بلکہ محوس کے فرقوں سے ہے چنانچہ ان کے عقائد فاسد سے ظاہر ہے۔ پھر محمد بن طاہر ابن عبداللہ ابن طاہر کے زمانہ میں فرقہ کرامیہ بسبب کا خلاف ظاہر ہوا *۔

فرقہ زید یہ کے تین فرقے ہوئے۔ جارودیتہ، سلیمانیتہ، اتہریہ۔ نینویں فرقے زید ابن علیؑ ابن جبرینؑ ابن علیؑ ابی طالب کی امامت کے قائل ہیں۔ ان فرقوں کا حدوث ہشام ابن عبدالطلب کے زمانہ میں ہوا۔ کیسانیتہ کے کئی فرقے ہیں۔ جو دو کلمہ اعتقاد میں محدود ہیں۔ ایک یہ کہ محمد بن یحقیہ کو حجتی لایموت خیال کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ دہی ہمدی منتظر ہیں۔ آخر زمانہ میں عود کریں گے۔ دوسرے

یہ قول علامہ القسطلی دینداری حجتہ اللہ علیہ السلام ہے۔ لیکن حقیقت میں بعض باطنیہ فرقوں کا عمل ایسا کہ وہ فرقائے ہدایت میں شمار نہیں کئے جاسکتے۔ نہ کہ تمام باطنیہ فرقے چنانچہ ہم نے اس کی تشہیح و تنبیہ میں کہ دی ہے۔ جو سب الاشیاء حضرت رشیدیؑ مولا فی حضرت علیؑ مولاؑ خواجہ احمد حسینؑ صاحب ہندی ہندی امر دہی اخیر کتابیں لکھا گیا ہے ۱۲۰

فرقائے روافض

ظاہر

ظاہر

ظاہر

یہ کہ ان کی امامت کے قائل ہیں اور ان کی موت کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور ان کی موت کے بعد امامت کا غیر میں منتقل ہونا تجویز کرتے ہیں۔

امامیہ کے پندرہ فرقے ہیں۔ محمدیہ۔ باقریہ۔ نادسیہ۔ شعیبیطیہ۔ حماریہ۔ ایسیا موسویہ۔ قطعیہ۔ اثنا عشریہ۔ ہشامیہ۔ جو ہشام ابن محمد کم کے تابعین یا ہشام ابن سالم جو ابی بنی کے تابعین سے ہے۔ یونسہ یونس قمی کے تابعین سے شعیبیطانیہ شعیبیطان الطاق کے اتباع سے اور کاملیہ ابی کمال کے اتباع سے اور یہ پچھلا فرقہ علی بن اود تمام صحابہ کے باب میں سب سے زیادہ فحش اور سخت باتیں کرتا ہے پس یہ سب مل کر و افق کے بین و فقر ہوئے تین زیدیہ کے اور دو کیساندہ پندرہ امامیہ کے۔ یہ غلاۃ جو آئمہ کی الوہیت کے قائل ہیں۔ اور محرمات شرعی کو مباح جانتے ہیں۔ اگرچہ وہ اپنے کو اسلام سے منسوب کرتے ہیں۔ جیسے بانیہ خطابیہ، منصوبیہ، حلولبیہ، مغیریہ، جناحیہ اور مثل ان کے جو اعتقاد و اقرا میں ان کے ہم نوا ہیں۔

خوارج اپنے کثرت اختلاف کی وجہ سے ستر بیس فرقوں میں بٹ گئے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ محکمہ اولیٰ از ارقعہ۔ نجدات صفریہ۔ عجار دہ۔ پھر اجار دہ کے

امامیہ اور اس کے فرقے

فرقے خوارج

۱۱ فرقہ شیطانیہ کہہ کر وہ ہے۔ جامع مسجد کو نہ کے قائل ہیں مگر تاکھا۔ اس کے پیرو اس کو مومن الطاق کہتے تھے۔ اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا نام شعیبیطان الطاق رکھا ہے ۱۲ منہ

۱۳ محکمہ اولیٰ فرقہ کے لوگ وہ لوگ ہیں۔ جو جبل و عین کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طرفدار تھے۔ ان کے پیلوہ ہونے اور خروج کا سبب یہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی جانب سے ابو موسیٰ اشعری کو حاکم مقرر کیا تو خوارج نے کہا کہ ایسا کرنے سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی گردن سے خلافت کا طوق نکال دیا۔ بلکہ انہوں نے خود اپنے کو حلقہ اسلام سے خارج کر دیا کیونکہ حکم مقرر کرنا ان کے واسطے ہرگز درست نہ تھا۔ قرآن میں اِنَّ الْحُكْمَ لِلّٰهِ اَدَلٰہ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کے خلاف کیا غرض ایسی بے بنیاد باتیں بنا کر بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ اور ایک بڑا لشکر قائم کر دیا اور اس میں فراہم کر لیا۔ ناچا و حق علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا قطع و قطع ضروری جانا۔ اور نہر دان میں شعلہ کو ایک سخت جنگ واقع ہوئی۔ جس میں خوارج کو ہزیمت ہوئی۔ پھر اسی طرح ان کا گردہ فرضا گیا۔ اور ان میں بھی باہم اختلاف اور ایک دوسرے کی تکفیر ہونے لگی۔ حتیٰ کہ یہ اختلاف بڑھتے بڑھتے بیس فرقوں میں بٹ گیا۔ ہاں یہ ہندوستان میں یہ لوگ قریب معدوم ہیں۔ مگر مسقط و عمان وغیرہ نالک عراق و عرب میں کثرت سے پائے جاتے ہیں ۱۴ منہ

فرقہ اولیٰ کا بیان

بھی بُہت سے فرقے ہیں۔ جیسے خازمیہ۔ شعیبیہ۔ معلولیہ۔ مجولیہ۔ حارثیہ۔ یزیدیہ۔ یہ سبھی فرقہ اسلامی فرقوں سے خارج ہے۔ کیونکہ یہ اس امر کا قائل ہے کہ شریعت آخر زمانہ میں منسوخ ہو جائیگی۔ اور اُس کا نسخ ایک نبی ہو گا جو عجمِ مبعوث ہو گا۔ اسی طرح فرقہ اجارہ میں سے میمونہ فرقہ اسلام سے خارج ہے۔ اس لئے کہ وہ مثلِ جوس نواسیوں اور پونیوں کے کُحل کو مباح جانتا ہے۔

قدریہ جو حق سے اعتزال رکھتے ہیں۔ اُن کی بھی بیس ٹولیاں ہوتی ہیں۔ ہر ایک ٹولی اپنے سوا باقی سب ٹولیوں کو کافر مانتی ہے۔ اُن کے نام یہ ہیں۔ واصلیہ۔ عمریہ۔ ہذلیہ۔ نظامیہ۔ اموریہ۔ حمیریہ۔ شامیہ۔ جاحظیہ۔ حایطیہ۔ حاربیہ۔ خیاطیہ۔ سجامیہ۔ مویسیہ۔ کعبیہ۔ جیانیہ۔ ہشیمیہ۔ جو ابو ہاشم ابن الجبائی سے منسوب ہے، وغیرہم۔ ان میں سے دو فرقے اسلام سے خارج ہیں۔ جن کے نام حاربیہ و حایطیہ ہیں۔

مرجۃ کی تین صنف ہیں۔ ایک صنف ایمان اور قدر میں ارجح کا قائل ہے۔ جیسے کہ قدریہ۔ اسی سبب یہ صنف قدریہ میں معدود ہے۔ دوسرا صنف ایمان میں ارجح کا قائل ہے۔ اور اعمال و کسب میں جہم ابن صفوان کے قول کی جانب میل رکھتا ہے۔ تو یہ صنف جہمیہ اور مرجۃ دونوں میں شامل ہے۔ تیسرا صنف مطلق ارجح کا قائل ہے۔ قدر و ایمان کے ساتھ مفید نہیں کرتا۔ اس کے پانچ فرقے ہیں۔ یونسیہ۔ غسانیہ۔ ثوبانیہ۔ تومنیہ اور مرسیہ۔

بخاریہ کے فرقے بیس ہیں۔ جو آج تک سے اور اُس کے نواحی میں منتشر ہیں۔ مگر اُن کا مرجع صرف تین فرقوں میں معدود ہے۔ برغونیہ۔ زعفرانیہ اور مستدرکہ۔

کبریہ اور ضاریہ کے اعتقاد کے اعتبار سے یہ دونوں اصل میں ایک ہی فرقہ ہے۔ اُن کے تابعین بھی زیادہ نہیں۔ اور جہمیہ کا بھی ایک فرقہ ہے۔ اور کرامیہ کے خراسان میں تین فرقے ہیں۔ حقانہ۔ طریقہ۔ اور اسماعیلیہ۔ یہ باہم ایک دوسرے کے لئے اجماع کے منافی تاخیر کے ہیں۔ مرجۃ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ فرقہ ایمان میں تاخیر کو روا رکھتا ہے یعنی دنیا میں خود کو مومن کہتا ہے۔ نہ کافر۔

فرقائے خارج

مرجۃ

بخاریہ

کبریہ

کی تکفیر نہیں کرتے۔ تو ہم نے اُن کو اپنے ہی فرقہ میں شمار کیا ہے۔
یہ سب مل کر بہتر فرقہ لہوتے ہیں۔ (قطع نظر اُن کے بے شمار شاخوں کے
اور قطع نظر اس سے کہ آخر زمانہ تک کتنے اور فرقہ پیدا ہونگے) نہ ستر واں فرقہ اہلسنت
والجماعت کا ہے۔ اور اگرچہ اُس کے دو فرقہ ہیں۔ فریق الزائے اور فریق الحدیث
لیکن وہ اصول دین میں اتفاق رکھتے۔ اور لہو الحدیث کو نہیں خریدتے ہیں۔
چنانچہ امام الاستاذ ابو منصور عبد القادر بغدادی الفرق بین الفرق
میں فرماتے ہیں۔ رَفَقَاءُ هَذَيْنِ الْفَرِيقَيْنِ وَقَرَادَهُمُ وَمُحَمَّدُوهُم
وَمُتَكَلِّمُوا هَلْ الْحَدِيثُ مِنْهُمْ كُلُّهُمْ مُتَّفِقُونَ عَلَى مَقَالَةٍ
وَاحِدَةٍ۔ یعنی اور اُن دونوں محترم فرقوں کے فقہاء قراء اور محدث اور متکلمین
اہل حدیث سب کے سب حسب ذیل اصول دین میں ایک ہی مقالہ پر متفق ہیں۔
اور وہ اصول دین یہ ہیں۔ توحید و صفات صانع اور اُس کا عدل و حکمت و اسما
و صفات الہی اور ابواب نبوت و امامت اور احکام عقوبتی اور تمام اصول دین کے
اُن کا اختلاف فرعی احکامیہ میں سے صرف حلال و حرام میں ہے۔ اور وہ
بھی ایسا نہیں کہ اُس سے کسی کی تفصیل و تفسیق لازم آتی ہو۔ اور یہی فرقہ ناجبیہ
مذکور فی الحدیث ہے۔ اور یہ سب توحید صانع عالم کے اقرار پر اور اُس کی ذات
و صفات کے قدیم و ازلی ہونے پر اور جواز رویت الہی پر بدول تشبیہ و تعطیل کے
مجمع ہیں۔ اور کذب الہی اور اُس کے رسولوں اور شریعت اسلامیہ کے ہمیشہ قائم
و باقی رہنے کا اقرار کرتے ہیں۔ اور قرآن کے مبامات کو مباح اور اُس کے محرمات
کو حرام سمجھتے ہیں۔ مع قیود اُن باتوں کے جو سنت نبوی سے بطریق صحت
پہنچی ہیں۔ اور حشر و نشر اور سوال نکیر بن فی القبر اور اقرار و حوض و میزان وغیرہ
امور عقوبتی پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ پس جو شخص اس قسم کے اقرار پر جس کو ہم نے
ذکر کیا۔ آخر تک قائم رہا۔ اور اُس میں کسی قسم کی بدعت کو داخل نہ کیا۔ تو وہ فرقہ

اس شرح عقائد میں تمام فرقہ نے مثالہ کو معان کی شاخوں کے چھ فرقوں میں حصہ کیا ہے۔ جیسویہ، قدریہ
ریاضیہ، خواجہ، معتزلہ اور مشبہ پھر لکھا ہے کہ ان میں سے ہر ایک فرقہ کے بارہ بارہ گروہ ہوئے
اس طرح بہتر فرقہ ہو گئے ۱۲۔

ناجیہ سے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اُس کا خاتمہ اس اقرار و تصدیق پر کرے جمہور اُمت نبوی اس جملہ میں داخل ہے۔ اور اُسی کو سوا و اعظم کہا گیا ہے۔ اس میں اصحاب مالک و شافعی و امام ابو حنیفہ اور اوزاعی اور ثوری اور اہل ظاہر سب داخل ہیں۔ ہذا مَا اخذناہ من الفرق بین الفرق العربی المطبوعۃ فی المطبع المصریۃ للہامہ الا ستاذ ابو منصور عبد القاہر بغدادی مَعَ الفَوَائِد الزاوائد من المُنْتَزِعِ عَفَاء اللہ عَنْہُ وَعَنِ الْإِسْلَامِ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام اعتقادات اہل السنت کو ارکان اربعہ میں تقسیم کر کے پھر ہر رکن کی دُش و دُش قسمیں کی ہیں۔ جو سب ل کر چالیس ہوتی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ بعد تحقیق کامل و تدقیق شامل کے یہ امر تصدیق کو پہنچ گیا ہے۔ کہ صِرَافُ الْإِلَہِ الْإِلَہُ اللہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللہ کا پڑھنا کچھ حاصل و محصول نہیں رکھتا۔ اُس کے ساتھ تفصیلی اعتقاد بھی رکھنا چاہئے۔ یعنی یہ کہ خالق عالم موجود ہے۔ اُس کو ہدایت نہیں۔ اور نہایت بھی نہیں۔ وہ جو تہر یعنی متخیر در مکان نہیں۔ جمیث سے پاک ہے۔ یعنی اجزائے لایتجزئی اور بیہولی و صورت کی ترکیب اُس پر عاید نہیں ہے۔ وہ عرض نہیں کسی جہت میں محصور نہیں۔ وہ عرش پرستوٹی ہے۔ اور تنہا کے معنی قہر و استیلا کے ہیں۔ نہ ممکن و استقرار کے وہ موتین کو دار القسار میں لپیون الا بصار دکھائی دے گا۔ وہ اپنی ذات و صفات میں یگانہ و یکتا ہے۔ یہ

ارکان اربعہ اہل السنت

رکن اول

اے پناہ بخش گناہ شرح ہدایہ صفحہ ۱۱۵ میں الا ان یقر بالاسلام و هو یعقل کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اقرار بالاسلام سے مراد صفت اسلام کا اقرار ہے۔ اور صفت اسلام جیسا کہ حدیث جبریل میں ہے یہ ہے کہ اللہ پر اور اُس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اُس کے رسولوں پر اور روزِ آخرت پر اور موت کے بعد اٹھنے پر ایمان لادے۔ اور یہی کی تقدیر یعنی اندازہ کرنے پر ایمان لائے۔ اس حدیث میں یہ تعریف ایمان کی آئی ہے۔ مگر جس حالت میں ایمان و اسلام کے ایک ہی معنی ہوں تو اسلام کی تعریف بھی یہی ہو سکتی ہے) اور یہ بات دلالت کرتی ہے اس امر پر کہ محض کلمہ لا الہ الا اللہ کے پڑھنے سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ صفت اسلام سے واقف نہ ہو جائے۔ اسی طرح جب کسی شخص نے لوطی خریدی اور اُس سے اسلام کی صفت و ریاضت کی تو اگر وہ صفت اسلام سے واقف نہیں ہے۔ تو وہ مومن نہیں شمار کی جائے گی۔

صفت اسلام کا جاننا ضروری ہے

پہلے رکن کی دس قسمیں ہوئیں۔ وہ حئی ہے۔ اس طرح کہ اُس کی حیات پر زوال جائز نہیں۔ وہ ہر شے پر قادر ہے۔ وہ علیم ہے۔ کوئی شے اُس کے احاطہ علم سے باہر نہیں مزید ہے۔ اُس کے ارادہ سے کوئی چیز کسی طرح تخلّف نہیں رکھتی سميع و بصیر ہے۔ کہ تمام مسموعات و مبصرات بے توسط جارحہ و آلہ کے اُس پر منکشف ہیں منکشف ہے ایسے کلام کے ساتھ جو حروف و صورت سے مستغنی ہے۔ اُس کا کلام اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ ایسا نہیں کہ وہ کسی چیز میں خلق کلام کرتا ہے۔ اس لحاظ سے اُسے کلیم کہتے ہیں۔ جیسا معتزلہ کا گمان ہے۔ اُس کا علم تمام کلیات و جزئیات کے متعلق قدیم ہے۔ اگرچہ تعلقات جزئیہ بحسب جزئیات حادثہ کے حادث ہوتے ہیں۔ اُس کی تمام صفات ذاتیہ قدیم ہیں۔ اس کی صفات اس کی ذات سے قائم ہے۔ پس وہ عالم بہ علم حی بہ حیات اور قادر بہ قدرت ہے۔ یہ دوسرے رکن کی دس قسمیں ہوئیں :

افعال عباد و مخلوق سے صادر ہوتے ہیں۔ اُن کو خدا ہی نے پیدا کیا ہے اُس کا تصرف و خلق افعال عباد میں بندوں سے صدور افعال برسیل اکتساب کا مانع نہیں ہے۔ یقیناً سے جانتا چاہئے کہ خلق افعال میں بندوں کی شرکت نہیں ہے۔ بلکہ وہ محض قدرت حق سے پیدا ہوتے ہیں۔ خلق عالم حق سبحانہ و تعالیٰ پر واجب نہیں ہے۔ بعثت رسل جائز ہے۔ نہ اُس پر واجب جیسا کہ معتزلہ و حکماء کا خیال ہے۔ تکلیف بالایطاق حق سبحانہ و تعالیٰ سے جائز ہے۔ اگرچہ واقع نہیں ہوئی۔ مآثریدیہ اس کے خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر بے جرم سابق تمام خلایق کو عذاب کرے۔ یا بے عمل متقدم کے دار نعیم میں ثواب عطا کرے۔ تو اُس کو زیبا ہے۔ اور وہ اُس میں کریم و عادل ہے۔ خلاف مآثریدیہ کے۔ وہ کہتے ہیں کہ مومن کا ہمیشہ دوزخ میں رہنا اور کافر کا جنت میں اخل ہونا عقلاً و سمعاً ناجائز ہے۔ اشعری عقلاً جائز کہتے ہیں۔ اگرچہ شرع اُس کے خلاف وارد ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ پر بندوں کی بیہود و مصلح واجب نہیں ہے۔ وہ مختار ہے۔ جو کچھ چاہے اپنے بندوں کے حق میں کرے۔ اُس کا فعل حسن ہے۔ اور بعض وہ باتیں جو بندوں کے نزدیک مکروہ ہوتی ہیں ممکن ہے۔ کہ خدا کے نزدیک بندوں کے

حق میں ہی بہتر ہوں۔ اور بعض چیزیں جو ہمیں پسند اور بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ ممکن ہے کہ ہمارے حق میں ہی ناپسند ہوں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اصلح خدا پر واجب ہے۔ ان کا قول قابل التفات نہیں۔ خدا کی معرفت اور طاعت واجب ہے۔ یہ ایجابِ شرع نہ یا ایجابِ عقل اور ہی مذہب ہے۔ ابو منصور مازنی کا۔ خدا تعالیٰ نے ہمارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام پیغمبروں سے افضل اور خاتم الانبیاء فرمایا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے تمام ادیان سابقہ منسوخ ہو گئے۔ اب قیامت تک آپ ہی کا دین رائج ہے گا۔ اور حق اسی دین میں محصور ہے۔ جو شخص اس کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کرے تو خدا کے یہاں کبھی مقبول نہ ہوگا۔ یہ تیسرے رکن کی دو قسمیں ہوئیں۔

خضر یعنی مرنے کے بعد قبروں سے زندہ ہو کر اُٹھنے کا اعتقاد کرنا چاہئے کہ وہ حق ہے۔ قبر میں منکر نکیر کا سوال کرنا حق ہے قبر کا عذاب کفار اور بعض گناہ گار مومنوں کے لئے حق ہے۔ چنانچہ احادیث صحیحہ اس باب میں وارد ہیں۔ میزبان حق ہے اور وہ ایک نواز و ہے جس میں مومنوں اور نیکوکار کے نامائے اعمال وزن کئے جائیں گے۔ اور میز اعمال کا حساب اور کتاب حیات و سیات کا ہر ایک کے ہاتھ میں یا جاننا حق ہے۔ شرط حق ہے۔ اور وہ ایک پل ہوگا۔ جس پر تمام بندوں کو گزرنا ضرور ہے۔ مومنین اس پر گزر کر بہشت میں پہنچیں گے۔ اور کفار اور بعض عصاة مومنین کٹ کر دوزخ میں گریں گے۔ کافر ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اور گناہ گاران اُمرت بہ قدر گناہ اُس میں عذاب پاکر نجات پائیں گے اور پھر ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ اس بات کا اعتقاد رکھنا چاہئے۔ کہ بہشت و دوزخ بالفعل موجود معد ہیں۔ نہ کہ اس کے بعد موجود ہونگے جس طرح معتزلہ گمان کرتے ہیں۔ یہ یقیناً جاننا چاہئے۔ کہ امام برحق و خلیفہ مطلق بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ان کے بعد حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے بعد حضرت اسد اللہ

الغالب مطلوب کل طالب علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ یہ بھی اعتقاد رکھے کہ فضیلت یہ ترتیب امامت ہے۔ نیز اعتقاد رکھے کہ شرط امامت کی بعد اسلام کے بلوغ و ذکوریت اور ورع و کفایت بر تقدیر حاجت و نسب قریش ہے۔ و فیہ اختلاف کمالاتی۔ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ عند الضرورت امامت فاقہ الشریعہ کی صحیح ہے۔ قال الامام الغزالی بعد تحریر الاصول و ارکان و تحقیقہا بالذلال و البرہان ہذا الا ربعة الحاویة الامنول الاربعین فی قواعد العقائد من اعتقادھا کان موافقا لاهل السنۃ و الجماعة و مبائنا لہط اہل البدعۃ و الضلالة و اللہ ولی الہدایۃ۔ ترجمہ امام غزالی ان اصول و ارکان کے ارقام اور ان کے دلائل و برہان کی تحقیق کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ چار ارکان ہیں۔ جو چالیس اصول کو حاوی ہیں۔ پس یہ عقائد اسلامیہ ہیں۔ جو شخص ان کا اعتقاد رکھے گا۔ وہ موافق اہل سنت و الجماعت کے اور مخالف گروہ اہل بدعت و ضلالت کے ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ ہدایت کرنے والا ہے۔

امام الصابونی ہدایہ میں اور علامہ نسفی عمدہ میں لکھتے ہیں کہ جن بارہ مسئلوں میں ماہین شیخ ابو الحسن اشعری اور امام ابو منصور ماتریدی اختلاف ہے

الح فیہ القاد میں ہے کہ مسائل اعتقاد میں اہل سنت کے دو گروہ ہیں۔ ہاشعرہ اور ماتریدیہ اشاعرہ مشرب یہ ابو الحسن اشعری جو چار واسطہ سے فرزند ابو موسیٰ اشعری صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ اور ماتریدیہ جو اعتقاد میں پیروی ابو منصور ماتریدی کی کرتے ہیں۔ جو تین واسطہ سے شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی کے ہیں۔ جو مصاحب خاص حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تھے۔ چونکہ ان ہر دو بزرگوں نے مسائل اعتقاد میں بڑی تحقیق و تدقیق کی ہے۔ اس واسطہ فہرہ اہل سنت و الجماعت انہی میں محصور ہو گیا ہے۔ اور محدثین جو زمانہ مجتہدین تکملہ پر فعال تھے۔ بلاشبہ اس بات میں اہل ہیں۔ اس لئے کہ حدیث ما انا علیہ اصحابی ان پر بطور اولیٰ صادق ہے۔ اور بعد بطور ابو الحسن اشعری اور ابو منصور ماتریدی کے اصحاب ائمہ ثلاثہ نے اپنا نام اشعریہ قرار دیا۔ اور اصحاب ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہم اپنے کو ماتریدیہ کہنے لگے۔ اور حقیقت میں دونوں گروہ کا مسلک وہی ہے۔ جو صحابہ تابعین اور مجتہدین سے ثابت و مقرر ہے۔ صرف بارہ مسئلوں میں ان کے درمیان خلافت ہے۔ چنانچہ بیان ہوا۔

اشاعرہ اور ماتریدیہ کی حقیقت

وہ مسئلے یہ ہیں۔ اول یہ کہ ماتریدیہ تکوین کو خدا تعالیٰ کی صفت اذلی کہتے ہیں جو اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اور اشعری کہتے ہیں کہ تکوین صفت حادث ہے غیر قائم بذاتہ تعلق اور کہتے ہیں کہ تکوین صفات فعلی سے ہے نہ صفات ذاتی سے اور ان کا قول ہے کہ صفات ذاتی وہ ہیں جو قائم بذاتہ حق ہوں۔ اور صفات فعلی سب کی سب حادث ہیں۔ دوم یہ کہ ماتریدیہ کہتے ہیں کلام اللہ مسموع نہیں ہے۔ جو کچھ مسموع ہوتا ہے۔ وہ کلام اللہ پر دال ہے۔ اشعری کہتے ہیں کہ کلام اللہ مسموع ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بے واسطہ صوت و صرف کے کلام الہی کو سنا۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ قرأت قاری کے وقت دو چیزیں مسموع ہوتی ہیں۔ صوت قاری و کلام الہی۔ قاضی ابو بکر باقلانی فرماتے ہیں کہ کلام اللہ بحسب عادات جاریہ غیر مسموع ہے لیکن جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بے واسطہ صرف و صوت کے اپنا کلام سنائے۔ سوم یہ کہ ماتریدیہ کہتے ہیں کہ صانع عالم ازل سے موصوف بہ صفت حکمت ہے۔ مراد حکمت سے خواہ علم ہو۔ خواہ احکام۔ اور اشعریہ کا قول ہے کہ اگر مراد حکمت سے علم ہے۔ تو یہ خدا تعالیٰ کی صفت اذلی قائم بذاتہ حق تعالیٰ ہوگی۔ اور مراد احکام ہو تو یہ صفت حادث ہوگی۔ قبیل تکوین اسے۔ کیونکہ صفات فعلی تمامہ حادث ہیں۔ چہارم یہ کہ ماتریدیہ حق تعالیٰ کو مرید ارادہ کنندہ، جمیع کائنات کہتے ہیں۔ جو ہر اوعرضاً طاعۃ و معصیت مگر یہ کہ طاعت اُس کی مشیت اور ارادہ اور قضا اور قدر اور رضا اور محبت اور اُس کے امر سے واقع ہوتی ہیں۔ اور معصیت اور اُس کی مشیت اور ارادہ اور اُس کی قضا و قدرت کے ساتھ ظہور پکڑتی ہے۔ نہ اُس کی رضا و محبت اور اُس کے امر سے۔ اشعری کہتے ہیں کہ خدا کی رضا و محبت جمیع کائنات کو شامل ہے۔ چنانچہ اُس ارادہ شامل بحجم کائنات ہے۔ یہ بات شرح عقائد و مواقف و مقاصد وغیرہ کتب عقائد کے خلاف ہے۔ اور اسباب میں قول ماتریدیہ کا مقبول ہے۔ اور واضح ہو کہ اشعری کا یہ قول صرف امام صابونی و شفی نے نقل کیا ہے۔ دوسری کتابوں سے ثابت ہے کہ اس بارہ میں ان ہر دو بزرگ کا کوئی خلاف منقول نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وہ بارہ مسائل جن میں ماہرین اشعری و ماتریدی اختلاف ہے

پنجم باتریدی کہتے ہیں کہ تکلیف بالایطاق عقلاً جائز نہیں۔ مان تخیل بالایطاق جائز ہے۔ اشعری دونوں کو جائز کہتے ہیں۔ ششم خدا پر ایمان لانا بالاتفاق دونوں کے نزدیک فرض ہے۔ مگر ماتریدی کہتے ہیں کہ عقل ایک ایسا آلہ ہے جس سے اشیاء کی برائی اور بھلائی پہچانی جاتی ہے۔ اور اسی سے جوہ ایمان اور شکر منعم معلوم ہوتا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ حقیقت میں معرفت اور موجب ایمان خدا تعالیٰ ہے۔ لیکن ہر سطح عقل جس طرح کہ اعمال کا معرف اور موجب خدا تعالیٰ ہے۔ مگر بواسطہ رسول علیہ السلام اسی واسطے امام غنیم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ خلق کے پاس حصل خالق کے باب میں کوئی عذر نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ زمین آسمان کی خلقت اور عجائبات کو دیکھتا ہے۔ اور اگر خدا رسول کو مبعوث بھی نہ کرتا۔ تو عقل کے ذریعہ خدا کی معرفت مخلوق پر واجب ہوتی اشعری کہتے ہیں کہ گو بعض اشیاء کی برائی بھلائی عقل کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن کوئی چیز عقل کی وجہ سے واجب اور محترم نہیں ہوتی۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ اشعری کے نزدیک عقل باعث تکلیف نہیں ہے۔ بلکہ سماع اور عقل مدار تکلیف ہے۔

ہفتم باتریدی کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ سعید شقی ہو جائے۔ اور شقی سعید اشعری کہتے ہیں کہ سعادت و شقاوت کا اعتبار عاقبت اور خاتمہ پر ہے۔ موجودہ حالت میں کسی کی شقاوت و سعادت پر قطعی حکم نہیں کر سکتے۔ اس مسئلہ کی بنا و ایمان میں دخول استثناء عدم دخول استثناء پر ہے۔ یعنی اگر کسی شخص نے ایمان پر جرم کیا اور آنامؤمن حقا کہا تو وہ سعید ہے۔ اور اگر اس سے ارتداد واقع ہوا۔ تو شقی ہے۔ اور اشعری چونکہ آنامؤمن انشاء اللہ کے قائل ہیں۔ اس لئے ان کے نزدیک سعادت اور شقاوت کا خاتمہ پر ہے۔ اسی سبب کوئی شخص کو سعید نہیں کہہ سکتا۔ اصل یہ ہے کہ اس باب میں ان دونوں میں نزاع لفظی ہے۔ اس واسطے کہ حقا اس معنی کی اعتبار سے کہ میں اپنے ایمان میں شک نہیں رکھتا۔ سب کے نزدیک جائز ہے۔ اور انشاء اللہ اس معنی کے لحاظ سے کہ مجھے اپنا خاتمہ کا معلوم نہیں۔ دونوں کے نزدیک مستمم ہشتم باتریدی

کہتے ہیں کہ کفر سے درگزر کرنا عقلاً جائز نہیں۔ اشعری کہتے ہیں۔ عقلاً جائز ہے۔
نہم ماتریدی کہتے ہیں کہ مومن کا ہمیشہ دوزخ میں ہونا۔ اور کافروں کا جنت میں داخل
ہونا عقلاً و سمعاً جائز نہیں۔ اشعری کہتے ہیں کہ عقلاً جائز ہے۔ اگرچہ شریعہ اس کے
خلاف وارد ہے۔

دہم بعض ماتریدی کہتے ہیں کہ از رائے مصداق خارجی کے اسم و اسمی احد
ہے۔ کذا فی شرح المواقف اور بعض اشعری کہتے ہیں۔ اسم سہمی اور اسمیکہ
غیر ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اسم کی تین قسمیں ہیں۔ بعض نہیں اسمی ہیں بعض
غیر اسمی۔ اور بعض نہ بین اسمی ہیں نہ غیر اسمی۔ اور اس میں سبک اتفاق ہے کہ
تسمیہ غیر اسمی ہے۔ وَهِيَ مَا قَامَتْ بِهِ الْمَتَحَى كَذَا فِي الْمَدَائِدِ
الکلام۔

یازدہم ماتریدی کہتے ہیں کہ نبوت میں کوئی شرط ہے۔ عیون رسول
نہیں ہو سکتی۔ اشعری کہتے ہیں کہ نبوت کے لئے مرد ہونا شرط نہیں ہے اور عیون
ہونا رسالت کے منافی نہیں ہے۔

دوازدہم ماتریدی کہتے ہیں کہ بندہ کے فعل کو کسب کہتے ہیں نہ خلق
اللہ تعالیٰ کے فعل کو خلق کہتے ہیں نہ کرب اور اسم فعل دونوں کو شامل حادثی سے
اور فاعل بھی حقیقتاً دونوں کے لئے پوچھتے ہیں۔ اشعری کہتے ہیں کہ مراد فعل سے
ایجاد حق ہے۔ لیکن بندہ کے کسب کو مجازاً فعل کہتے ہیں۔ اہل اہنت الحماقت
کے دونوں گروہ ماتریدی و اشاعرہ کے یقیناً یہ ہیں جن کو مولانا فتح محمد بریلوی
پوری رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف کتابوں سے بعبارت فارسی نقل کیا ہے اور جن کا
ترجمہ جزئی حذف و از دیاد کے بعد ہم نے اس مقدمہ میں لکھ دیا۔ ہر ایک مسلمان
مرد و زن کو لازم ہے کہ ان مختصر عقائد کو حفظ کر لیں تاکہ ان کے ایمان و اعتقاد
میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ اور خدا کی جناب میں بھی ان کا ایمان لانا مقبول ہو۔
یہی اس پر تفصیلی بحث تو اس کو عقائد توراتی کے اس ترجمہ میں دیکھ سکتے ہیں
اور اس طرح ایک سچے اور مقبول مومن کی مانند رہ سکتے ہیں۔

زمانہ اپنا رنگ بدلتا جاتا ہے اور دیوی معاملات میں تغیر کے ساتھ ساتھ

نماز موجودہ کی حالت میں بعد از ترقی کی اعداد

دینی عقائد و اعتبارات میں بھی تبدیلی ہو جاتی ہے۔ مگر ایک بات بڑی نفوس ناک ہے جس کو ذکر کئے بغیر ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ یعنی یہ بات تمام علمائے اسلام کے نزدیک مسلم اور مانی ہوئی ہے کہ دنیا علوم و فنون میں جیسی جیسی ترقی کرتی جائے گی۔ ویسے ویسے دین اسلام بھی بڑھتا اور پھیلتا جائے گا۔ اور دنیا میں یہی مذہب ایک ایسا مذہب ہے جو انسانی عقول کی ارتقا کے ساتھ خود میں ترقی کرنے کی صلاحیت اور مادہ رکھتا ہے۔ اس کے اصول و عقائد ہی ایسے ہیں۔ جن کو کوئی بڑے سے بڑا انسان خلاف عقل نہیں کہہ سکتا۔ اب تک ایسا ہی ہوتا رہا۔ کہ جن نیک طبیعت اور ذی عقل اصحاب کے سامنے دین اسلام کو پیش کیا گیا۔ انہوں نے فوراً ہی قبول کر لیا۔ اور بطریق خاطر اہل سنت و جماعت ہو گئے۔ لیکن قرون اخیرہ میں بعض لوگ ایسے بھی حاد ہو گئے جو اسلام کے عقائد حق پر محض اپنی محدود اور جزئی عقل کے بل بوتے پر تبصرہ کرنے لگے۔ اس قسم کے لوگ ہمارے اس زمانہ میں خصوصاً بلا دو مہزار ہندوستان میں بکثرت موجود ہیں۔ اور اپنی تعداد میں ترقی کرتے جاتے ہیں خوف ہے کہ اگر ان کے عقائد باطلہ کی تردید کی جانب توجہ نہ کی گئی۔ تو یہ چند ٹو بیاں جو اس وقت ناقابل التفات سمجھی جاتی ہیں۔ کہیں خوفناک صورت اختیار نہ کریں۔ پس ہم چاہتے ہیں کہ فرقہ آراء کے بیان کے سلسلہ میں ان کے حالات و عقائد سے کچھ برادران اسلام کو وقف کر دیں۔ تاکہ وہ اپنے ایمان و مذہب کی کوئی دست برد سے ہچا سکیں۔ اور ان کے وہابی خیالات و خیال پر غلط انداز نظر بھی نہ ڈالیں۔

فرقہ آراء کے محدثہ زمانہ یا بعد سے پہلا فرقہ وہابیوں کا ہے جو اپنے کو اہل حدیث کہتا ہے۔ اور مسائل شریعیہ میں ائمہ اربعہ میں سے کسی امام معین کی تقلید نہیں کرتا۔ مگر اہل فرقوں میں اس کے محسوب ہونے کے کئی سبب ہیں۔ ایک یہ اس فرقہ کے اکثر لوگ اپنی زبان و درازی سے تقلید امام کو شرک اور بے حیائی کہتے ہیں۔ اور مقلد فی الدین کو بدعتی وغیرہ بڑے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ حالانکہ تمام کتب اسلامیہ اہل سنت و جماعت سے ثابت ہے کہ دین حقہ ائمہ اربعہ یعنی امام عظم

فرقہ آراء کے واپس کے بعض عقائد

ابو حنیفہ رحمہ اور امام شافعی رحمہ اور امام مالک رحمہ اور احمد بن حنبل رحمہ کی تقلید میں مخصوص ہے۔ کیونکہ ان کے مسائل دستخطات مدون و مرتب ہیں۔ اور بعد دو سو برس کے تمام اہل اسلام اس امر پر متفق ہو گئے ہیں کہ من بعد یبلغ دسرا جتہ الاجتہاد۔ جب الیہ التقلید یعنی جو شخص درجہ اجتہاد کو نہ پہنچا۔ اس پر تقلید کسی امام کی مسائل شرعیہ میں واجب ہے یہی سبب تھا کہ بڑے بڑے علماء و فضلاء اسلام نے بجز تقلید کے کوئی چارہ کار نہیں پایا۔ جیسے امام غزالی فخر الدین رازی امام محی الدین ابن عربی وغیرہم اور تمام ادبیاء کاملین مثل غوث اعظم شاہ جیلان اور ابو الحسن شاذلی و ابو بکر شبلی۔ اور خواجہ عظیم الدین حسن سنجری ثم اجیری اور خواجہ بہاء الدین وغیرہم اور تمام محققین مثلاً صاحب مشکوٰۃ و ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ و امام بخاری وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم سلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اب اگر بقول و ثانیوں کے تقلید کو شرک سمجھا جائے تو یہ اور ان کے سوا تمام بزرگان دین و سلاطین و ادویا و علماء مشرک قرار پاتے ہیں۔ اعاذنا اللہ من ذالک۔

دوسرا سبب یہ کہ اس فرقہ کے لوگ کئی طریق سے مرتبہ عالیہ و نشان رفیع غرور و عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنقیض کرتے اور اس میں عیب نکالتے ہیں۔

پہلا طریق کہتے ہیں کہ سب قسم کی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم نہیں آئی۔ ہاں نبوت تشریعی ختم ہو گئی ہے۔ تو آپ کے بعد نبی کا آنا جائز ہے۔ لیکن صاحب شرعی نبی کا آنا ممکن نہیں۔ ان کا قول ہے کہ خاتم النبیین میں الف لام استغراقی نہیں۔ بلکہ تبیین کے لئے ہے۔ حالانکہ تادیقہ اور الاشباہ والنظائر وغیرہ کتب امامیہ سے ثابت ہے اذالہ یعرف ان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخر الانبیاء و فلیس جسمہ کلام من الضرر دیت یعنی جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے پچھلا نبی نہ جلنے۔ وہ مسلمان نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخر الانبیاء جانتا سرورِ دیانت دین

غیر مذکورہ

غیر مذکورہ

سے ہے +

دوسرا طریقہ دہلوی لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وسعت علم اور اس بات کے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو علم غیب عطا فرما کر تمام اگلے پچھلے اسرار و حالات کا سنہ و آیتہ ظاہر فرما دیئے۔ مطلق قائل و معتقد نہیں۔ بلکہ ان میں کا ایک دہڑا تو یہاں تک یا وہ سرائی کرتا ہے کہ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کے وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرکت ثابت کی جاتی ہے۔ اس مرید بیس کو اتنی بھی تمیز نہیں کہ جب غنہ عالم کی وسعت علم کے قائل ہونے سے اُس کے نزدیک شرک ثابت ہوتا ہے۔ تو وہی شرک شیطان کے لئے وسعت علم ماننے سے بھی ثابت ہوتا ہے +

افسوس کہ جس مہموم شرک سے بچنے کی کوشش کرتا تھا۔ اُس سے بدترین شرک میں خود گر پڑا۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب پاک علیہ السلام کے علم و شان میں نقص غیب نکالنے والوں کو اسی طرح رسوا کرتا ہے۔ خدا تو اپنے محبوب کی شان میں فرماتا ہے۔ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ ۚ فَذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكَ ۚ کچھ بنا دیا جو تم نہیں جانتے تھے۔ اور فرماتا ہے۔ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ شَيْءًا إِلَّا غَيْبُهُ ۚ أَحَدًا إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ اذْهَبْ مِنْ رُسُولٍ ۚ یعنی خدا غیب کا جاننے والا ہے۔ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔ اور یہ آنکھوں کا اندھا آنحضرتؐ سے علم غیب کی نفی کرتا ہے۔ اور اُس کو شیطان و ملک الموت کے حق میں ثابت کرتا ہے +

ان دہلیوں نے صرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں غیب و نقص نکالنے پر بس نہیں کیا۔ بلکہ خدا تعالیٰ پر امکان کذب اور اُس سے توقع کذب کا افترا باندھا۔ چنانچہ اُن کی ایک کتاب میں ہے کہ "خدا تعالیٰ کو جھوٹا جاننے والا فاسق و فاجر و کج گراہ بھی نہیں ہوتا۔ تعالیٰ اللہ عز و جل ذالک صلوٰۃ علیہ وسلم"

دوسرا فرقہ مرزا یوں کا ہے جو مرزا غلام احمد قادیانی کو مسیح موعود و اور

اسکالان کے تفسیر: دہلوی تعالیٰ

مہدی منتظر مانتا ہے۔ اور مرزا کے منکر و مذبذب کے پیچھے نماز پڑھنے کو قطعی حرام کہتا ہے۔ ہم اس فرقہ کی پوری تکذیب و تردید کتاب ہذا کے تکرار و تکرار میں کر چکے ہیں۔ وہاں دیکھ لیتا چاہئے۔ یہاں صرف حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے لکھنے پر بس کرتے ہیں۔ مَنْ رَأَى عَنِ الْوَحْيِ إِلَيْهِ أَوِ الثُّبُوتِ وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ فَهُوَ كَا فِرٍ یعنی جو شخص اپنی طرف وحی آنے یا اپنے نبی ہونے یا اسی قسم کا اور دعویٰ کرے۔ پس وہ کافر ہے۔ (اس اسطے کہ احادیث و اجماع اُمت سے بتواتر یہ بات ثابت ہے کہ کہ آنحضرت پر ہر قسم کی نبوت ختم ہو گئی۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا اور چونکہ وحی غیر انبیاء پر نہیں آتی۔ پس زید کا یہ دعویٰ کرنا کہ اس طرف وحی آتی ہے۔ غلط ہوا۔ اور وہ اپنے اس دعویٰ کے سید کا فر ہوا)۔

ہم سے اس زمانہ میں اس قسم کا بیہودہ دعویٰ کرنے والے کا صرف یہی علاج ہے کہ علماء اُس کے مکائد کو ظاہر اور اُس کے عقائد کو باطل اور اُس کے مفاسد کو حقی الامکان رد کریں۔ اور عوام مسلمانوں کو لازم ہے کہ اُس کے مخالطات و مغالطات سے دور بھاگیں۔ اور ان بے دینوں کی باتیں سننے سے اپنے کانوں کو بہرہ کر لیں۔ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْهَدَايَةِ۔

کئی سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ ہم نے عربی اخبار البیان لکھنے میں پڑھا تھا کہ ایک شخص سیحی خاں نامی پوربک رہنے والا نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور اور اپنے متعقیدین کو یہ کلمہ تلقین کرتا ہے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَحْيَىٰ عَيْنُ اللَّهِ اس کے بعد سے کسی اخبار میں اس جھوٹے مدعی نبوت اور اُس کے منکر و مردودہ کی کوئی خبر نہیں ملی۔ بہر نوع ہم نے اس کا نام فرقہ عینیہ رکھا ہے۔ مسلمانوں کو اس کے مکائد سے بھی بچنا چاہئے۔

ہم سے اس زمانہ میں ایک شخص فریقہ میں ظاہر ہوا ہے۔ اور وہ اپنے کو مہدی آخر الزمان کہتا ہے۔ اخبارات میں اس کا نام حبشی مہدی رکھا گیا ہے کہتے ہیں کہ بڑے بڑے کشمیر اور شیعہ کے تلامذہ تھے۔ خدا اہل اسلام کو اس کے شر سے محفوظ رکھے جس طرح اس سے قبل کے چند مردود جھوٹے مہدیوں

کے شر و فساد سے اس وقت کے مسلمانوں کو محفوظ رکھا۔

دہلی میں ایک شخص مرزا حیرت نامی جس کو امرا و مرزا بھی کہتے ہیں اور وہ اخبار کرزن گزٹ کا ایڈیٹر ہے۔ اس بات کا قائل ہوا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام شہید نہیں ہوئے۔ بلکہ قسطنطنیہ جا کر اپنی موت سے فرار ہوئے۔ وہ کہتا ہے کہ ان کی شہادت کی کوئی معتبر شہادت کسی بھی سنی اور شیعہ کی کتاب میں نہیں ملتی۔ امام موصوف کی شہادت کے باب میں جہنمی احادیث وارد ہیں۔ وہ ان سب کی تکذیب تصنیف کرتا ہے۔ اور ایک موقوف حدیث جو بخاری شریف میں اس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ثبوت شہادت میں مروی ہے۔ اُس کو قابل احتجاج نہیں سمجھتا۔ حالانکہ اُس کا انکار شہادت خلاف اجماع اُمت ہے۔ علمائے متقدمین و متاخرین میں سے کسی نے امام موصوف کی شہادت کا انکار نہیں کیا۔ اور یہ بات بالاتفاق علما ثابت ہے کہ اجماع اُمت کا منکر کافر ہے۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ میرا دوسرے سخن اہل سنت کی طرف نہیں ہے۔ اور نہ میں ان سے کوئی بحث کرنا چاہتا ہوں۔ بلکہ صرف شیعوں سے شہادت امام کے متعلق سوال کرتا ہوں کہ وہ جس شہادت کے بھروسہ اعمال صالحہ کو چھوڑے بیٹھے ہیں۔ اور جس خون کو اپنا ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔ پہلے اُس شہادت کو تو ثابت کریں۔ لہذا بعض کا تو یہ خیال ہوا کہ مرزائی مذکور سے سنیوں کو کوئی بحث نہ کرنا چاہیئے۔ اور یہ کہہ کر طام دینا چاہیئے

شادم کہ زرقیاں دامن کشاں برائی
گوشت خاک ہا ہم بر باد رفتہ باد

لیکن محققین کا قول ہے کہ ہم کسی منکر اور مکذب اجماع کا یہ غدر بار کبھی نہیں سن سکتے۔ بنا برآں ان کے خیالات دایمہ کی پوری تردید کرنے لگے۔ گو اُس نے اس تردید کو اپنی ہرٹ دھرمی سے نہیں مانا۔ ہم کہتے ہیں کہ اس کی تردید کی ضرورت ہی کیا تھی۔ علما و کیوں اس فضول بحث میں تطبیع اختیار کرتے ہیں۔ ایک معمولی یادہ گو اور کم سودا شخص کی بیہودہ سرانی سے ہمیں کیا

ترجمہ غلام احمد رشتی

نقصان پہنچ سکتا ہے ہمیں ثبوت شہادت کے لئے کسی حدیث کی تلاش و تفتیش کی بھی ضرورت نہیں۔ ہمارے پاس جمیع سلفے خائف کی دلیل کافی ہے۔

پس اگر وہ جمیع اُمت کو نہیں مانتا۔ تو اس پر دہی حکم لگانا کافی ہے جو اجماع کے مخالف پر لگایا جاسکتا ہے۔ مسلمانوں کو لازم ہے کہ ایسے مزرعہ اور ہر کس نامکس کے دعاوی باطلہ پر کمان نہ دھریں۔ ہم نے اس کے فرقہ کا نام حیرتہ رکھا ہے۔ اُس نے حلقہ ربانی نام کی ایک مجلس بھی قائم کی ہے جس میں داخل ہونے کے بعد انسان کو ان تمام بدعات کا معنفد ہونا پڑتا ہے جو مزار کی ایجاد اور خود تراش ہیں۔

چھٹا فرقہ نیچری لوگوں کا ہے۔ اور اس سے ہماری مراد وہ لوگ نہیں ہیں جو زمانہ سابق میں دہریہ کہلاتے تھے۔ اور جن کا قول خداوند عالم نے اس طرح نقل کیا ہے۔ مَا يَهْدِيكُمْ إِلَّا الشَّيْطَانُ وَمَا لَكُمْ بِمَذْعُوثِينَ (جاثیہ) ہم کو زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔ اور ہم مرنے کے بعد نہیں اٹھائے جاسکتے۔ یہ لوگ دہریہ کو بھی اپنا محی و میت اور خالق سمجھتے تھے۔ اور بعض کہتے تھے کہ مادہ و روح بھی دو اصل چیزیں ہیں۔ ان کو فنا بھی نہیں۔ یہ دونوں بذات خود قائم اور غیر فانی ہیں۔ انہیں کے اتصال سے جو انہیں کے ختمیہ سے واقع ہوتا ہے۔ ہر چیز بنتی ہے وغیرہ وغیرہ بلکہ نیچر فرقہ سے یہاں ہماری مراد وہ لوگ ہیں۔ جو علوم جدیدہ کو حاصل کر کے اکثر ضروریات دین کے منکر ہو گئے ہیں۔ اور جو کارخانہ عالم کی ہر ایک چیز کی حقیقت اپنی عقل جزوی کے ذریعہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور جو چیز ان کی عقل کے بل بوتے سے باہر ہے۔ اس کی حقیقت سے فوراً انکار کر بیٹھتے ہیں۔ لیکن جس چیز کو صرف انہوں نے اپنی عقل و تلاش سے معلوم کر لیا ہے۔ اُس چیز کی وہی حقیقت اُن کے نزدیک مستحکم ہوتی ہے۔ اگرچہ قرآن حدیث اُس کے خلاف شہادت دے۔ چنانچہ اس بنا پر اس فرقہ کے لوگ معجزات انبیاء اور کرامت اولیاء حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آسمانی معراج سے بھی انکار کرتے ہیں۔ یعنی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ آلم وسلم کو بیداری میں مع جسد و روح کے معراج کی رات آسمان پر نہیں بلایا گیا۔ بلکہ وہ خواب تھا اور بس۔ اسی طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پر آتش نمرود کے بے ضرر ثابت ہونے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ضرب عصا سے پہاڑیں سے بارہ چشموں کے جاری ہونے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ احیاء اموات کے بھی منکر ہیں۔ یہ لوگ قرآن کریم کی تاویل اپنی رائے و عقل سے کرتے ہیں۔ اور وجود سموات اور خرق و القیام اجرام فلکی کے مطلق قائل نہیں علوم جدیدہ نے اُن کی بصیرت پر اس طرح پردہ ڈال دیا ہے کہ خداوند برتر کی قدرت اور انبیاء کی عظمت اُن کی نظروں میں بالکل نہیں چھپتی۔ وہ انبیاء کو حکم فلاسفر یا مصلح قوم سے زیادہ مرتبہ نہیں دیتے۔ تاجرانہ سود اور بنک کے بیان کو حلال جانتے ہیں۔ عموماً ڈاڑھیاں منڈانے سوچیں بڑھاتے اور یورپ کی تقلید کے دلدادہ ہیں۔ امریکہ کے ایک معمولی حکیم اور سائنس دان کی حکمت اور پیشین گوئی کو وحی منزل من اللہ سمجھتے ہیں۔ تارک الصلوٰۃ ہیں۔ نماز کے وقت ہوا خوری کو نکل جلتے ہیں۔ اور کذب و سوائی کی نشست اور آوارہ طبیعت اصحاب کے گپ شپ مانتے ہیں۔ کونماز پر ترجیح دیتے ہیں۔ بزرگان سلف کے طعام و لباس نفرت کرنے اور میز و کرسی پر کھانا کھانے اور محرمانہ شرعی کو حلال ٹھہراتے اور جدید فیشن کا لباس پہننے کو اپنا بڑا فخر خیال کرتے ہیں۔ رات دن قومی اصلاح کا دعویٰ کرتے ہیں۔ باوجودیکہ نہ قومی اصلاح کا ان کو درد ہوتا ہے اور نہ قوم کا اصلاح پذیر ہونا۔

اُن کا نصب العین علمائے دین کو برا کہتے ہیں۔ اور تقریر و تحریر میں صبر و استقامت اُن کی ہنسی اُڑانے ہیں۔ قص و سرود میں بے باک و بے خطر شریک ہوتے ہیں۔ بلکہ یورپین عورتوں کے ساتھ ناچنے کو بڑے خفہ و مباحات کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

غرض اپنے نامائے عمال کو ایسا سیاہ کرتے ہیں کہ اس میں ارد و برابر بھی سبقت دی نہیں چھوڑنے سے
چوپر کش گنہم رفتہ حشر خواہد شد تمسکات گنہگار حلق پارہ کنند

ترجمہ جب قیامت کے روز میرے گناہ کے متعلق سوال ہوگا۔ تو تمام مخلوق کے گناہوں کے کاغذ چاک کر دئے جائیں گے *

پیسے جن کا اوپر مذکور ہوا۔ اور نیز ان کے سوا جتنے فرقے ہیں..... فرقائے ضالہ میں داخل ہیں۔ حدیث میں صرف بہتر فرقوں کا غیر سنی ہونا وارد ہے لیکن جیسا کہ علامہ تودہ پشستی نے اپنی اس کتاب کے صفحہ پر لکھا ہے مراد اس لفظ سے کثرت ہے نہ حصہ یعنی یہ مراد نہیں ہے کہ فرقہ ہائے ضالہ صرف بہتر ہی ہوں گے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ میری امت میں کثرت سے فرقہ ہائے ضالہ خروج کریں گے۔ ان میں سے نجات یافتہ صرف ایک ہی ہوگا۔ جو میری اور میرے صحابہؓ کی سنت سیئہ پر قائم رہے گا۔ چنانچہ حدیث میں ہے لَا تَمَسُّوا بَسْمَتِي عِنْدَ نَسَائِكُمْ اَمْ تَرَوْنَ فَلَاحُ مَا لَكُمْ شَيْعِيں (رواہ ابیہنی کتاب الزہد) یعنی جو شخص میری امت میں بگاڑ اور فساد واقع ہونے کیوقت میری سنت پر قائم رہا۔ اس کو سوشہیدوں کا اجر ملے گا *

بعض علمائے کرام نے فرقہ ہائے ضالہ کو صرف بہتر تک محصور سمجھ کر ان کو جمع کیا ہے۔ اور وہ فرقے جن کی ضلالت کفر تک پہنچ گئی ہے۔ ان کے نام گنو اگر ان کو خارج از اسلام فرقوں میں محسوب کیا ہے۔ جیسا کہ علامہ عبدالقادر بغدادی نے اپنی کتاب الْقِسْمُ بَيْنَ الْيَسَرِّ فِي میں لکھا ہے لیکن بعض علماء نے تمام فرقوں کے اسماء عقائد نقل کر دیئے ہیں *

چنانچہ کتاب الملل والنحل میں اور مولانا نجف الغنی رامپوری نے اپنی کتاب مذاہب اسلام میں ایسا ہی کیا ہے۔ اور اسلامی فرقوں کو یمن نسو سے زائد شمار کیا ہے جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ظالموں نے فطرتی اور مسلم صاف اصول مذہب اسلام میں کچھ خرابیاں اور بیچہ گیایاں پیدا کر دی ہیں۔ اور حق و ناحق کی تمیز کتنی مشکل ہو گئی ہے *

علمائے کرام کے ہم مشکور ہیں کہ انہوں نے اس فساد و فترتہ عظیمہ کے وقت اپنی ہمت کو کتب عقائد کی تدوین کی جانب معطوف فرمایا۔ اور اسی موضوع پر سینکڑوں کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جن سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ فرقہ

ناجیہ اہل سنت و الجماعت کا گمراہوں اور بے دینوں کی دستبرد اور غارتگری سے محفوظ ہو گیا۔ اور جوں جوں زمانہ گزرتا گیا۔ اور جدید فرقہ پیدا ہوتے گئے۔ تو ان کے بعد کے علما بھی جدید فرقوں کے احداث کا تذکرہ اپنی کتابوں میں کرتے گئے۔ اور اہل سنت و الجماعت کو ان کے دام فریب میں پھنس جانے سے بچاتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں حسب ضرورت زمانہ کتب عقائد کے تراجم بھی پہلے عربی سے فارسی میں اور پھر فارسی کی کس میسرسی کی حالت کے وقت اردو میں شائع کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن ایک خرابی جو تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔ اس زمانہ میں ایسی پیدا ہو گئی ہے کہ بعض کتب اہل سنت و الجماعت کے ایسے لوگوں نے بھی کر دیئے جن کا اپنا عقیدہ اُس کے خلاف تھا۔

اور وہ فرقہ ہائے ضالہ میں شمار ہوتے تھے۔ دو باتوں نے ان کو ایسا کرنے پر مجبور کیا۔ ایک تو یہ کہ اس ذریعہ عام مسلمانوں سے روپیہ کمایا جائے۔ دوسرے یہ کہ ان کتابوں میں ترجمہ و حواشی کے ذریعہ اپنے معتقدات ملا دیئے جائیں چنانچہ ہم نے بہت سی کتابیں دیکھی ہیں۔ جو اصل میں اہل سنت کے عالموں کی تصنیف ہیں۔ مگر بے دین مترجموں نے ترجمہ کر کے ان کو کھینچنا کر ترجمہ کئے۔ اور اگر ترجمہ میں نہ ہو سکا تو حواشی کے ذریعہ اپنے معتقدات کے موافق کر لیا۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایک کتاب کا دو شخص ترجمہ کرتے ہیں۔ ایک تو حنفی ہے۔ دوسرا غیر حنفی۔ دونوں ترجموں کو ملا کر دیکھو۔ تو زمین آسمان کا فرق ہے *

سلف صالحین کی کتب مقدسہ کا اس طریق پر ترجمہ کرنا کہ اُس سے مصنفین کے عقائد پر حرف آئے۔ اور نیز اس ذریعہ اپنے عقائد فاسدہ کی تشہیر کی جاوے حقیقت میں بڑی دیدہ دلیری اور سخت فریب ہی کی بات ہے۔ یہ بلا ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے کہ جو شخص جس کتاب کا ترجمہ کرنا چاہتا ہے بے دھڑک اپنے معتقدات کے مطابق کر دیتا ہے۔ جس کا ثبوت اصل کتاب کے دیکھنے ہی سے ہو سکتا ہے۔ پس مسلمانوں کو لازم ہے کہ جب تک مترجموں کے عقائد کی توثیق و تحقیق نہ کر لیں۔ ایسے ترجموں کے لینے

اور اُس پر عمل کرنے سے سخت احتراز و اجتناب کریں۔
اسی سلسلہ میں ہم ایک پُرانی معتبر کتاب عقائد کا ترجمہ پیش کرتے
ہیں۔ جو سات تو بریں ہوئے۔ علامۃ شیعہ شہاب الدین توریشتی
رحمۃ اللہ علیہ نے ایام سلطنت حضرت سلطان ابوبکر ابن سعد
زندگی نوادۃ مرقۃ ہند کے زمان سادات اقران میں اسی کے اراخدا
شیراز میں رہ کر تصنیف کی تھی۔ اور خاص اسی جسم دلی بادشاہ داد گستر کے
نام سے معنون فرمائی تھی۔ لیکن اس کتاب کی اشاعت سے نہ تو ہماری غرض
جلب منفعت ہے۔ اور نہ اپنے علم و فضل کی شہرت مقصود۔ اصل یہ ہے
کہ برادران اسلام اس کتاب مستطاب کو مطالعہ کر کے اپنے عقائد حقہ کو
درست رکھیں۔ اور اس جہل و نادانی اور الحاد و ازداد کے زمانہ میں سنت
سنیہ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قائم و ثابت رہیں۔

اس کتاب کا نام جیسا کہ دیباچہ میں مذکور ہوا الْمُعْتَقِدُ فِي
الْمُعْتَقَدِ ہے۔ اور عقائد توریشتی کے نام سے مشہور ہیں الانام
ہے۔ یہی وہ معتبر تالیف ہے جس کا تذکرہ حضرت شیخ عبد الحق
محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی لاجواب کتاب شیعۃ
الامعات کے ہر مقدمہ میں کیا ہے۔ اور ہر مناسب مقام پر اس متبرک کتاب
کے ذریعہ اضافہ و افادہ موزون جانا ہے۔ علاوہ اس کے اکثر معتبر علماء
کرام نے اپنی تصانیف میں اس کے حوالہ جات درج کئے ہیں۔ چنانچہ
علامہ برہان مسکبن رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کے اکثر
اقوال اپنی کتاب عقائد موسوم بہ اشداد المسلمین میں نقل
فرمائے ہیں۔

افسوس کہ باوجود تحقق و تلاش کے ہم اس فاضل مصنف کے
حالات زندگی اور نیز ان کی دوسری تصنیفات سے واقف نہ ہو سکے
یہ کتاب ہمیں برہان پور کے ایک قدیم اور پُرانے کتب خانہ سے حُسن

لکھ یہ اشارہ ہے عایجناب خان بادر قاضی محمد سراج الرحمن صاحب جم رقبہ حاشیہ ۳۶

اتفاق سے قلمی قریباً نین سو سال کی مکھی زوئی دستیاب ہو گئی ہے ہم نے
فرط شوق اور بقتضائے تشغف علمی پہلے تو اول سے آخر تک اس کو مطالعہ
کر لیا۔ اور جب دیکھا کہ یہ کتاب خصوصاً اس زمانہ کے مسلمانوں کے واسطے
بغایت مفید ہوگی۔ تو ہم نے بلا تخریک و تشوین کسی شخص کے محض اللہ واسطے
بڑی محنت سے اس کا ترجمہ کر دیا۔
ترجمہ کرنے والے اصحاب خوب جانتے ہیں کہ کسی کتاب کے ترجمہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵

آنریبری بحر طوطی شہر برمان پور کے بیس بہا اور تابیاب کرب جانہ کی طرف سے ممدوح الصدق فقیر مترجم
کے بڑے ہمدرد اور عنایت فرماتے۔ خدا نے ان کو دنیوی امارت و دنیا ہمت کے ساتھ علوم
دینیہ سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ اہل اسلام کی خیر خواہی اور ان کی محبت ان میں اس درجہ غمی کہ ان کی
عز و ریاست کو اپنی ذاتی احتیاجات پر ترجیح دیتے تھے۔ افسوس کہ وہ عین عالم شباب میں جب کہ
ان کی عمر ۳۷ سال سے بھی متجاوز نہ ہوئی تھی ملائکہ پجری میں دوا کے ایک ادوی اور ایک بیوی چھوڑ کر
راہی عالم بقا ہوئے۔ دونوں چھوٹے لڑکے قاضی محمد عنایت الرحمن صاحب قاضی محمد فیض الرحمن صاحب
اپنی والدہ کی کنارا عطف میں جو ان ہو کر تعلیم دینی و دنیوی سے بہرہ مند ہوئے۔ لیکن آہ وہ بھی عین
جوانی میں جب کہ دونوں نالان چہن امید تعلیم ہی پارہے تھے۔ ایک سال کے اندھ ہی یکے بعد دیگرے
وفات پا گئے اور بد نصیب والدہ کے دل پر دوامی مفارقت کا داغ لگا گئے۔ فیض الرحمن جو عمر میں
چھوٹے تھے۔ برمان پور میں بیمار رہے بیضہ مستلارہ کہ ۱۲ گھنٹے میں دار الخلد کو سدھائے۔ اور ان کے
نوماء بعد عنایت الرحمن میری بالی ہنسک بیماری میں مبتلا ہو کر علحدہ کالج میں رحلت گزائے عالم
جادوئی ہوئے۔

چونکہ شرکی تفضا کا دارث اولاد زینہ سے کوئی نہ تھا۔ اس لئے بالاتفاق معززین عمائدین
شہر ان کی صاحبزادی قاضی قرار دی گئیں۔ عہدہ فضا کی تمام ذمہ داریاں صاحبزادی موصوفہ کے
لائق و فاضل شوہر جناب قاضی خواجہ حسین الدین صاحب ابن حضرت مولوی خواجہ علیم الدین
صاحبزادہ کبیر درجہ اول اورنگ آباد دکن کے پیر و کی گئیں۔ جو نہایت خوبی کے ساتھ سر انجام
دیتے ہیں۔

یہ کتاب مجھے خواجہ صیب الدین صاحب ابن خواجہ میر الدین صاحب قاضی و جاکیر دار
ملک پور دیگئے تھائی۔ علاقہ برار کے توسط سے دستیاب ہوئی۔ جو خان بہادر صاحب موصوف کی بیوہ کے
بھانجے اور میرے شاگرد رشید اور نہایت باخدا اور بڑے لائق و فعال تعلیم یافتہ نوجوان ہیں۔ اللہ تعالیٰ
ان پر دوزخانی بخش عزیزوں کو گردش زمانہ سے محفوظ رکھے۔

عقائد و پیشانی کمال سے مستند و ساری۔

کرتے ہیں کیا کچھ مشکلات اور وقتیں پیش آتی ہیں۔ لہذا ہم بھی اس سے مستثنیٰ نہیں رہے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ ہم نے مختلف کتابوں کے مقابلہ و تحقیق سے ان مشکلوں کو حل کر لیا۔ پھر بھی ہم نے جو بیکھا کہ اکثر ضروری مسائل میں مصنف علیہ الرحمۃ نے ایجاز و اختصار سے کام لیا ہے۔ تو اس کی تشریح و توضیح حواشی کے ذریعہ کر دی۔ اور بعض باتیں جو مصنف کے قلم سے فرو گذاشت ہو گئی تھیں۔ یا جو ان کے زمانہ میں موجود نہیں تھیں۔ ان کو بالتفصیل کتاب کے آخر میں ایک نکتہ کے ذریعہ بیان کر دیا۔ اور بعض ایسی باتیں جن کا جاننا کتاب کے پڑھنے کے پہلے ضروری تھا۔ ان کو مفردہ میں لکھ دیا۔ اس طرح یہ کتاب خدا کے فضل سے ہر طرح کامل ہو گئی۔

امید تو ہے کہ اس کے پڑھنے اور یاد کرنے کے بعد اہل اسلام کو پھر کسی کتاب عقائد کے دیکھنے اور پڑھنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ ان کو ہر ایک ضروری مسئلہ جو علم عقائد سے متعلق ہو گا۔ اس کتاب میں کہیں نہ کہیں مل جائے گا۔ اور علم کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے۔ وہ اس سے زیادہ چاہیں تو مبسوطات و مطولات میں مل سکتا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی مَا هَدٰہٗ اِنَّا سَوَاءٌ الطَّرِیقَ وَجَعَلَ لَنَا التَّوْفِیْقَ حَسْبَ وَفِیْق

وَحَمْلًا اَدَّہٗ تَعَالٰی اَعْلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ

مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ

مقدمہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اصطراط السوی

ترجمہ اردو

عماد توریشتی

حمد

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَحْمَدُكَ حَمْدًا لَا يَلِيْقُ بِكِبَرِيَّائِكَ وَنُصَلِّيْ عَلَى
مَنْفُوَّةِ اَصْفِيَّائِكَ وَخَاتِمِ اَنْدِيَّائِكَ وَعَلَى اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ
اَجْمَعِيْنَ

حمد و ثنا اللہ تعالیٰ جل شانہ کو زیبا ہے کہ اُس کے سوا کوئی بھی محکم
لائی نہیں۔ اور بجز اُس کے کوئی بھی ثنا کے قابل نہیں۔ اپنی حمد و ثنا اپنے لائق
وہی کر سکتا ہے۔ اور اپنا وصف اپنے ثنایان شان وہی کر سکتا ہے عقل
کا بڑا وصف یہ ہے کہ وہ ایک حد تک مخلوقات پر اپنا حکم جاری کرے
اور اندیشہ کا عمدہ فرض یہ ہے کہ وہ کائنات کی کیفیات میں تحقیق قائم
کام لے۔ خدا تعالیٰ کے جلال میں عقل پر سوختہ ہے۔ اور اندیشہ اُس کے
سراپردہ قدس میں دیدہ بردوختہ عقل نے اگر اس کی معرفت کی چاشنی
سے کام جان کو شیریں کیا۔ تو یہ اسی کی عنایت ہے۔ اور اگر اندیشہ

اُس کے راز نامے سربستہ تک پہنچا۔ تو اسی کی ہدایت اسی کے لازوال جود و اکرام نے دل کو اپنی محبت سے آشنا کیا۔ اسی سے فضل و احسان نے جان ناتوان کو اپنی شناسائی سے بنیا فرمایا۔ اس کی یاد راحت و آس ہے اور دریافت ملک جاودان اسی کی اطاعت مقصود عابدان ہے۔ اور اسی کی خدمت خوشتر از نعیم دو جہان اس کے ساتھ ایک نفس گذار دنیا و مہیا کی نعمتوں سے بہتر ہے۔ اور اس کی یاد ایک لمحہ بسر ہونا مدت العمر کی کامیابیوں سے خوشتر ہے۔

محبت

صلوٰۃ بابرکات و تحیات ذاکیات بقدر وسعت جسم و ادراکات و باندازہ گنجائش اندیشہ و قیاسات سراپردہ کبریا سے۔ روان پاک و کمالہ بد زندہ۔ ساکن مدینہ میر بار حضرت یوہیت رہنمائے طریق عبودیت۔ امین عالم غیب۔ ترجمان علوم و وحی لاریب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ و سلم پر ہو کہ ان کی برکت سے جانوں کو بینائی ہے۔ اور اُن کے فیضان سے دلوں کو آشنائی۔ ان کی شریعت سے خدا پرستی کا رستہ ظاہر ہے۔ اور ان کی سنت سے آداب اطاعت و عبودیت باہر۔ آفرین اُن پر اور ان کے اہل دیاروں پر اور رحمتنامے بے منتہا اُن پر اور اُن کے پیروان ملت حنیفہ اور تمام دین داروں پر نازل ہوں۔

سبب تصنیف کتاب

بعد حمد و ثنائے خائے تعالیٰ واحد و ذو الجلال جو بہترین کلمات متکلمین ہے۔ اور بعد صلوات و سلام بروح خاتم نبوت و الرسالت جو انقصی المقاصد شہیدایان سید المرسلین ہے۔ اُن حضرات سے جو خدا پرست بنیا دل اور روشن رواں مبارک نفس ہیں۔ استعانت کی جاتی ہے۔ ایک ایسے

مبارک خیال کے مضامین جو عالم فیر سے اس نقیصہ کے دل پر ستولی ہو اسے یعنی جب میں نے یہ علم کم سواد اسحاب کو نشانہ حق کی تلاش طلب اور برگزیدگان امت کی تعلیم و پیروی کی جانب سے (جن کے طریق کو حضرت نبی کریم علیہ السلام نے تسلیم فرمایا ہے) مست پایا اور دیکھا کہ علما اور دانشناس بھی اُن کی تادیب و تنبیہ اور ارشاد و نصیحت کی طرف سے جو حق دین اری اور واجب مسلمانی ہے غافل ہیں اور فتنہ اُسے بے اندازہ اہل ہوا۔ اصحاب شیعہ بہات اور داعیان ضلالت سے اٹھ رہے ہیں۔ نظربین حالات میرے دل میں آیا کہ فارسی زبان میں عقائد کی ایک ایسی کتاب تصنیف کیجئے کہ طالبان حق کی حاجات کو حاوی اور اعتقادات اہل سنت و جماعت میں گراہی ہو۔ اور مباحث میں خصوصیت سے قانون کتاب و سنت اور اقوال علمائے امت کا جن سے مراد سلف صالح ہیں۔ لحاظ رکھا جائے میں نے حضرت حق تعالیٰ کے حصول علم کا ذریعہ اس سے بہتر نہ جانا۔ کیونکہ اسی میں علم و اہل عالم کی صلاح مکنون ہے۔ اعتقاد درست کی نسبت دوسرے اُن معاملات کے ساتھ جو بندہ اور خدا کے درمیان ہیں ایسی ہے جیسی مروج کی نسبت کا ابد کے ساتھ ظاہر ہے کہ جس دے جان کسی کام کا نہیں ہوتا۔ ایسا ہی عمل صالح بدوں اعتقاد درست کے ناکارہ ہے۔ یہ بھی معلوم اہل بصیرت سے کہ اسلام میں جو فتنہ اٹھا اس کا سبب شومی اعتقاد بد اور شیوع لائے درویش ہے۔

پھر تیسرا اس امر کی مقتضی ہوئی کہ اس کتاب کو کسی صاحب دولت و مالک سلطنت کے نام سے مکنون کیا جائے۔ تاکہ اس کا اثر عوام مسلمانوں کے دلوں میں جو سلاطین کی تصویب خیالات کے ہوگا اور عاکم وقت کے ارادت کے منقہر ہیں۔ جاگزین ہو۔ اسی سبب سے اس کو مقبول جناب باری بقیت ملوک صالح فخر سلاطین اسلام بادشاہ نیاز مند دین پر در رحیم دل درویش نواز یعنی سلطان اتابک ابو بکر سعد بن زنگی کے نام و ذکر سے منسوب کیا اور اُس کی دعائے دولت سے معطر اور اس رابطہ کو اُس کے سرزند

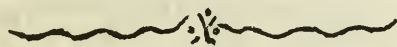
شاہزادہ ابوشجاع سعد کے نام سے کہ دونوں کنف و حمایت خداوندی میں رہیں مستحکم کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کی ترتیب میں معظم نظر اسی کی خدمت تھی۔ اگرچہ اس درویش کا وظیفہ خدمت آل شاہ میں مقرر و مستمر ہے تاہم میں نے چاہا کہ اس کی حضور میں ایک ایسا دیروپا اور شالشتہ تحفہ پیش کر دوں جو صفحات روزگار پر باقی رہے۔ اور اُس سے دُہ اور آئندہ نہیں منتفع ہوں۔ اگرچہ اُس کے غم و دولت میں مجھ ایسے بہت سے علما تھے۔ لیکن اس اختیار سے کہ اصلاح دین و دولت میں مجھے ایک گونہ امتیاز حاصل تھا۔

میں نے اس کا رخبر میں مساعرت کی یہ جو کچھ ہوا صدق نیت اور وثوق ہمت کی برکت سے نہ بضاعت کی کثرت سے اور میں نے اس تحفہ کا نام المعتمد فی المعتقد رکھا۔ اور اُس کی اساس تین بابوں پر قائم کی۔ ہر باب میں دس دس فصلیں ہیں۔

پہلا باب خدائے عزوجل پر ایمان لانے کے بیان میں۔
دوسرا باب فرشتوں کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لانے میں۔
تیسرا باب دوسرے اعتقادی مسائل میں موافق کتاب و سنت اور اجماع امت کے۔

امید ہے کہ اس بادشاہ کی دولت اور میری صدق نیت کی برکت سے یہ کتاب مقرون بہ حاجت ہو۔ اور اس کے ایام دولت میں تمام اہل مملکت اور جملہ فارسی دان ہر شہر و بلاد کے انتفاع حاصل کریں۔ اور اس کی برکت عائد یہ ایام میمون ہوں۔



پہلا باب

خدا پر ایمان لانے میں اور اس میں درستی و فصلیں ہیں

پہلی فصل

ایمان کے معنی کے نہیں

لفظ ایمان کے معنی تصدیق کے ہیں۔ اور تصدیق کے معنی یہ ہیں کہ قائل کی بات پر یقین کیا جائے۔ اور اُس کے سخن کو سچا مانا جائے اور لفظ ایمان امن سے ماخوذ ہے۔ جو خوف کی ضد ہے۔ اس کے معنی ہیں امن کرنا۔ یعنی خوف اور ہلکا سے امن میں رکھنا۔

تفصیلاً یوں سمجھو کہ جب کہنے والا کسی چیز کی خبر دیتا ہے۔ اور سامع اُس کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہوتا۔ تو لابد متردد ہوتا ہے کہ یہ خبر راست ہے یا دروغ۔ اسی طرح جب کسی کو حکم کیا جاتا ہے کہ یہ کردہ مرتکب اور محکوم یا مامور اس کی حقیقت نہیں جانتا تو اس کو امر و نہی کے حق اور باطل سمجھنے میں تردد ہوتا ہے۔ لیکن جب سامع کا دل قائل کی بات کو حقیقتاً درست مان لیتا اور اس کے حکم پر اعتبار کر لیتا تو اُس کے قول یا حکم کی طرف سے کبھی یا بطلان کا خیال بھی اس کے ذہن میں نہیں آتا۔ وہ اس کی بات اور اس کے حکم کو سچا ہی سچا یقین کرتا ہے۔ پس اس یقین و اعتقاد سے وہ اپنے نفس کو اس چیز کے دروغ یا نا درست سمجھنے سے مامون اور بے خوف کر لیتا ہے۔

کی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ جیسا انسان اپنی عقل کے ذریعہ عالم کے خالق اور اُس کے زمانہ تو انما قدیم اور لازوال ہونے پر یقین لے لے آیا۔ اور یہ سمجھ لیا کہ عالم کا بدوں ایسے خالق کے جو حی قدیم ازلی ابدی وغیرہ ہو قائم رہنا ناممکن ہے۔

اور نیز جب اُس نے اعتقاد کر لیا کہ توحید وغیرہ کے باب میں جو احکام انبیاء علیہم السلام کے توسط سے اس کو پہنچے ہیں۔ وہ درست ہیں۔ اور اس کو اس طرح قبول کر لیا۔ کہ اُس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔ تو اس یقین و قبول سے اس نے اپنے نفس کو چند براہیوں سے مامون کیا۔

شہر ایسی دریافت و دانست سے جو کج یا دروغ ہو۔ و داعی توحید و حق پر کذب و افتراء سے۔ بقدموت کے (بشرطیکہ اسی یقین پر موت ہو) عذاب آخرت سے۔

پس ان چند توجہات سے اعتقاد درست کو ایمان کہتے ہیں۔ اگرچہ تصدیق اور اعتقاد صرف دل سے ہی کہوں نہ ہو۔ مگر عین شری میں ایمان نام ہے۔ دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرنے کا دل سے تصدیق اور زبان سے اعتراف کرنے والا مومن ہے۔ مگر ایمان میں اس کی منزلت اس وقت تمام تر ہوگی۔ جب موافق حکم خدا و رسول کے عمل بھی کرے ایمان کی کچھ اوپر شہرت شائیں ہیں۔ ان کی اصل توحید و رسالت کی گواہی دینا ہے۔ اس باب میں وہ باتیں جن کی شناخت و معرفت بندہ کے لئے ضروری ہے۔ علم توحید وغیرہ کے متعلق بیان کی جائیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

دوسری فصل

خالق عالم کی شناخت

پہلی بات جس کا جاننا ہر شخص پر واجب ہے وہ خالق عالم کی معرفت ہے کہ واحد و یگانہ ہے۔ اور عالم نام ہے ہر اُس چیز کا جو اللہ تعالیٰ کے سوا ہے۔ اب جاننا چاہئے کہ اکثر عوام مسلمان ہیں۔ جو مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے۔ اور اسلام پر تربیت پائی۔ اور ابتداء سے اُن کے دل باپ نے انہیں کلمہ توحید سکھا پڑھا دیا۔ اور اُن کے کان میں پہنچا دیا کہ خدا ایک ہے۔ قدیم ہے۔ وہ کسی چیز کے مشابہ نہیں۔ اُس کے سوا جو کچھ ہے۔ اُسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اُس نے گھر کے لوگوں کو اسی شہادت پر پایا۔ اور نماز پڑھتے۔ روزہ رکھتے۔ زکوٰۃ دیتے اور فریضہ حج ادا کرتے دیکھا۔ اُس کے سامنے بانگ نماز اور قرآن کریم پڑھا جاتا رہا۔ اُس نے اپنے گھر کے لوگوں سے علم حلال و حرام سیکھا۔ اور خود اُن میں بھی اُس کے موافق عمل کرنے پایا۔ اس سبب سے تقلیداً دین حق کی محبت اُس کے دل میں راسخ ہو گئی۔ اور اہل خانہ کی طرح وہ بھی ان تمام باتوں کا معتقد ہو گیا۔

ایک ایمان فوی علم اصحاب کبار ہے وہ یہ کہ جناب نبی عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخبار نبوت اور اخبار صداقت یعنی آیات و معجزات متواتر زمان بہ زمان اُن تک پہنچے۔ اُن کے دیکھنے سے انہیں انحضرتؐ کی تصدیق ہو گئی۔ اُنہوں نے اُن کے اقوال و افعال اور عادات سے جان لیا کہ وہ توحید و طاعات خدائے واحد کی طرف دعوت کرتے ہیں۔ اس محبت سے خدا کی وحدانیت اور ان کی رسالت پر اُن کا اعتقاد جسم گیا۔ اور انہوں نے دلائل نبوت و نبی کے ذریعہ یقین کر لیا کہ خدا کے واحد ہونے

خالق عالم کے قدیم و توانا ہونے میں شک و شبہ کی مطلق گنجائش نہیں۔ ان اصحاب کا ایمان درست مستحکم اور پسندیدہ تر ہے ۔

لیکن اس سے بھی تمام تر دوسرے وہ ایمان ہے۔ جو نظر و اندازِ پیشہ کے ذریعہ ایسی مستحکم دلیل سے ان پر روشن ہو جائے۔ جس سے اُن کی دین کی بنیاد مبنیانِ مرموص سے زیادہ پائدار ہو۔ قرآن کریم میں اس باب میں جو کچھ بیان ہوا ہے۔ ہم اُس کے بیان پر اقتضار کرتے ہیں۔ اور یہی کافی ہے۔ علمائے سلف نے بھی جو مقتدا ایمان اہل سنت و جماعت ہیں۔ قرآن ہی سے استدلال کیا ہے۔ اور یہی مسلمہ اہل سنت ہے۔ جو ان کی پیروی کرے گا۔ فخر و عمامہ سے سلامت رہے گا۔ اس لئے کہ ان کی متابعت مبارک ہے اور بخلافتِ شوم ۔

حق تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَلْاِلٰهَةِ الْاَیْهَةِ الرَّحِيْمَةِ۔ یعنی تمہارا انکار کیا خدا ہے کوئی اُس کے سوا معبود نہیں۔ وہ بندوں پر مہربان اور مومنوں پر مہربان بخشائش کرنے والا ہے ۔

اَوْفَرِّمْنَا اِنْ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اَخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ الْفُلْکِ الْکَبْرِیِّ حَیْثُ فِی الْبَحْرِ یَحَايِدُ مَعْمُ النَّاسِ وَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَآخِیَا بِرِ الْاَرْضِ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَقِیَّ فِیْهَا مِنْ کُلِّ ذَاتٍ حَیَّةٍ وَ تَحْصِرُ لِفِ الْبَیْضِ وَ السَّحَابِ الْمُسْتَشْرِیْنَ اَنْتَ اَنْزَلَ الْاَرْضِ الْاَیَّاتِ لِقَوْمٍ یَّحْقِلُوْنَ ۔ ترجمہ۔ بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات و دن کی آمد و رفت میں (یا درازی و کوتاہی میں) اور کشتی کے جاری کرنے میں جو دریا میں لوگوں کے فائدے کے لئے چلتی ہے۔ اور آسمان سے پانی برساتنے میں کہ اُس سے زمین کو بعد اس کی موت کے زندہ کیا۔ اور زمین میں ہر قسم کے حیوانات کو پیدا کیا۔ اور ہواؤں کے پھرنے میں! ایک بہت سے دوسری طرف) اور بالوں میں جو زمین اور

آسمان کے درمیان گھرا ہوا ہے۔ البتہ نشانیوں میں عقل مند لوگوں کے لئے۔ یہ تمام باتیں اللہ کے وجود اور اُس کی قدرت اور بگائیت پر مبراہین قاطعہ ہیں۔

اس آیت میں اشارہ ہے اس طرف کہ اگر میری قدرت اور بگائیت اور بلا شرکت غیر میری خدائی پر یقین نہیں لاتے ہو تو ان باتوں میں جو اس آیت میں مذکور ہیں۔ اندیشہ کرو تا کہ معلوم کرو کہ میری خدائی اور بگائیت میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور حقیقت میں جب اہل بصیرت آسمانوں اور اجرام فلکی پر نظر کرتے ہیں کہ ستاروں میں بعض ثابت ہیں۔ بعض سیار اور بارہ بروج ہیں۔ اور سات سیارے کہ ہر ایک ایک فلک معین اور سیر اور وقت معین کا پابند ہے کہ ایک ذرہ اُس میں کمی بیشی ممکن نہیں۔ اور جو حد جس کے لئے مقرر کر دی ہے۔ وہ اُس سے سرمو تجاوز نہیں کر سکتا۔ تو اُس کو صدق دل سے خدائے واحد و یگانہ کے وجود کے اعتراف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب آفتاب ماہتاب کو دیکھتے ہیں کہ روشنی اور نور و جہت میں بمقابلہ دوسرے سیاروں کے ان کو امتیاز و خصوصیت ہے۔ پھر آفتاب کی جانب نظر کرتے ہیں کہ وہ جب تک زمین کے اوپر ہے۔ دن اور جب زمین کے نیچے آیا۔ رات ہوئی۔ پھر آفتاب ہی کی سیر سے سال کی فصلوں کو متعلق دیکھتے ہیں کہ ہر فصل کو حیوانات کی معاش کی مصلحت اور بنا پر اس طرح رکھا ہے کہ اُن کے مزاج بیکار نہ ہو جائیں۔ تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تمام مصنوعات بدوں قدرت و اختیار صانع کے نہیں ہو سکتی۔ اور ممکن نہیں کہ تدبیر عالم ستاروں سے متعلق ہو۔ اُن کی حرکت خود اُن کے اختیار میں نہیں۔ پھر غیر مختار اور محتاج کس طرح دوسرے پر حاکم ہو سکتا ہے۔ اگر ان کو کچھ اختیار ہے بھی تو خدا تعالیٰ کی قدرت کے ماتحت ہے۔

پس اس سے انہیں خدا کے واجب الوجود ہونے پر پورا یقین ہوتا ہے۔ اُن کے غیر مستقل اور محتاج برصانع عالم ہونے کی ایک بڑی دلیل

طریقہ توحید حق تعالیٰ

یہ ہے کہ جب ہم ستاروں کے حال اور ان کے امارات النجیر پر نظر کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ جب ان کی سیسرتیم ہر جاتی ہے تو دوسرے کی طرف رات نہیں ہو سکتے اور اگر راجح ہیں تو ان کا اپنے اختیار سے ستیم ہونا ممکن نہیں آسمان کو دیکھو کہ وہ ہمیشہ حرکت میں ہے۔ اس کا ساکن ہونا غیر ممکن ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان میں کا ہر ایک محدث مسخر مدبر اور مخلوق ہے۔ بے آفرید کار کے نہیں ہو سکتا ۔

آسمان کے نیچے ابر کو دیکھو پانی سے پھرا ہوا ہے۔ ہوائیں اُس کو چلاتی پھرتی ہیں۔ کبھی اُس کو جمع کرتی ہیں۔ کبھی پراگندہ اُس سے جو پانی برستا ہے۔ وہ آدمیوں اور حیوانوں کا مدار حیات ہے۔ اسی سے مردہ بین زندہ ہوتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جھڑی اور موسلا دھار بارش ہوتی ہے۔ کبھی قطرہ قطرہ ٹپکتا ہے۔ کبھی عالمگیر بارش ہوتی ہے۔ اور کسی وقت ایک جگہ برستا ہے۔ دوسری جگہ نام کو بارش نہیں ہوتی ہے۔ ہواؤں کو دیکھتے ہیں تو ان کی حرکت و رفتار کو کبھی نیز اور مضطربانی پاتے ہیں۔ کبھی غایت درجہ سکون اور آہستگی میں۔ کبھی شمال کی طرف چلتی ہے۔ کبھی جنوب کی طرف سے کبھی مشرق سے کبھی مغرب سے یہ چیزیں ان کے انقلاب تغیر حالات سے

۱۔ دافع ہو کہ حنف علیہ الرحمۃ نے حکمای یونانیین یا یوں سمجھو کہ نظام بطلموس کے معتقدات کے مطابق آسمان میں اور اجرام فلکی کی کیفیت بیان کی ہے۔ ان کے نزدیک آسمان ایک مخصوص جسم دار جو مانا گیا ہے۔ اور اُس کی گردش بھی تسلیم کی گئی ہے۔ وہ زمین کو ساکن اور چپٹی صورت کا مانتے ہیں اور آفتاب کو متحرک۔ اسی طرح دوسرے ثابت اور سیاروں کے متعلق سمجھنا چاہئے۔ چونکہ اُس زمانہ میں اور نیز اس وقت بھی بعض علماء علوم مشرقیہ اسی طرح مانتے آئے ہیں۔ لہذا ان کے رد و رد ایسے ہی دلائل پیش کی گئے۔ اور مباحثہ اور استدلال کا یہی طریقہ پسندیدہ اور مسلم بھی ہے۔ راجح نظام فیثا غورث کے بنا پر خالق عالم کی معرفت کا طریق تو وہ تمام تر موجودہ زمانہ کی تصانیف میں موجود ہے۔ اور ہم نے بھی طریقہ ایک سلسلہ زمانہ حال کے مطابق دوسری جگہ سلسلہ میں اس کو بطور شرح ساتھ بیان کر دیا ہے۔ دیکھو عصفیہ تکملہ کتاب ہذا ۱۲ منہ ۔

معلوم ہوتا ہے کہ) بذاتہ کوئی اختیار نہیں رکھتیں۔ اُن کا دم بدم ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھرنا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ تمام مدبر صانع عالم اور قادر حکیم کی تدبیر کے تابع ہیں۔ کہ وہ اپنی حکمت کے مطابق اس میں تصرف کرتا ہے۔

زمین کو دیکھتے ہیں کہ اُس کا کچھ حصہ سخت کچھ نرم بعض کے اجزا متصل ہیں بعض کے منفصل کہیں نشیدبیم کہیں بلند۔ ایک حصہ قابل زراعت ہے تو دوسرا خشک اور شور۔ اُس کے الوان رنگ بھی مختلف ہیں۔ اور اُس کے معادن و نباتات اور ثمرات بھی جدا جدا حتیٰ کہ بعض درختوں میں خیا صیتبیم کہ اُن کی ایک ہی شاخ پر دو قسم کے مختلف مزہ اور مختلف الوان میوہ جات پائے جاتے ہیں۔ اور عجب یہ کہ ایک چھوٹی سی گھاس کی ڈالی کو اٹھاتے ہیں۔ اور اُس میں مایا درد اور مایا درماں دونوں پائے ہیں۔ پھر یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کا ایک حصہ عایت درجہ بار دوسرے اور ایک حصہ نہایت حار و گرم پایا جاتا ہے۔ اور یہ ٹھیک نہیں کہ ان باتوں کو ہوا کی خاصیت کی جانب نسبت کیا جائے۔ کیونکہ ایک ہی درخت پر ایک شاخ ہوتی ہے۔ ایک ہی قسم کی آب ہوا میں پرورش پائی ہوئی۔ آفتاب کی تپش بھی یکساں اس پر پرتی ہے۔ مگر ثمر دیکھو تو مختلف رنگ اور مختلف مزہ کا ناچار ماننا پڑیگا۔ کہ اس عجب کے ساتھ کوئی صنعت بدول قدرت صانع کے جو قادر حکیم ہے۔ ظہور میں نہیں آ سکتی۔

چنانچہ قرآن میں بھی خدا تعالیٰ نے اس بات کو یاد فرمایا ہے وَفِي الْآرَمِ نَّطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَزُرُوعٌ وَخَيْلٌ مُّسَوَّيَاتٌ وَعُورٌ مُّسَوَّوَانٌ يُّسْفَىٰ بِمَاءٍ ذَّاكِرٍ وَفَضِّلٌ بَعْضُهُمَا عَلَىٰ بَعْضٍ

۱۔ اور زمین میں پاس پاس کئی کئی قطعے ہیں۔ اور انگوروں کے باغ اور عینی اور کھجوروں کے درخت (جن میں بعض) دو شاخ ہوئے ہیں۔ اور (بعض) دو شاخ نہیں (ہوئے) ہیں۔ ایک ہی پانی سے شاداب کئے جاتے ہیں۔ پھر بھی ہم بعض کو بعض پر پھلوں میں برتری دیتے ہیں بے شک ان باتوں میں عقلمند لوگوں کے لئے خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ ۱۲۔

فِي الْأَكْلِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ط اگر آدمی اپنے ہی
 نفس میں اندیشہ کرے جس کا علم اس کو بہ نسبت دیگر شیا کے زیادہ ہے
 اور جو بقابلہ دوسری چیزوں کے اُس سے قریب تر ہے۔ تو وہ ان
 دلائل سے زیادہ صاف اور روشن تر بہت سی دلیلیں اپنی ذات میں پائیگا
 اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس جانب اشارہ فرمایا ہے۔ وَفِي الْأَكْلِ
 آيَاتٍ لِّلْمُتَّقِينَ۔ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ۔ چنانچہ
 انسان ابتداء خلق میں شکم مادر میں ایک نطفہ تھا۔ پھر نطفہ سے
 منجمد خون ہوا۔ اُس کے بعد لوفظ ابنا۔ پھر استخوان۔ پھر ہڈیوں پر گوشت
 و پوست چڑھایا گیا۔ اور خدا نے اُس کی صورت و ہیئت کو حکمت کے
 مطابق پر بنایا۔ پھر اُس میں جان ڈالی۔ اتنا ہی معلوم کرنے سے انسان اچھی
 طرح سمجھ جائے گا۔ کہ نقصان کی حالت سے کمال عقل کی جانب اُس کا
 انتقال اس کی تدبیر و اختیار سے نہیں تھا۔ اس واسطے کہ جب انسان حال
 نقص میں حد بلوغ کو پہنچتا ہے۔ تو یہ اختیار نہیں رکھتا کہ موجودہ خلقی نقص
 کو دور کر سکے۔ جس کی پیدائش میں نقصان ہے۔ اسی نقصان پر رہتا ہے
 اور جس کی خلقت میں زیادتی ہو۔ وہ اسی زیادتی کی حالت میں آخر عمر تک
 رہتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ انسان کا صنف غایت کمال میں ہے۔ اور
 وہ اپنے اختیار سے اپنی خلقت میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔ اسی کا نام
 بے اختیاری ہے۔ اُس سے اتنا تو ہو نہیں سکتا کہ اپنی پیری کو جوانی اور
 موت کو زندگانی سے بدل سکے۔ اگر اُس کے اختیار میں ہوتا تو بڑا بچہ
 اور موت کو کبھی نہیں آنے دیتا۔ کیونکہ یہ چیزیں انسان کو بالطبع ناپسند
 ہیں۔ اس سے ثابت ہے کہ خدا ہی اس کو جوان کرتا ہے وہی بڑھا پا
 لاتا وہی مارتا ہے۔ اسی کے اختیار میں بقا و فنا ہے۔ اسی کا ارادہ و
 اختیار سب کے ارادات و اختیار پر غالب ہے۔

۱۵ اور زمین میں تعین کرنے والوں کے لئے (خدا کی وحدانیت کی) نشانیاں ہیں۔ اور (نیز) نہایت
 (انسان) ذاتوں میں تو تم دیکھتے کیوں نہیں ۱۲ منہ

ایک ادربات قابل غور ہے وہ یہ کہ انسان کی طبیعت کی تدبیر اختیار سے نہیں ہے۔ کیونکہ وہ قوت جس سے نطفہ قابل غذا اور تربیت کئے ہوتا ہے چار چیزوں سے مرکب ہے۔ جو باہم ضد یکدیگر ہیں۔ حرارت، برودت، رطوبت، ایویسرت اور یہی طبائع عناصر اربعہ آگ، پانی، خاک اور ہوا میں موجود ہیں۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اعتدال بغیر کسی جامع قاهر کے جمع ہو سکیں۔ اگر ایسا ہو سکتا۔ تو آگ و پانی کا ایک جگہ اجتماع ممکن ہوتا۔ حالانکہ یہ ممکن نہیں کہ وہ بے تدبیر کسی مدبر کے مجتمع ہو سکیں۔

پس ظاہر ہوا کہ وہ اثرات جو طبیعت کی جانب سے بدن اور حیوانا اور دیگر اشیا میں پائے جاتے ہیں۔ وہ ایک نبردست مدبر صانع قہار کی تدبیر کے ماتحت ہیں۔

نیز ہم دیکھتے ہیں کہ طبائع کا اثر متفاوت ہے۔ کبھی ایک طبیعت دوسری پر غالب بھی ہو جاتی ہے۔ اس سے بھی ثابت ہے کہ یہ تدبیر ایک بڑے قادر قہار کی ہے۔ عالم کے مخلوق و آفریدہ ہونے اور اس کے بے خالق و آفریدگار نہ ہونے پر یہ دلائل ہیں۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ عالم کی طرح خالق و آفریدگار کا مخلوق و حادث ہونا درست نہیں۔ کیونکہ آفریدہ آفریدگار اور مخلوق خالق اور حادث قدیم نہیں سکتا۔

تیسری فصل

خالق عالم کے قدیم و بے ہمتا ہونیکے ثبوت

جب یہ ثابت ہو گیا کہ عالم مخلوق و حادث ہے۔ اسی سے یہ بھی روشن ہو گیا کہ آفریدگار عالم قدیم مطلق ہے۔ اور قدیم کی دو قسمیں

ہیں۔ مقید و مطلق۔ مثلاً جب ہم کہیں کہ بنیاد کعبہ قدیم ہے۔ تو اس کے یہ
معنی ہونگے کہ اُس کی بنیاد دوسری مساجد کی نسبت متقدم ہے۔ اس کے
یعنی نہیں کہ اس کی بنیاد آفرینش زمین سے بھی پہلے ہے۔ اس کو قدیم
مقید کہتے ہیں۔ اور قدیم مطلق وہ ہے جس کے وجود کی ابتدا نہ ہو۔ اس کو
اپنی قدامت کے اعتبار سے تمام موجودات پر پیشی اور سبقت حاصل
ہو۔ اس لئے آفریدگار عالم کی ابتدا نہیں ہو سکتی۔ اس دلیل سے کہ وہ
چیز جس کو آغاز آمد ابتدا ہے۔ اوّل وہ عام تھی۔ اس کو حادث کہتے ہیں
اور حادث کے لئے سبب کی ضرورت ہے۔ اور پھر سبب کے لئے بھی
ایک دوسرے سبب ہونا ضرور ہے۔ اور اُس دوسرے سبب میں بھی یہی
عدت ہونا ضرور ہے۔ حتیٰ کہ یہ سلسلہ لا متناہی ہو جائیگا۔ اور یہ محال
ہے۔

دوسری دلیل یہ کہ جب معلوم ہو گیا کہ عالم آفریدہ ہے اور آفریدگی
کے نشانات اس میں ظاہر تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آفریدگار عالم قدیم ہے
کیونکہ غیر قدیم شے نقصان سے خالی نہیں۔ اور ہر ایسی چیز جس میں نقصان ہو
کمال قدرت کو اسی کی جانب مضاف نہیں کرتے۔ اس لئے کہ اگر وہ اپنی
ذات میں کمال قدرت رکھتی ہو تو خود ناقص نہ ہوتی۔ اور آفرینش عالم میں
بست ہی ایسی روشن دلیلیں موجود ہیں۔ جن سے آفریدگار عالم کے قادر با
کمال ہونے کا پتہ ملتا ہے۔ اور قادر با کمال اُس کو کہتے ہیں جس کی ذات
نقصان سے منزہ ہو۔ اور جو قدیم نہیں۔ اس کی ذات نقصان سے بھٹی
نہیں تو ثابت ہوا کہ آفریدگار عالم قدیم ہے۔ اور نقصان سے منزہ۔
یہ بھی یاد رکھو کہ ذات قدیم پر فنا کا عمل جاری نہیں ہوتا۔ کیونکہ فنا
اُس کو ہوتی ہے جس کا وجود سبب کا محتاج ہو۔ پھر جب وہ سبب اٹھ جائے
تو وہ فانی ہو جائے جب یہ ثابت ہو گیا کہ وجود قدیم سبب کا محتاج نہیں
ہوتا۔ اور اُس پر زوال۔ فنا کا حکم جاری نہیں ہو سکتا۔ تو یہ بھی روشن ہوا
کہ وہ قدیم ایک ہے۔ کیونکہ وہ دو قدیم کا ہونا جائز نہیں۔ اس لئے کہ جب

ایک قدیم کو مانا پہلے مانا جائے۔ نو دوسرا قدیم نہیں ہوگا۔ اور دو ذات کا باہم قدیم ہونا بھی ناجائز ہے۔ کیونکہ سوا ایک ذات کے قدیم مطلق ہو نہیں سکتا۔ ورنہ اس سے ہر ایک میں قدرت کمال ماننا پڑیگی۔ اور یہ محال ہے۔ یا دونوں قدرت کاملہ میں ناقص ہونگے۔ یعنی دونوں میں قدرت کمال نہ ہوگی۔ اور دونوں کا اختیار و تصرف ناتمام ہوگا۔ جو علامت ہے ضعف و عجز کی۔ اور یہ دونوں صفات مخلوق ہیں۔ نہ صفات خالق۔ پس یہ مسئلہ محال ہو گیا کہ آفریدگار عالم قدیم واحد اور قادر با کمال ہے۔ آفریدگار عالم کے قدیم واحد اور بے شریک ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ نظام عالم اپنے ابتدا سے ایک ہی طریقہ پر چلا آتا ہے۔ اس میں آج تک ہیر پھیر نہیں ہوا۔ نہ اُس میں کوئی اختلاف پایا گیا۔ اگر آفریدگار عالم واحد و قدیم کے سوا کچھ تصرف دوسرے کے قبضہ میں بھی ہوتا۔ تو زمین و آسمان تباہ ہو جاتے۔ اور مقررہ ترتیب تبدیل جاتی۔ قرآن شریف میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا

چوتھی فصل

اثبات صفات باری تعالیٰ کے بیان میں

جب ثبوت ہو گیا کہ عالم آفریدہ ہے۔ اور اس کا ایک آفریدگار ہے۔ اسی سے یہ بھی سمجھا گیا کہ آفریدگار عالم زندہ ہے۔ دانا توانا اور حکیم ہے۔ اس لئے کہ کسی صنعت کا محکم پرندہ اور مشینوٹ پایا جانا ذات حی سے ہی ہو سکتا ہے۔ پھر صانع کی صنعت اُسی صورت میں درست ہوتی ہے کہ وجود و صنعت سے پہلے صانع اُس کی وضع کا عالم ہو۔ اور اس پر قادر اور نیز حکیم ہو۔ وہ جو کچھ کرے اپنے اختیار و ارادہ سے کرے

اور جب یہ روشن ہو گیا کہ آخر یہ گار عالم قدیم ہے۔ اسی سے اُس کی صفات کا قدیم ہوتا سمجھا گیا۔ اس لئے کہ ذات قدیم کی صفات محدث نہیں ہوتیں اور صفات محدث کو کسی نوع اُس سے مشابہت نہیں۔ کیونکہ صفات محدث کو اُس کی ذات سے متعلق کر دینے سے خود اُس کی صفات کا محدث لازم آتا ہے۔ تَعَالٰی اللہ عَنْ صِفَاتِ الْحُدُوثِ ۞

اور حق تعالیٰ ہی مطلق ہے۔ اور اُس کی حیات مثل حیات خلق کے نہیں کہ اس کے لئے سبب کی اور نیز ابتداء و انتہا کی ضرورت ہو بلکہ خدا تعالیٰ اول بلا ابتدا اور آخر بلا انتہا ہے۔ نیز وہ قادر مطلق ہے کوئی امر اُس پر دشوار نہیں۔ اس کی قدرت پورے کمال پر ہے۔ اسی طرح اس کی دوسری صفات ہیں۔ اثبات صفات میں جو بیان ہوا یہی منکرین صفات پر حجت ہے۔ یہ وہ ہیں۔ ایک فلاسفہ۔ دوسرے معتزلہ۔ پہلا کہ وہ خدا کی صفات کا قائل نہیں۔ وہ کہتا ہے۔ خدا ایک ہے اور صفات سے تکثر لازم آتا ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھے کہ خدا کا بے حیوۃ بے علم بے قدرت و اختیار وغیرہ کے ہونا ممکن نہیں۔ اُن کے دعویٰ سے ہی ان پر ایک اور حجت بھی ہے۔ یہ کہ فلاسفہ خدا کو صانع اور حکیم کہتے ہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ ۞

اور نیز اس امر کے قائل ہیں کہ اُس سے کوئی چیز منقطع نہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک صفت دوسری صفت کے غیر ہے۔ پس فلاسفہ کا یہ شبہ محض باطل ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے لئے جس قدرت و کمالات کے وہ قائل ہیں۔ انہیں کے ہم بھی معترف ہیں۔ اور جس طرح وہ مذکور بالا منقضا سے خدا کو موصوف کرتے ہیں۔ انہیں صفات کو قائم رکھتے ہوئے ہم بھی خدا تعالیٰ کو دوسری صفات مثل بصیر و سمیع و متکلم وغیرہ سے موصوف کرتے ہیں۔ پھر جس طرح ہماری بیان کردہ صفات سے اُن کے خیال میں تکثر لازم آتا ہے۔ ٹھیک اسی طور پر اُن کے بیان و مفسر صفات لازم آتا ہے۔ ۞

معتزلہ خدائے تعالیٰ کی ایک نشان بیان کر کے پھر اُس کی نفی کرتے کرتے ہیں۔ اسی طرح دوسری صفات کی مثلاً وہ خدا کو جی کہتے ہیں۔ پھر اُس سے نفی حیات کرتے ہیں۔ اور مثلاً خدا کو علیم کہتے ہیں۔ پھر اُس سے نفی علم کرتے ہیں۔ اہل اسنت وجماعت کا مذہب یہ ہے کہ وہ خدا کی بابت کہتے ہیں کہ وہ عالم ہے۔ بعلم جی ہے۔ حیوۃ قادر ہے بقدرت سمیع ہے سمیع۔ بصیر ہے بصیر۔ اور متکلم ہے بکلام۔ ایسا ہی دوسری صفات میں اور جو فلاسفہ پر حجت ہے وہی معتزلہ پر حجت ہے۔ اس لئے کہ یہ بھی فلاسفہ کے شبہ میں گمراہ ہیں۔ اور یہ بھی قرآن سے خارج باتیں قبول کرتے ہیں۔ نیز ان پر حجت ہیں۔ وہ آیات جن میں خدا تعالیٰ نے صفات اضافی بالخصوص صفات ذاتی کو اپنی جانب اضافت کیلئے چنانچہ وہ آیات یہ ہیں۔ وَلَا يَحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ یعنی لوگ اُس کے علم سے کسی شے کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ مگر وہ جس چیز کا چاہتا ہے احاطہ کر لیتا ہے۔ اُس کا علم آسمانوں اور زمین میں پھیل گیا ہے۔ اسی طرح انزلہ بعلمہ۔ انما انزل بعلم اللہ۔ ذوالقوة المتین۔ اولم یروا ان اللہ الذی خلقہم ذوالفضل العظیم۔ ذوالجلال والاکرام۔ وغیرہ یہ تمام آیات خدا تعالیٰ کی صفات پر دلالت کرتی ہیں۔ جو شخص مسلمان ہے۔ اور آیات قرآنی کا معتقد اُس کے لئے اثبات و صفات میں مذکورہ آیات کافی ہیں۔ واللہ منقذ

عَنِ الضَّلٰلِ ۝

پانچویں فصل

باری تعالیٰ کے سہما و صفات کی معرفت میں

خدا تعالیٰ کے اسماء ہیں اور صفات۔ اور جس طرح اُس کی ذات قدیم ازلی ابدی ہے۔ اُس کے سہما و صفات بھی ایسے ہی نہیں۔ لہذا کوئی شخص اُس کے کسی نام اور کسی صفت کو اپنی تعریف و الفاظ میں بیان نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ بات محدث کی وسعت سے باہر ہے کہ وہ قدیم کا وصف اپنی جان سے بیان کر سکے یا اُس کا نام رکھ سکے۔ اللہ تعالیٰ اپنی صفات سے موصوف اور اپنے سہما سے موصوم ہے۔ اسے مخلوق کی صفت کرنے اور نام رکھنے کی کوئی پروا نہیں۔ بندوں کا اپنے خالق کی صفت کرنا۔ مثل عالم قادر اور متکلم وغیرہ سے حکایت کرنا ہے۔ ان صفات کی جو اس کی ذات کے قائم ہیں یعنی اُس سے دور نہیں ہوتیں اور نہ دو سکے کے نشانیاں ہیں۔ صاف لفظوں میں یوں سمجھو کہ جب ہم خدا کی صفت مثلاً علم کے ساتھ کرتے ہیں تو علم اُس سے الگ نہ ہونا چاہئے۔ مخلوق علم کے ساتھ اُس کا وصف کرے یا نہیں۔ اور ان کا جواب جو کہتے ہیں کہ اس کی صفت نصف کریمالوں کے ساتھ قائم ہے یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اُس کی صفت قدیم ہو۔ محدث ہونا روا نہیں۔ پھر محدث کے ساتھ جو قائم ہوتا ہے۔ تو وہ محدث ہوتا ہے۔ پس تمہارے قول سے صفت کا محدث ہونا لازم آتا ہے۔ اور ممکن نہیں تو ثابت ہوا کہ اُس کی صفت اُسی کے ذات کے ساتھ قائم ہے۔

ایک بات یہ ہے کہ اہل شرک خداے عزوجل کو ایسی صفات سے یاد کرتے ہیں کہ جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ پس اگر ہم بقول تمہارے اُس کو واصف کے وصف کرنے سے موصوف سمجھیں۔ تو ان نامتراصفیوں سے جو مشرکین کرتے ہیں۔ اُس کا موصوف ہونا بجا سمجھا جائے۔ حالانکہ خدا کی

ذات اس سے نہایت اعلیٰ وارفع ہے ۛ

الغرض جب یہ معلوم ہو گیا کہ خدا تعالیٰ موصوف بصفات خویش اور
مسمیٰ بنام خویش ہے نہ موصوف بوصف واصف و موصوم بتسمیہ خالق۔ تو
اس سے یہ بھی سمجھا گیا کہ اُس کی صفت و سہما کے معلوم کرنے کا طریقہ
سوا اُس کی کتاب کے کوئی نہیں ہے۔ اُس نے اپنی اس مقدس کتاب میں اپنی
ذات و صفات کے لئے جو سہما و صفات مقرر و مبین کئے ہیں انہیں
اسما و صفات سے اس کو یاد کرنا واجب ہے۔ نہ غیر اُس کے سے یا اُن
اسما و صفات سے جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی
بطور دست ہم تک پہنچے ہیں۔ اور اس صورت میں غدا اس شخص کا جو اس کو
قبول نہ کرے منقطع ہو گیا۔ اس لئے کہ خلق کا اس میں تصرف کرنا غیر
مقبول ہے۔

اور کوئی شخص اپنی عقل و دانش کے ذریعہ خدا تعالیٰ کے ناموں اور
صفتوں میں تصرف باتغیر و تبدل نہیں کر سکتا ۛ

نقشہ نمونہ نام باری تعالیٰ منقول از اجہاد مؤلفہ
مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی

ترجمہ اردو	اسماء عربی	کیفیت
۱	اللہ	خدا معبود
۲	الرحمن	اگرچہ لفظ اللہ میں صفتی معنی موجود ہیں اور اس اعتبار سے اس کو بھی اسمائے صفاتی میں ہونا چاہئے۔ مگر سب سے اجماع کر کے اس کو اسم ذات قرار دیا ہے ۛ
۳	الرحیم	دونوں مبالغہ کے وزن ہیں۔ مگر رحمن ابلغ ہے کیونکہ دنیا اور آخرت دونوں کی رحمت شامل در خدا کی مقدس ذات کے ساتھ مخصوص ہے ۛ

ترجمہ	اسماء عربی	ترجمہ اردو	کیفیت
۴	بَدِشَہ	بادشاہ	ملک - اخص اور بالغ ہے۔ انکے یعنی دونوں میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ یہی چہ ہے کہ کہ ملک کو مالک تو کہہ سکتے ہیں۔ مگر ہر مالک کو ملک نہیں کہہ سکتے۔
۵	اَلْقُدُّسُ	تَمَامُ عَلَیُّہِ پَک	یہ اصل میں مصدق ہے۔ بمعنی سلامت مگر بیاں سالم کے معنی میں ہے یعنی وہ جس کی ذات ہر طرح کے عیب اور نقصان سے سالم اور محفوظ ہے۔
۶	اَلْعَزِیزُ	تَمَامُ نَفَضَاتَا سے محفوظ	یہ اصل میں مصدق ہے۔ بمعنی سلامت مگر بیاں سالم کے معنی میں ہے یعنی وہ جس کی ذات ہر طرح کے عیب اور نقصان سے سالم اور محفوظ ہے۔
۷	اَلْمُؤْمِنُ	اپنے وعدے میں سچا۔ یا اپنے عذاب سے امن دینے والا	لفظ مومن کا اخذ امن یا ایمان ہے۔ اگر امن ایمان ہے۔ تو مومن کے معنی ہوئے۔ امن دینے والا یعنی دنیا میں سبب امن کا مہیا کرنے والا یا عقیقی میں نیکو کاروں کو عذاب سے امن دینے والا اگر ماخذ ایمان ہے تو مومن کے معنی ہوئے۔ مصدق یعنی ایمان داروں کے ایمان کو یاد کرنے والا۔
۸	اَلْمُہِیْمُنُ	بَہیمان یا گواہ	المہیمن کا لفظ وہی المومن ہے۔ المومن باب افعال سے ہے۔ اور المہیمن باب مفاعلہ سے تو المہیمن اس میں المومن تھا۔ دو سر ہمزہ میں قاعدہ تعلق جاری کر کے اے ی سے بدل لیا۔ اور پہلے ہمزے کو ی سے معنًا المومن المہیمن ایک ہیں۔
۹	اَلْقَوِیُّ	غالب قوی یا ہر	اصل میں عسکریز سے کہتے ہیں جس کی بارگاہ میں بآسانی پہنچنا ممکن نہ ہو۔

ترجمہ	اسماعیلی	ترجمہ اردو	کیفیت
۱۰	الْبَارِئُ	بزرگوار والد	بجائے مبالغہ کا صیغہ ہے جب سے مشتق اور جب سے اسی معنی ہیں ٹوٹے ہوئے کو جوڑنا اور کسی کے حال کی اصلاح کرنا اور کسی کو زور غالب سے کسی کام پر آمادہ کرنا پہلی صورت میں ایک ہی جماعتی ہوگی اور دوسری صورت میں جلالی
۱۱	الْمُتَكَبِّرُ	عظمت و بزرگی والا	تکبر اور استکبار کہتے ہیں۔ گردن کشی کرنے اور بزرگی ظاہر کرنے کو۔ اور ایک لفظ ہے کبریا جس کے معنی ہیں بزرگی یہاں متکبر سے مراد ہے کمال بزرگی والا
۱۲	الْخَالِقُ	ہر چیز کا پیدا کرنے والا	خالق اور باری اور مصور تینوں مترادف المعنی ہیں یعنی تینوں کے معنی ہیں پیدا کرنا۔ اختراع کرنا مگر باغیہ استعمال ہر ایک کے ساتھ ایک خصوصیت پیدا کرنے ہے مثلاً خلق مستعمل ہوتا ہے کسی چیز کو وجود میں لانے سے پیشتر اُس کے اندازہ کرنے میں اور بڑا ایجاد کرنے میں اور تصویر صورت بنانے اور ہیئت بنانے میں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جو چیز عدم سے وجود میں آتی ہے وہ محتاج ہوتی ہے اولاً اندازہ کرنے کی ثانیاً پیدا کرنے کی ثالثاً صورت بنانے کی
۱۳	الْبَارِئُ	ہر چیز کا مجدد	
۱۴	الْمُصَوِّرُ	مخلوقات کی طرح طرح کی صورتیں بنانے والا	
۱۵	الْعَفَّارُ	بزرگوار والد	مبالغہ ہے غفار کا اور ایک سے غفور یہ یعنی مبالغہ کا صیغہ ہے لیکن اس میں غفار کی بہ نسبت مبالغہ زیادہ ہے اسی وجہ دونوں کو الگ الگ ذکر کیا گیا غفار کیا گیا ہے غفران اور مغفرت سے جس کے معنی ہیں بخشنا مگر کبھی غفر بمعنی ستر بھی آتا ہے اس وقت

ترجمہ اردو	اسماعیلی	نمبر
کیفیت		
اس کے معنی ہونگے گناہوں کا چھپانے والا *		
زیر دست یا غلبہ رہنے والا	۱۶	
بخشش عطا کرنے والا	۱۷	
وہ ب اور مہا کہتے ہیں بخشنے اور عطا کرنے کو مہیت بخشش۔ وہ اب مبالغہ ہے یعنی کثیر البہا والعطا *		
یہ بھی رازق کا مبالغہ ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ تمام مخلوق کو مناسب حال اور موافق حکمت بنی پنپنا ہے۔ رزق کی دو قسمیں ہیں۔ مخصوص اور معقول۔ مخصوص ابدان کے لئے اور معقول ارواح کے واسطے *	۱۸	
فتح کے معنی کھولنے اور حکم کرنے کے ہیں یعنی خدا تعالیٰ اپنی مخلوق پر رحمت کے دروازے کھولتا ہے اور وہ خلافت میں حاکم علی الاطلاق ہے *	۱۹	
مبالغہ ہے عالم کا یعنی خدا کے تعالیٰ ظاہر و پوشیدہ بلکہ خدات دل تک جانتا ہے *	۲۰	
قبض و بسط دونوں باہم ضد یکٹے مگر ہیں قبض کہتے ہیں تنگی و گرفتگی کو۔ اور بسط فراخی و کشائش کو یعنی خدا جس کی روزی چاہتا ہے تنگ کرتا ہے اور جس کی چاہتا ہے فراخ کرتا ہے *	۲۱	
قبض و بسط کے معنی بھی ہیں کہ سونے میں لوگوں کی رو میں قبض کرتا ہے۔ اور بیداری کے وقت بسط کرتا ہے *	۲۲	

ترجمہ اردو	اسماء عربی	تہنیک
کیفیت		
خفص ضد ہے رفع کی۔ کیونکہ خفص کہتے ہیں پست کرنے کو اور رفع بلند کرنے کو خدا کے خافض و رافع ہونے کے معنی ہیں کہ وہ اپنے فرمانبرداروں کو قرب کی دولت عطا فرما کر انہیں بلند کرنا اور فرمانبرداروں کو بارگاہ عالی سے دور کر کے پستی میں اتارتا ہے۔	الْخَافِضُ	۲۳
اعزاز کہتے ہیں عزت کرنے کو اور اذلال خوار و ذلیل کرنے کو۔ خدا جس کو چاہتا ہے عزیز کرتا دنیا میں توفیق طاعت دیکر اور عقیقی میں علوم مرتبت اور نعیم جنت عطا فرما کر اور جسے چاہتا ذلیل کرتا دنیا میں توفیق طاعت سلب کر کے اور آخرت میں اسفل السافلین میں اخل کر کے۔ امام غزالی کا قول ہے کہ ان لفظوں کے معنی یہ ہیں کہ خدا جسے چاہتا ملک دیتا اور جس سے چاہتا چھین لیتا ہے۔	الرَّافِعُ	۲۴
	السَّامِعُ	۲۵
	الْبَصِيرُ	۲۶
	الْحَكَمُ	۲۷
	الْمُنْصِفُ	۲۸
	الْبَصِيرُ	۲۹
	الْحَكَمُ	۳۰
یہ ضد ہے ظلم کی اور کبھی استقامت اور عدال کو ایک جہ کی کے برابر کرنے کے معنی میں آتا ہے مطلب یہ ہے کہ خدا جو ظلم سے منزه ہے کیونکہ ملک غیر میں تصرف کرنے کو ظلم کہتے ہیں۔ اور عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی ملک سے خارج ہو۔	الْمُنْصِفُ	۳۱

ترجمہ	اسماء عربی	ترجمہ اردو	کیفیت
۳۱	بَارِكٌ	باریک ہیں	لطف کہتے ہیں کسی کام میں نرمی کرنے کو۔ اور کبھی نیکی کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے لطیف کے معنی باریک بین کے ہیں ۔
۳۲	الْعَالَمِ	آگاہ۔ دانا۔ عالم۔ عارف	مشفق ہے جس کے اندر خیر کے معنی ہیں آگاہی کے خیر آگاہ اور دانا یعنی ملک ملکوت میں کوئی چیز نہ متحرک ساکن نہیں ہوتی۔ اندر زمین آسمان میں کوئی ذرہ مضطرب مطمئن نہیں ہوتا۔ اور کوئی مکان میں کوئی سانس نہیں لیتا مگر خدا تعالیٰ شائد اس سے خبردار ہوتا ہے ۔
۳۳	الْقَدِيرُ	بردار	حکم اور آہستگی اور بردباری حلیم اسے کہتے ہیں۔ جو مغلوب الغضب ہو اور انتقام لینے میں جلدی نہ کرے بلکہ باوجود اقتدار کے عفو و گذر سے کام لے۔ خدا کو حلیم اس لئے کہتے ہیں کہ وہ گناہگار بندوں کی تادیب تعذیب میں جلدی نہیں کرتا ۔
۳۴	الْعَظِيمُ	بزرگ بڑا	عظم و عظمت بزرگ ہونا خواہ سی اعتبار سے بھی ہو ۔
۳۵	الْعَفْوُ	بخشش	یہ عفو کے معنی میں ہے اور دونوں مبالغے کے جیسے ہیں۔ مگر عفو میں زیادہ مبالغہ ہے یعنی جو بڑے بڑے گناہ بخشے اور اس کی بخشش اتم و کمال ہو۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ بندوں کے گناہ ایمانوں سے محو کرے۔ یعنی حساب نہ لے۔ مواخذہ نہ کرے یا دنیا میں پردہ فاش نہ کرے۔ کیونکہ عفو کے معنی مٹانے اور چھپانے کے بھی آیا کرتے ہیں ۔

ترجمہ اردو	اسماء عربی	تہجہ
کثیفیت		
۳۶	الْمَشْكُورُ	بڑا قد شناس
۳۷	الْمُتَّقِ	مشتق ہے علو سے اور علو کہتے ہیں بلندی کو اور کبھی بلندی پر چڑھنے اور کسی چیز کے اوپر سونے کو بھی علو کہتے ہیں۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں حسی اور عقلی حسی جیسے ایک جسم کا دوسرے جسم پر ہونا اور عقلی جیسے ایک چیز کا دوسری چیز کے فوق المرتبہ ہونا۔ خدا تعالیٰ چونکہ سب سے اوپر ہے اور مرتبہ میں سب سے بالا تر اس لئے اس کو علی کہتے ہیں ۱۰
۳۸	الْكَبِيرُ	بڑا۔ بزرگ
۳۹	الْحَفِیْظُ	نگہبان
۴۰	الْمُؤَيَّدُ	مخلوق کو قوت یعنی قوت سے اور قوت کہتے ہیں۔ اس خورش کو جو بدن انسان کے قیام کا باعث ہوا اقامت کے معنی قوت دینا اور کبھی مقیمت توانا اور گواہ اور حاضر اور نگاہ رکھنے والے کے معنی میں بھی متعل ہوتا ہے ۱۰
۴۱	الْمُكْتَفٍ	کافی

ترجمہ اردو	اسماء عربی	ترتیب	کیفیت
جلال اور جلالت کہتے ہیں بزرگ قدر مہونے اور نیز بزرگی کو پھر صطلح قوم میں صفات تہریہ کے ظہور آثار کو جلال کہتے ہیں۔ اور صفات لطیفہ کے ظہور و آثار کو جمال اور بے لے میں آئے ہے کہ فلاں سہاء جلالی ہیں اور فلاں جمالی ۔	جلال	۴۲	
اس کے معنی ہیں بزرگ اور عزیز کہتے ہیں۔ کریم ہے کہ قادر ہو تو معاف کر دے وعدہ کرے تو وفا کرے اور دے تو اُمید سے زیادہ دے اور کوئی اس کی نظر انتجا لیجئے تو اسے ضائع نہ ہونے دے کبھی کریم اور جواد کے معنی میں آتا ہے ۔	کریم	۴۳	
رقیب۔ نگہبان اور مؤکل اور نگران۔ کذا فی الصراح ۔	الرقیب	۴۴	
اجابت کہتے ہیں جواب دینے اور دعا قبول کرنے کو یعنی جو شخص خدا کو بلاتا ہے۔ وہ اسے جواب دیتا اور دعا کو قبول کرتا ہے۔ سوال کو رد نہیں کرتا ۔	دعا قبول	۴۵	
ماخوذ ہے سعت سے اور سعت کہتے ہیں فراخی اور فراخ کرنے اور گہیر لینے کو۔ پھر اس کی اضافت کبھی تو علم کی طرف ہوتی ہے اور کہتے ہیں خدا کا علم وسیع و محیط ہے معلومات کو اور کبھی احسان کی طرف بولا کرتے ہیں۔ اس کا احسان وسیع ہے ۔	وسیع المعلو یا وسیع الغنا	۴۶	
مشفق ہے حکمت اور حکمت عیار ہے کمال علم اور عقل اور ایقان اور حکام علم و عقل سے بعض کہتے ہیں حکیم مبالغہ ہو حاکم کا اور حکیم وہ ہے۔ جو حقائق نبیہا کا عالم ہو اور ضائع کے دقائق کو خوب جاننا ہو ۔	حقائق نبیہ کا عالم	۴۷	

ترجمہ اردو	اسماء عربی	نمبر
نیک بندوں کو دوست رکھنے والا	الذود	۴۸
ماجد کا میالغہ ہے اور ماجد مجد سے لیا گیا ہے۔ مجد بزرگی مجید بزرگ کذا فی القرآن بعضی کہتے ہیں مجید وہ ہے جس کی ذات شریف افعال جلیل عطا جزیل ہو۔ اور جب یہ ہے تو مجید جامع ہے اسم جلیل اور کتاب اور کرم کو ۛ	الماجد	۴۹
مردوں کو مے پیچھے اٹھائیو والا	الکام	۵۰
شہدے مستحق ہے یا شہادت کے اگر شہدے سے ہو تو اس کے معنی ہیں حاضر و مطلع کے کیونکہ شہدے کے لغوی معنی ہیں حاضر ہونے کے اور شہادت کے ہے۔ تو معنی ہیں گواہی دینے والے کیونکہ شہادت کہتے ہیں گواہی دینے کو خدا کو شہید پہلے معنی پر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ظاہر و باطن اور غیب شہاد پر مطلع ہے اور دوسرے معنی کو اس لئے کہ قیامت کے روز بندوں کے اعمال و احوال کی گواہی دیگا ۛ	الشہید	۵۱
حق کے معنی ہیں ثابت اور ہمت کے اس کی ضد باطل بمعنی نیست و ناچیز کبھی صدق اور راستی اور راستی کے معنی میں بھی متعل ہوتا ہے ۛ	الذات	۵۲

ترجمہ اردو	اسماء عربی	ترتیب	کیفیت
کویل وہے جس کو اپنا کام سپرد کریں۔ اور نہ نام تصرف کی باگ اُس کے ماتھے میں بیڈیں۔ چونکہ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و مہربانی سے بندوں کے تمام مستم بالشان کام رزق و غیرہ اپنے فضل سے لئے ہیں اس لئے اسے کویل کہتے ہیں *	کویل	۳۵	
تو توانا متین استوار۔ امام غزالی کہتے ہیں کہ قوت ولایت کرتی ہے قدرت کاملہ بالغہ پر اور متانت شدت قوت پر۔ خدائے تعالیٰ قوی ہے۔ اس لئے کہ قدرت کاملہ بالغہ رکھتا ہے۔ متین ہے اس لئے کہ شدید القوت ہے *	توانا تام قدرت استوار	۴۵ ۵۵	القوی المتین
ولی کہتے ہیں محب نامصر کو اور خدائے تعالیٰ پر سبزیگا ایمانداروں کا محب ہے اور انہیں مدد و نصرت دیتا ہے۔ ولی متولی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور حق تعالیٰ نیکو کاروں کے امور کا متولی ہے۔ اور قریب کے معنی میں بھی یعنی اس کی رحمت نیکو کاروں کے قریب ہے *	ولی	۵۵	
سزاوار حمد و ثناء	مستحق حمد	۶۵	الحمید
احصاء شمار کرنا اور بطریق استقصاء کسی چیز کو جاننا خدا محض مطلق ہے کہ اشیاء کے مختلف و دقائق کو جانتا ہے۔ اور ذات عالم کو اس کا علم محیط ہے *	ہر چیز کو احاطہ علم میں لانے والا	۷۵	
المبدیٰ ماخوذ ہے ایک سے اور ابتداء کہتے ہیں ابتداء کرنے کو افرو تیار پیدا کرنے کو۔ المعبود لیا گیا ہے عبادت سے جس کے معنی میں لوٹانے اور سلام کے بعد اسجد کر کے خدا مبدیٰ ہے اس معنی سے کہ وہ پہلے پیدا کیا ہے اور معبود ہے اس طور پر کہ قیامت میں دوبارہ پیدا کرے گا	ابتداء پیدا کر نبیوالا دوبار پیدا کرنے والا	۸۵ ۹۵	المبدی المعبد

Handwritten text in a cursive script, likely a manuscript or ledger, organized into columns. The text is dense and spans multiple lines, with some entries appearing to be dates or numerical values. The script is characteristic of early modern European handwriting.

دعوت الی الحق میں تیار کا اتفاق

ہنرمندانہ میں اس کو نقل کیا۔ حتیٰ کہ اُس کا علم بتواتر سننے والوں میں ظاہر و آشکارا ہو گیا۔ جس میں شک و دودھ کا وہم تک نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اگر کوئی شخص بادشاہ کی طرف سے مثلاً اپنے وزیر یا حاکم ہونے کا جھوٹ دعویٰ کرے۔ اور بادشاہ باوجود تواتر علم کے اُس کا کذب خلق پر ظاہر نہ کرے تو وہ بادشاہ یا تو نادان ہو گا یا عاجز اور خدا تعالیٰ اُس سے منزہ ہے۔ بڑی حجت صدق دعویٰ انبیاء کی یہ ہے کہ تمام انبیاء معارف اور اسماء و صفات الہی اور کوائف و حوادثِ عالم اور احوال بعد فنا کے متعلق خبر دیتے ہیں۔ اور خوبی یہ کہ سب انبیاء اس خبر پر متفق و متحد ہیں۔ دعوت الہی مثل عبادت و توحید و ترک معاصی میں بھی اور خبر غیب مثل بعث و نشور و بہشت و دوزخ میں بھی۔ اور ثواب و عقاب اور مقبول اور مردود ہونے میں بھی اُن کے کلام میں باہم رگسرو متفادت نہیں ہے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔
وَلَوْ كَانُ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا
یعنی اگر غیر خدا کے پاس سے ہوتا۔ تو اُس میں اختلاف کثیر پاتے۔

دوسری فصل

پیغامبریں پر ایمان لانے اور اُن کے ضروری خصائص و مراتب کی باتیں

جب معلوم ہو گیا کہ نبوت حق ہے۔ تو اب جاننا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے جس کو چاہا اپنی نبوت کے لئے خاص کر لیا۔ حصول نبوت نہ نبی کے اختیار میں تھا نہ متعلق بہ کسب۔ یہ اعتقاد رکھنا کفر ہے کہ نبوت کسب سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ انبیاء پر ایمان و اعتقاد لانا حقیقت میں خدا پر ایمان و اعتقاد لانا ہے۔ خدا پر ایمان لانا بدول پیغمبروں پر ایمان لانے مقبول و پذیرا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں

انبیاء پر ایمان لانے کا طریقہ

چند جگہ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ خدا پر ایمان لانے اور پیغمبروں پر ایمان لانے میں جدائی اور تفرقہ ڈالنا کفر ہے، یعنی یہ درست نہیں کہ صرف خدا پر ایمان اعتقاد رکھتے۔ رسول پر نہیں۔ یا صرف رسول کی رسالت کا معتقد ہو اور خدا کی توحید پر ایمان نہ لائے چنانچہ فرمایا۔ اِنَّ الْاِنِّیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَیُبْدِلُوْنَ اَنْ یُقَرَّرَ قُوْدَیْنِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ یعنی تحقیق جو لوگ خدا اور رسول سے کفر کرتے اور یہ راہ رکھتے ہیں کہ خدا اور رسول کے درمیان جدائی پیدا کریں الخ عام پیغمبروں پر اس طرح ایمان لانا چاہئے کہ وہ خدا تعالیٰ کے خاص و برگزیدہ بندے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے دعوت الی الحق پر مامور ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم فرستادگان خدا ہیں۔ اور اپنے صدق دعویٰ پر جتیں پیش کرتے ہیں۔ وہ اپنے دعویٰ میں استگو اور سچ منج فرستادگان خدا تھے انہوں نے کبھی کوئی بات خلاف حق نہیں کہی پس عموم پیغمبروں پر رسولے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قدر ایمان لانا کافی ہے۔ لیکن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے میں چند دوسری شرطیں بھی ہیں جن کو ہم نے ایک علیحدہ فصل میں ذکر کیا ہے عام پیغمبروں کی نسبت صرف یہ اعتقاد رکھنا کہ وہ چند برگزیدہ شخصائے کفایت ہے ان کے نام و انساب کو یاد رکھنا ضروری نہیں ہے اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا ہے۔ وَرُسُلًا مِّنْ قَبْلِهِمْ قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا مِّنْ قَبْلِهِمْ قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَیْكَ یعنی ہم نے خالق کی جانب رسول بھیجے۔ ان میں بعض کا قصہ تم پر بیان کر دیا۔ اور بعض رسولوں کا قصہ بیان نہیں کیا۔ مگر عام انبیاء کے متعلق بھی اتنی وقفیت ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو دو چیزوں کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ ایک تعظیم۔ دوسری تائید۔ پہلے کے یہ معنی ہیں کہ عام لوگ جو باتیں نہیں جانتے۔ خدا تعالیٰ ان کو وہ باتیں بھی سکھا اور بتا دیتا ہے۔ اور تائید کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت ان کی تائید

کہتا ہے۔ دلائل حجتوں اور فرشتوں کے ذریعہ نواب تعلیم سے نبوت ہے اور باب تائید سے حجت نبوت *

باب تعلیم انبیاء

باب تعلیم کا حاصل ہونا چند باتوں کو شامل ہے۔ کلام اللہ کا سننا جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سنا۔ یا خدا کی جانب سے الہام ہونا۔ اور الہام کے معنی ہیں کسی چیز کا خدا کی طرف سے اُن کے دل میں پڑنا بدوں اس کے کہ اُس کے بارہ میں الہام سے پہلے اُن کے پاس کوئی استدلال ہو یا جس کے ذریعہ اُس کا کوئی اثر پایا جانا ہو۔ لیکن فرشتہ کے توسط سے جو الہام آتا ہے اُس کو وحی کہتے ہیں۔ بعض وقت فرشتہ پیغمبر سے اس طرح اظہار پیام الہی کرتا ہے کہ جیسے آدمی آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ اور بعض وقت فرشتہ اس طرح نبی سے کہہ جاتا ہے کہ کسی کو حتیٰ کہ نبی کے کان کو بھی اُس سے اطلاع نہیں ہوتی۔ یہ الہام صرف دل سے تعلق رکھتا ہے۔ خواب میں جو وحی ہوتی ہے۔ وہ بھی قسم الہام سے ہے۔ یہ یا تو نبوتِ صریح فرشتہ ہوتی ہے یا بے توسط فرشتہ *

اگر کوئی اعتراض کرے کہ فرشتہ علم الہی کو غیر انبیاء کے دل میں بھی ڈالتا ہے۔ پھر انبیاء اور غیر انبیاء میں کیا فرق ہے۔ جواب یہ ہے کہ علم حکام اور علم وقعات حوادثِ آئینہ جو بعد مرورِ ایام یا بعد فنائے عالم کون و فساد منسوت پذیر ہونگے۔ بعلم خاص انبیاء کے لئے مخصوص ہے اگر نبی ایسی باتیں کرے تو وہ یا تو انبیاء کے ذریعہ اُن کو پہنچی ہیں یا انہوں نے انبیاء کے کلام سے ان باتوں کا استفادہ کیا ہے۔ رہا غیر انبیاء پر الہام الملک کا القا ہونا تو یہ ایک قسم کی بشارت ہے کہ خدا کی طرف سے اُن پر القا ہوئی۔ یا یہ فراستِ بیانی ہے جس کے ذریعہ اُنہوں نے ان باتوں کا ادراک کیا۔ غرض بڑا فرق ان ہر دو الہام میں یہ ہے کہ انبیاء شک و خطا سے معصوم ہوتے ہیں۔ اُن کا الہام بھی راست و حق ہوتا ہے! و غیر انبیاء

غلطی و خطا سے معصوم نہیں پس اُن کے الہام کے باب میں قطعی طور پر حقیقت کا اعتقاد نہیں کیا جاسکتا ۔

باب تائید انبیاء

باب تائید بھی دو قسم، ایک ہے کہ انبیاء بنفس خود مؤید ہوتے ہیں دوسری قسم ہے کہ اُن کی دعا و برکت سے عالم غیب سے ظہور تائید ہوتی ہے یہ پہلی قسم حد احصار و شمار سے بالاتر ہے۔ بتواز و توالی قرناً بعد قرن ہمیشہ اس قسم کی تصدیق ہوتی رہی ہے۔ ہم پہلی قسم کا بیان کرتے ہیں۔ اور یہاں اسی سے ہماری عرض بھی ہے۔ تاکہ انبیاء کی تسناخت میں اصل استحکام پیدا ہو ۔

پہلی بات یہ ہے کہ انبیاء ہمیشہ منہ انہی کی پیروی کرتے ہیں اور اُن کا نفس طاعت الہی میں ہمیشہ اُن کا تابع اور مطیع ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ یہ بزرگ حضرات ہمیشہ نافرمانی خدا سے معصوم ہوتے ہیں۔ یعنی قصداً اُن سے کبھی کوئی خطا صادر نہیں ہوتی۔ انبیاء واجب العصمتہ ہوتے ہیں۔ امر الہی کی مخالفت اُن سے روا نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے خلق کو اُن کی پیروی و اطاعت پر مامور کیا ہے۔ اگر اُن سے قصداً خطا ممکن ہوتی۔ تو خلق کو اُن کی متابعت کا حکم نہ ہوتا۔ اگر اُن سے کوئی ذلت صادر ہوتی ہے۔ تو بطریق سہو و نسیان اس کو عصیاں کہنا دو وجہ سے ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ اس کی صورت عصیاں کی صوت ہے۔ گو بہ سبیل سہو و نسیان ہو۔ دوسرے ان کے مرتبہ اور حال کی نسبت سے اُس کا نام عصیاں رکھا گیا ہے۔ انبیاء کے نفس خود مؤید ہونے کی دوسری صوت یہ ہے کہ اُن کی عقل کامل اور دوسرے لوگوں کی عقلوں سے ارفع ہوتی ہے۔ اُن کے ادراکات بہ نسبت دوسروں کے تیز اور خطا اور غلطی اور زوال اور انتقال سے محفوظ و مصدون ہوتے ہیں۔ اُن کی رائے بھی دوسروں کی رایوں سے تیز اور قوی ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ علم وحی کو جس طرح

انبیاء سے کبھی نافرمانی نہیں ہوتی

انبیاء علیہم السلام فہم کرتے ہیں۔ دوسروں سے ممکن نہیں۔ اُن کا حافظہ بھی
سب سے قوی ہوتا ہے۔ اور فصاحت و بلاغت اور تاثیر سخن میں بھی انبیاء
ابتائے روزگار سے سابق و غالب ہوتے ہیں۔ اُن کی ظاہری اور باطنی قوتیں
تمام تر اور قوی تر ہوتی ہیں۔ اُن کا خلق نہایت نیک اور اُن کی صورت
بڑی وجیبہ اور اُن کی آواز نہایت خوش اور نہایت مؤثر ہوتی ہے غرض
انبیاء جس طرح سیرت و معنی میں سب سے افروز ہوتے ہیں۔ اُسی طرح صورت
و ظاہر میں خوب تر اور پسندیدہ تر ہوتے ہیں۔

بعض انبیاء فضیلت میں دوسرے انبیاء سے زیادہ ہیں لیکن اُن کی
دعوت یکساں اور ایک ہی طرح کی ہے۔ اُس میں فرق نہ کرنا چاہئے۔ لَوْ نُفِّرُ قِيَّ
بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ كَمَا هِيَ مَعْنَى ہوں۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ
مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے
وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل کا صاحب
ہے۔

عصمت انبیاء کا ذکر

ہم چاہتے ہیں کہ اس فصل میں عصمت انبیاء کے بابت جو ذکر آیا ہے۔
اس کو ذرا شرح و بسط کے ساتھ بیان کر دیں۔ تاکہ انبیاء کی پوری نزاہت اور
طہارت کے متعلق اہل اسلام کو کامل یقین ہو جائے۔ اور اُن کی صفت
ذات کو سمجھ کر اپنے غیر متعلقہ اعتقادات سے تائب ہوں۔ اور حاکمہ
میں نہ پڑیں کیونکہ اکثر مسلمان اس مسئلہ میں غلطی پر ہیں۔ معتزلہ اور متشعبہ
کی ایک جماعت تو عصمت کے مسئلہ میں اس قدر مبالغہ کرتی ہے کہ افراط
کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ اور متشعبہ اور نقلہ کا ایک گروہ عصمت کے خلاف
میں اس درجہ غلو کئے ہوئے ہے کہ تفریط کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ دونوں
فقر اپنے اپنے دعوے کی ذیل کتابوں سے لاتے ہیں۔ جس کی کوئی اصل
نہیں ہے۔ یا ایسی دلیل ہیں جس سے مستحکم بالکل نادرست ہے۔ بلکہ اُن کا

دھوکے میں آ گئے۔ وہ سمجھے کہ کوئی بندہ اپنے خالق کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا۔

آدمؑ کے اس استیلا میں خدا کی حکمتیں تھیں کہ ہر ایک انسان کو ان پر چلنا مفید ہے۔ چنانچہ دشمن کو پہچانتا اور اُس کے مکر و فریب سے خیردار رہنا اور اُس کے تسویل و دہوکے میں نہ آنا۔ پھر اگر گناہ سرزد ہو جاوے تو اُس کا تدارک توبہ و انابت سے کرنا۔ اور خدا کی جناب میں اپنی معاصی، بدکاری اور نادانی کا اعتراف کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو انہیں حکمتوں کی بنا پر یاد کیا۔ اور اس سے حضرت آدمؑ کی کرامت و فضل اور کمال اجتناب و صطفیٰ کا اظہار فرمایا۔ اور یہ کہ خدا تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول کر کے اُن کی شان کو بڑھایا۔ حاشا کہ اس سے ان کی تحقیر منظور ہو یا اُن کی ذلت مد نظر ہو۔ حضرت آدمؑ علیہ السلام کے مذکورہ واقعہ کو اس طرح سمجھنا چاہئے تاکہ اُس کے انتفاع ہو۔ نہ دوسری طرح کہ اُس سے انسان تحقیر آدم کے جرم میں ماخوذ ہو۔

حضرت آدم علیہ السلام کے سوا دوسرے انبیاء خصوصاً مرسلین کے حق میں بھی صد در ذلت کو اسی معنی پر حمل کرنا چاہئے۔ اگرچہ اس کا ثبوت ایسی نص صریح سے ہو۔ جو موجب علم ضروری ہے۔ اور معلوم رہے کہ اگر انبیاء ہماری طرح اسیر حرصِ شہوت ہونے تو خدا تعالیٰ اُن کی متابعت ہم پر فرض نہ کرتا۔ اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو خلاصہ موجودات اور زیادہ خلائق ہیں۔ اس طرح ارشاد نہ فرماتا۔ اُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَىٰ اللَّهُ فَبِهِدْلُ هُمْ اَقْتِدَا بِهٖ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُوْنَ۔ لوگ ہیں جن کو خدا نے ہدایت کی۔ پس اے رسول! انہیں کی ہدایت کی پیروی کرو۔

حضرت بزرگم علیہ السلام کی ذات

عجب نزدیک کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ کے باب میں بھی جو تمام بنی آدم سے عبادت میں متفرد تھے۔ صرف اس خیال سے اثباتِ ذلت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے باپ کے لئے استغفار کی۔ اور اُن کی استغفار

جناب برحق میں مقبول نہ ہوئی۔ جواب یہ ہے کہ اس وقت حضرت ابراہیمؑ کو معلوم نہ تھا کہ اُن کے باپ پر دشمنی خدا کا حکم جاری ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب اس امت کو دوستی کفار سے منع کیا۔ اور فرمایا کہ خدا کی دوستی اور دشمنانِ خدا سے دشمنی کرنے میں ابراہیمؑ کی متابعت کرو۔ تو اس ایک بات میں کہ انہوں نے اپنے باپ کے لئے استغفار کی اُن کی متابعت سے استثنا کیا۔ چنانچہ فرمایا۔ قَدْ كَانَ لَكُمْ اُسُوَةٌ حَسَنَةٌ فِي اِبْرَاهِيْمَ وَ الَّذِيْنَ مَعَهُ تَاٰلَآءُ قَوْلٍ اِبْرَاهِيْمَ لَا يَبِيْهُرُ عَنْ شَتْرِ لَّدَفٍ۔ اس پر ثابت کرنا منظور تھا کہ یہ ایک کلمہ یعنی استغفارِ لا بیه اُن کے مناسب حال نہ تھا۔ اور خدا کو اُن کی یہ بات پسند نہ آئی۔ پس حکم ہوا کہ اس باب میں حضرت ابراہیمؑ کی متابعت نہ کرنا چاہئے۔ اگرچہ اس باب میں حضرت ابراہیمؑ کے پاس عذر صریح تھا۔ چنانچہ خدا نے اس عذر کو بیان فرمادیا وَ قَدْ كَانَ (سْتَغْفَرُ اِبْرَاهِيْمَ لَا يَبِيْهُرُ) عَنْ مُّوْعِدَةٍ وَعَدَا هَا اِيَّاكَ اب ذَلْتَ اَنْبِيَا كَا حَالِ اِسِي سَمَجْنَا چاہئے۔ اور اُن کا مرتبہ قتل میں یہیں سے معلوم ہو جاتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی ذلت

حضرت یوسف علیہ السلام کے باب میں جو کہا جاتا ہے کہ انہوں نے زلیخا کا قصد کیا اور کہتے ہیں دَخَلَ هِمِّيَا نَهْ وَقَعْدَ مِنْهَا مَقْعِدَ الرَّجُلِ مِنَ الْمَثَلِ اور اس کی اسناد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ لائے ہیں۔ اس کا قبول کرنا چند وجوہات سے روا نہیں۔ اوّل یہ کہ جن لوگوں نے اس قصہ کو اپنی کتاب میں یاد کیا ہے۔ ان میں سے حضرت ابن عباسؓ تک پہنچائی ہے۔ تو یہ اسناد ثقّٰتہ عن ثقّٰتہ نہیں پائی جاتی۔ و لو فرضنا اگر پائی بھی جائے تو یہ بھی اس میں اُن کا قول سند و حجت نہیں۔

دوسرے یہ کہ موقوف ہے ابن عباسؓ پر اگرچہ اصحابی بغیر سماع

نقل نہیں کرتا۔ لیکن جب منقول عنہ مذکور نہیں تو احتمال بلکہ غالب یہ ہے کہ اُن کو اہل کتاب سے پہنچا ہوا اور اہل کتاب کی نقل اعتماد نہیں رکھتی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اُن کی تکذیب تفسیق کا حکم کیا ہے اور فرمایا کہ یہ لوگ تحریف کرتے ہیں۔ اور فرمایا کہ کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کے نزدیک سے ہے۔ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ اُولَٰئِكَ لَوْ كَانُوا يَفْقَهُوْنَ اُولَٰئِكَ لَوْ كَانُوا يَفْقَهُوْنَ عَلٰى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ لَا يُعْلَمُونَ ۝ اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اہل کتاب کی تصدیق نہ کرو۔ بلکہ تکذیب کرو۔ اور یہ جو فرمایا کہ اُن کی تکذیب نہ کرو۔ یہ اس قسم اخبار کے متعلق ہے جس کا علم ہم کو اُن کی کتابوں سے نہیں پہنچا۔ لیکن اگر اُس کے مخالف قسم علم دین سے ہمیں معلوم ہو۔ تو اُس کی تکذیب واجب ہے حضرت عمر بن خطابؓ اہل کتاب کے حق میں فرماتے ہیں لَا تَقْرَءُوا قُرْآنَهُمْ وَقَدْ كُنَّا بِهِمْ اُولَٰئِكَ اُولَٰئِكَ لَوْ كَانُوا يَفْقَهُوْنَ اُولَٰئِكَ لَوْ كَانُوا يَفْقَهُوْنَ عَلٰى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ لَا يُعْلَمُونَ ۝ اور فرمایا حسبنا کتاب اللہ ہم کو کتاب الہی یعنی قرآن شریف کافی ہے۔ اُس کے ہوتے کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں، اکثر قصص نبیا اسی قسم ہیں کہ اُن کو اصحاب تاریخ نے اہل کتاب سے اپنی کتابوں میں بلا سند نقل کر لیا ہے اور بعض مفسرین نے آیات قرآن حکیم کی تحت میں بھی اُن قصص کو بیان کر دیا ہے۔ (تو یہ قصہ اگر موافق قصص قرآن حکیم کے ہوں تو اُن پر یقین رانا چاہئے۔ ورنہ وہ کبھی عتماد کے قابل نہیں) پھر جب اُن کی نقل درست نہیں۔ تو احتجاج اُن سے کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے مشہور قصہ کی تکذیب

حضرت یوسف علیہ السلام کے مذکورہ قصہ کی تکذیب کی ایک دلیل یہی ہے کہ آیت شریف وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاہِیْ رَہْمَانٌ ذٰلِہٖ اَمْرٌ کَا اِقْتَضَا نَہِیْ کر تھی کہ حضرت یوسفؑ نے قصہ کیا

کیونکہ خدا نے خود فرمایا کہ یوسف علیہ السلام زلیخا کا قصد کرتے۔ اگر وہ برہان اپنے رب کا نہ دیکھ لیتے۔ جب یوسف علیہ السلام کا قصد برہان دیکھنے پر معلق ہوا۔ اور برہان موجود ہے پس یہ قصد ممنوع ہوا۔ اگر کوئی شخص کہے کہ اہل عرب کے نزدیک لوکا کے جواب کا لولا پر مقدم ہونا جائز نہیں پس جواب محذوف ماننا پڑیگا۔ اور اس کی تقدیر اس طرح ہوگی کہ لوکا دای برہان دہہ لفعل جواب یہ ہے کہ اس تقدیر کو ماننے سے صاحب شریعت پر جو مبین قرآن ہے۔ تحکم و اقدم لازم آتا ہے۔ ایسے قضیہ کے بیان میں محبین روا نہیں۔ لیکن علمائے نحو نے جو تقدیم جواب لولا کو ناجائز کہا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہم قرآن میں چند ایسے الفاظ پاتے ہیں۔ جو محقق علمائے عربیت نہیں۔ معہذا اس کے خلاف روا نہیں۔ وہ ہر مقام پر قرآن سے استشہاد لاتے ہیں۔ اور قرآن بھی اُن کے قول پر حکم کرتا ہے۔ نہ اُن کا قول قرآن پر۔ اور یہ آیت بھی اسی قسم ہے کہ علمائے عربیت اس سے استشہاد کریں۔

پھر اگر اُن کی تقدیر کو جائز سمجھا جائے تو واد نسق واد عطف ماننا پڑیگا۔ یعنی و لوکا ان دای برہان دہہ تاکہ یہ او حذف پر دلالت کرے۔ تاہم اگر ہم کہیں کہ جواب محذوف ہے تو یہ محذوف اس طرح ہونا چاہئے کہ لفظ دھم بھا اس پر دلالت کرے۔ اس صورت میں تقدیر یوں ہونا چاہئے تھی۔ لوکا ان دای برہان دہہ لھم بھا ہماری تشدید و سختی قصد گویوں کے مبیغہ قول کی نفی پر اس لئے ہے کہ یہ لوگ اس قصہ کو خلاف قرآن بیان کرتے ہیں۔ اور ظاہر نصوص کے بالکل خلاف ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لولا ان دای برہان دہہ کے بعد فرمایا کن انما لنصرف عنہ السوء والفحشاء اس سے اس امر کی نفی ہوتی ہے کہ یوسف سے سوء و فحشاء کا ارتکاب قصد ہوا۔ مگر قصہ گویوں کے بیان کے مطابق حضرت یوسف پر سوء و

اولاد ان راہی برهان ربہ کی بحث

فحشاء لازم آتا ہے۔ کیونکہ برے امر کا قصد بھی ایک قسم کا سوء اور فحشاء ہے اور نہایت صاف دلیل اُن کی بریت کی یہ ہے کہ خدا نے فرمایا ذَالِكْ لِيَعْلَمَ اَنِّي لَمْ أَخْشُ بِالْغَيْبِ یعنی میں نے اس لئے طلبِ بحث و لغزش کی تاکہ عزیزِ مصر پر ثابت ہو جائے کہ میں نے پیٹھ پیچھے اُس کی خیانت نہیں کی۔ خدا نے حضرت یوسفؑ کو صدیق کہا۔ اور جس کو خدا نے صدیق کہا ہو اُس کی تصدیق ہم پر فرض ہے۔ اور نفیِ خیانت اُس سے ضرور ہے۔ اور قصہ گویوں نے جو کہا ہے۔ قَعْدَ مِنْهَا مَقْعَدُ الرَّجُلِ مِنَ الْمَرْءِ اِس سے یوسف علیہ السلام کی خیانت ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یہ بات کسی عاقل سے پوشیدہ نہیں۔ کہ اگر کوئی آدمی برے ارادے سے کسی عورت کے پاس بیٹھے۔ تو اس کی خیانت ثابت ہو گئی۔ اور یوسف علیہ السلام نفیِ خیانت و خیانت کرتے ہیں۔ پس قصہ گویوں کے موافق اُس کے معنی کرنا درست نہیں۔ دوسرے یہ کہ زلیخا علیہا السلام نے اس سے قبل دعویٰ کیا تھا کہ کہ یوسف علیہ السلام نے اُن کا قصد کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے صدقِ یوسف اور کذبِ زلیخا پر دلیل قائم فرمائی۔ اور کہا جاتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے تمام بھائی پیغمبر تھے کہ خدا تعالیٰ نے اُن کے متعلق نص صریح یاد فرمائی۔ جواب یہ ہے کہ برادرانِ یوسفؑ کی نبوت کسی نص کے ذریعہ ثابت نہیں ہوئی جو موجبِ علم ہو۔ اور یہ جو فرمایا۔ قُولُوا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ الْيَكَا وَمَا اُنْزِلَ لٰى اٰنْبَا هٰكُمْ وَاَسْمَا عِيْلٍ وَاَسْمٰعِيْلٍ وَيَعْقُوْبَ وَاَسْبَاطِ تو متحمل ہے کہ مراد اسباط سے اس جگہ حضرت یعقوب کے فرزندانِ صلی ہوں۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ سب فرزندانِ اس میں اہل ہوں۔ نیز بعض فرزندان کا بھی احتمال ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اسباط سے مراد انبیاء بنی اسرائیل ہوں کہ وہ سب فرزندانِ یعقوبؑ ہیں۔

اور ہمارے نزدیک حضرت یوسف علیہ السلام کا پیغمبرِ مرسِل ہونا نصِ منقطع پر درست ہے۔ اور یہ اُن مرسِلین سے ہیں جن کے اقتدار نے کا حکم ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوا اَلَّذِي لَكَ الَّذِيْنَ هَدٰى

برادرانِ یوسف کی نبوت کسی نص صریح سے ثابت نہیں ہے۔

اِنَّهُ فِيْهِمْ دَا يُّهْمَرًا قَتَلَا پس یوسف علیہ السلام کا مرتبہ باب عصمت میں برادرانِ یوسف سے کہیں زیادہ ہے ۔

دوسرے یہ کہ ہمارے نزدیک یہ مرتبہ ثابت ہے کہ برادرانِ یوسف نے یوسف کے ساتھ جو کچھ کیا۔ وہ نبوت کے پہلے کیا تھا۔ اس صورت میں ان کی عصمت میں فرق نہیں آتا۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے باب میں جو کہا جاتا ہے کہ ان کے متعلق بھی معلوم نہیں ہوتا کہ انہوں نے قبل مرتبہ نبوت کے زلیخا کا قصد کیا یا بعد نبوت کے۔ ہم کہتے ہیں یوسف کی بابت قصد زلیخا کا ثبوت نہ قبل نبوت درست ہے اور نہ بعد نبوت۔ کیونکہ انہوں نے حالت نبوت میں حجب عورتوں کے کید کا ذکر کیا تو اُس وقت اپنی ذات سے نفی خیانت فرمائی۔ اور پیغمبروں کا قول راست ہی ہوتا ہے پس کسی صورت میں اس کا اثبات روا نہیں۔ اور نہ اُس کا ذکر کرنا درست ہے۔ اس لئے کہ اگر احاد اُثر سے کوئی فعل بُرا صادر ہو جائے۔ تو اُس کا ذکر دوسروں کے سامنے روا نہیں۔ چہ جائیکہ ایک بات خلاف یقین ہو۔ اور اس میں پیغمبر مرسل کی غیبت کی جائے۔ نسئل اللہ العافیہ من استماع تلك القصة فكيف امثال من التحدث بها ۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی ولایت

اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کی نسبت کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ادربیا کو لشکر میں بھیجا۔ اور حکم دیا کہ لڑائی میں تیا بوت سکینہ لئے ہوئے آگے آگے رہے۔ غرض اس سے یہ تھی کہ ادربیا اس طرح مارا جائے۔ اور داؤد علیہ السلام اس کی عورت سے جو حسینہ تھی۔ اور جس پر آپ فریفتہ ہو گئے تھے۔ شادی کر لیں۔ یہ اور اس قسم کی مخالف باتیں قصہ گو بیان کرتے ہیں۔ جو اصول دین کے منافی ہیں۔ اور جن کا زبان پر لانا بطور نقل کے بھی حرام ہے اس لئے کہ اس سے ایک پیغمبر مرسل پر ظلم کی نسبت لازم آتی ہے یا قلان قصہ ان دو آیات سے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اِنَّ هٰذَا اِضْحٰی لَكَ تَسْمَعُ

تَسْمَعُونَ نَجْمَةً دَلِي نَعْبَجَةً وَاحِدَةً دُوسری آیت فقال الفلانیہا حالانکہ ان آیتوں سے جرم کی نوعیت ثابت نہیں ہوتی کہ وہ کیا تھا اور نہ یہ کہ اس قصہ کی اصل کیا ہے۔ جناب سؤل خدا صلی اللہ علیہ آلم وسلم سے بھی کوئی نقل درست نہیں پائی گئی۔ پھر بھی مفسرین کی ایک جماعت نے اس قصہ کو نہایت بُرے طریقہ پر بیان کیا ہے جس میں وہ مصیبت نہیں ہو سکتی۔ اُس دلیل سے جو ہم نے حضرت یوسف کے قصہ میں بیان کی ۴

بعض محققین اور اصحاب معانی اس قصہ کی نسبت کہتے ہیں کہ اُس میں محل مواخذہ یہ بات ہے کہ داؤد نے باروں تحقیق کرنے اس امر کے کہ مدعی اپنے دعوے میں سچا ہے یا جھوٹا یہ کہہ دیا۔ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ يَسْعٰى بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يُّنَادِيْ بِمُقَابِلَةٍ دُوسری تاویلات کے نظم قرآن سے زیادہ مشابہہ اور ملتی جلتی ہے۔ اور درحقیقت اس تاویل میں زیادہ اغنیاء سے کام لیا گیا ہے۔ اس کی تاکید دُوسری اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔ جو اُس کے بعد ہوتی ہے۔ يٰۤاٰدٰۤا۟ ذٰلٰٓا۟ جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَتُنَا فِى الْاَرْضِ فَاٰخِذْ بِبَيْنِ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰىۙ اِسے روشن ہے کہ حضرت داؤد اس قضیہ میں حاکم تھے نہ خصم اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ حکم ہوتا فَاٰخِذْ بِبَيْنِكَ وَبَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ پھر بھی ہم کہتے ہیں کہ امکان رکھتا ہے۔ مراد اس آیت سے اس کے علاوہ کوئی دوسری بات ہو۔ اور چونکہ قرآن میں یہ قصہ مبہم ہے۔ اور آنحضرت سے بھی اس باب میں کوئی نقل قابل اعتماد نہیں پہنچی۔ تو مناسب بلکہ محتاط یہ ہے کہ اس میں توقف کیا جائے۔ اور اعتقاد کیا جائے کہ اگر زن اور یا کے قصہ کی کوئی اصل ہے تو قصہ گو یوں کے بیان کے خلاف ہوگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا من حدث بحديث داؤد علی مایس وی بہ القصاص جلد تہ جلدۃ المفتری ۴

اس باب میں اصل قصہ جو نزدیک تر باحتیاط ہے۔ یہ ہے جو

زین الدین اور داؤد کا واقعہ مشہورہ جھوٹا ہے۔

بعض اصحاب بتایا کہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد کی نظر بے اختیار اوریہا کی
 جو روپ پر پڑ گئی۔ جس کے حسن پر انہیں تعجب ہوا۔ پھر آپ نے از روئے محبت
 و ارادت کے جو پیغمبروں کو صلحا ئے اُمت کے ساتھ ہوتی ہے نہ از روئے
 حکم و سلطنت کے اوریہا کو کہا کہ اگر ممکن ہو تو اس عورت کو میرے لئے
 چھوڑ دے۔ تاکہ میں اسے اپنی زوجہ بنالوں۔ بعض علما کہتے ہیں کہ اوریہا نے
 پیام نکاح اُس کو پہلے بھیجا تھا۔ اور داؤد علیہ السلام نے اوریہا کے بعد اُس سے
 طلبِ خطبہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے صرف اتنی بات پر داؤد پر عتاب کیا۔ یہ
 دونوں صورتیں مشابہت خصمان کی رکھتی ہیں۔ اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ قصہ
 کی حقیقت کیا ہے۔ ہاں ہم نے علم کے طریق سے معلوم کیا ہے کہ داؤد کے
 قصہ کو قصہ گو یوں کے طریق پر بیان کرنا درست نہیں ہے۔ اس اسطے کہ اللہ
 تعالیٰ نے پیغمبروں کو اس لئے مبعوث فرمایا ہے کہ وہ ظلم کو دفع اور فساد
 کو رفع کریں۔ اور بندوں کو حکم کیا کہ اُن کی پیروی و متابعت کرو۔ اور اُن کے
 گفتار کو رد کر دو۔ اور کو اپنا پیشوا بناؤ۔ جیسا یہی نارد ا باتوں کو اُن کی جانب نسبت
 کریں تو اُن کی متابعت اور خود اُن کی بعثت کیونکر مفید ہو سکتی ہے۔ اللہ
 تعالیٰ جو کچھ فرماتا اور حکم کرتا ہے وہ سوائے صدق و عدل کے نہیں ہوتا
 پس لازم آتا ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ مخلوق کی جانب بھیجے۔ اور خلق
 کو مطلقاً اُن کی متابعت کا حکم فرمائے۔ وہ منافق حق اور مخالف عدل ہوتے
 حضرت یام ابو منصور ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انبیاء کے حق
 میں جو پ عصمت کی تاکید ملائکہ کے حق میں تاکید کرنے سے زیادہ اہم ہے
 کیونکہ لوگ حضرات انبیاء علیہم السلام کی متابعت پر مامور ہیں۔ اور ملائکہ کی
 اطاعت پر مامور نہیں ہیں۔ پھر جاہلوں سے تعجب یہ کہ وہ ایسی دوراز کا۔
 باتوں کو عوام کے کاتوں میں پہنچاتے ہیں۔ اس سے صاف دشمن ہوتا ہے
 کہ وہ انبیاء کے مراتب منازل کی معرفت نہیں رکھتے۔ اور اصول دین سے
 اُن کا حق نہیں سمجھتے۔ گویا اُن کو علم شریع سے کوئی آگاہی نہیں ہے۔ اگر کوئی
 شخص کسی مسلمان نہادہ کار سے ایسی باتیں سنے تو اُس کو چاہئے کہ اس کا اعادہ

نہ کرے۔ ورنہ مننے والا بھی خطا کار ہوگا۔ اور قائل کی طرح اُس کی آخرت بھی تباہ اور برباد ہوگی۔ ایسی باتوں کا احاد و مسلمان اور افراد امت کی نسبت سنا۔ اور اس کو دوسرے کے سامنے بیان کرنا گناہ اور حائل غیبت ہے تو ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں ایسی بیہودہ باتیں کہنا کس قدر موجب گناہ و نکال آخرت ہو سکتی ہیں ❦

نکاح حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اسی طرح جملہ نے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باب میں تزویج حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے متعلق بدترین طریق بیان سے کام لیا ہے۔ جو عقلاً و نقلاً کذب افتراء اور زراہت مان ہے۔ کہتے ہیں آنحضرتؐ کی نظر زینبؓ پر پڑی۔ اور آپؐ کے دل میں زینب کی محبت راسخ ہو گئی یہ سبب تھا جس سے آپؐ کو زینب کے ساتھ تعلق پیدا ہو گیا۔ یہ بیان محض فریغ و کدیم ہے۔ اگر کسی ناقل نے اُس کو نقل کیا ہے۔ تو اس باب میں اُس کی نقل جھوٹی اور ناقابل اعتبار ہے۔ اور اس بارہ میں کوئی بھی نقل معتبر اور قابل اعتماد نہیں پائی گئی۔ ہم کو علماء اسلام اور تاریخ زمانہ رسول علیہ السلام اور آپؐ کے حالات اور سیر صحابہ رض کے باب میں جتنی یاد و توفیق ملتا ہے پہنچی ہیں۔ اُن میں سے ہم نے کسی کتاب میں اس واقعہ کو اس طرح لکھا ہوا نہیں دیکھا ❦

اس باب میں کتب حدیث میں جو کچھ مذکور ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے زینب بنت جحش کو زید ابن حارثہ کے لئے چاہا جس کو آپؐ نے اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔ اور اسی خیال سے لوگ اُس کو زید بن محمدؐ کہا کرتے تھے زینب اور اُس کے اولیا اس خواستگاری سے راضی نہ تھے۔ کیونکہ حضرت زیدؓ مولیٰ سے تھے۔ اور حضرت زینبؓ ایک شریف خاندان کی بیٹی تھیں۔ اور آنحضرتؐ کی چچیری بہن تھیں۔ عرب لوگوں کا دستور تھا کہ مولیٰ کی صلت کو مکروہ جانتے تھے۔ اس سبب زینبؓ کے اولیا نے زیدؓ کے ساتھ نہایت

کو مناسب سمجھا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ اِس آیت میں مومن سے مراد حضرت عبداللہ بن جحش یعنی زینبؓ کے حقیقی بھائی ہیں۔ اور مومنہ سے خود حضرت زینبؓ مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کسی مومن اور مومنہ کو زیبا نہیں کہ جب اللہ اور اُس کا رسول کوئی فیصلہ کرے تو اُس پر راضی نہ ہوں۔ اِس آیت کے نزول پر یہ دونوں راضی ہو گئے۔ اور خدا کے حکم کے موافق زینبؓ کا نکاح زیدؓ کے ساتھ ہو گیا۔

ونکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا

عرب میں مذکر سے ایک بُرا دستور یہ چلا آتا تھا کہ وہ جس کو اپنا بیٹا کہہ دیں۔ اُس کی مطلقہ جو رو سے اپنا نکاح کرنا معیوب اور نہایت بُرا سمجھتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اِس بڑی رسم کو آنحضرتؐ کے فعل سے توڑ دے۔ اور زینبؓ کو بعد مفارقت کے بحکم آسمانی آنحضرتؐ کے نکاح میں دے دے تاکہ اِس عادت بد کی مخالفت صحابہ اور امت پر آسان ہو کیونکہ اگر آنحضرتؐ کو ایسا فعل کرتے نہ دیکھتے تو صحابہؓ اور امتؓ مابعد پر بڑا حرج واقع ہوتا۔ اور لوگ ایسا فعل کرنے سے ہچکچاتے۔ اور اپنے منہ سے اِس کی جو رو سے نکاح کرتے گھبراتے۔ اور اُن کی طبیعت ایسی عورتوں کی صحبت سے نفرت کرتی۔ اِس لئے کہ زنا شوائب ایسا کام ہے کہ بدوں میل نفس اور عنبت طبع کے نہیں ہوتا۔ جن تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو مطلع فرما دیا تھا کہ حضرت زینبؓ تیری زوجگی میں آنے والی ہے۔ پس زیدؓ کے دل میں زینبؓ کی صحبت سے کراہت سی پیدا ہو گئی۔ لہذا اُنہوں نے حضرت رسولؐ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا کہ زینبؓ شریف گھرانے کی عورت ہے۔ وہ باتوں میں مجھ پر چیرہ دستی کرتی ہے۔ اِس اسطے میں اُس کی صحبت نہیں چاہتا۔ اور طلاق دینا چاہتا ہوں۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ زید ایسا مت کرو۔ اپنی عورت کو نہ چھوڑو۔ اور خدا سے ڈرو کہ بلا سبب طلاق دینا ٹھیک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ پر غناپ کیا۔ اور فرمایا کہ اللہ جل مر کو ظاہر کرنا چاہتا ہے تم اُس کو چھپاتے ہو۔ اور لوگوں سے ڈرتے ہو۔ حالانکہ خدا ہی سے ڈرنا چاہیے۔ مطلب یہ کہ منافقین اور بے علم لوگوں سے اعتراض بے جا پر خیال کر کے تم زید کی زینبؓ کو طلاق دینے اور پھر اس کو اپنے نکاح میں لانے سے احتراز کرتے ہو۔ باوجود اس کے کہ ہم نے تمہیں مطلع کر دیا ہے کہ زینبؓ تمہارے نکاح میں آئیگی۔ اگر بد باطن لوگ کہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بیٹے (مقبی) کی جود سے نکاح کر لیا تو یہ کوئی ڈرنے کی بات نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا اِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَاتَّقِ اللَّهَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ يَعْنِي اے رسول جب تم اللہ کے اور اپنے منہ سے علیحدہ کو کہتے تھے کہ اپنی زوجہ کو روک رکھ اور خدا سے ڈر اور تم اپنے دل میں چھپاتے تھے وہ بات جو خدا ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے حالانکہ خدا ہی اس امر کا مستحق ہے کہ اُس سے ڈرو اُس کے بعد خدا نے اس حکمت کو یاد کیا کہ جب نے زینبؓ سے اپنی حاجت کو چھوڑ دیا۔ اور اُس کو زینبؓ کے ساتھ کوئی سبیل نہ رہی تو ہم نے زینبؓ کو تمہارے نکاح میں دیدیا۔ تاکہ مومنین کو اپنے منہ بولے بدیوں کی عورتوں سے جبکہ وہ اپنی حاجت کو چھوڑ چکے یعنی طلاق دے چکے ہوں۔ اور عدت

۱۔ عظم التبریل میں ہے۔ ہذا اھوال اولی والایق بحال الانبیاء یعنی اس واقعہ کو

اسی طرح سمجھنا زیادہ اچھا اور نظر بہ حالات انبیاء زیادہ لائق ہے +

۲۔ مشرق سے ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

وحی کی کوئی بات چھپاتے تو البتہ اس آیت کو چھپاتے و تخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ

اس سے ثابت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وحی کی کسی بات کو ہرگز نہیں چھپا +

گذر گئی ہوں نکاح کرنے میں حرج نہ ہے۔ فَلَمَّا قَضَيْتُ زَيْدًا مِنْهَا وَطَرًا
آخر آیت تک ۔

حلیث میں ہے کہ حضرت زینب جناب رسول خدا کی دوسری ازواج
پر فخر کرتیں اور منکرتیں کہ تم کو تمہارے باپوں نے آنحضرت کے نکاح میں لیا
اور مجھ کو وحی سہاوی کے ذریعہ حضور علیہ السلام کو زوجہ کر کے دیا۔ اور حدیث
میں ہے کہ جب زینب کی عادت گزر گئی تو آنحضرت نے زید کو زینب کے
نزدیک پیغام دے کر بھیجا کہ اُن سے کہو تم کو پیغمبر خدا یا ذکر نے یعنی چاہتے
ہیں۔ زینب نے کہا کہ میں بدوں اجازت خدا کے کوئی کام نہیں کروں گی پس
اٹھ کر جانا زینب پر گئیں۔ اور ستخارہ کیا۔ اُسی وقت رسول خدا پر قرآن نازل
ہوا کہ فَلَمَّا قَضَيْتُ زَيْدًا لِمُحَمَّدٍ فَجَاءَ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ فَزَوَّجَهَا لَهُ
تشریف لے گئے۔ اور بغیر دستوری اور طلب اجازت کے اندر چلے گئے۔
اس وقت حضرت زینب سر پر نہ تھیں۔ انہوں نے یہ بھیج کر کہ حضور تشریف لائے
میں۔ شرم کے مائے سر پر آستین ڈال لی۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ! بلا
خَطْبَتِهِ وَلَا شَاهِدٍ یعنی اے حضور بلا نحوہ سنگاری اور بے گواہ کے۔
آپ نے فرمایا۔ وَاللّٰهُ الْمُرَوِّجُ وَجَبَرْتُمُ الشَّاهِدَ اللّٰهُ نے تمہارا نکاح
میرے ساتھ کر دیا۔ اور جبریل امین اس کے گواہ ہیں ۔

۱۔ قال انما كانت زینب تفخیر علی زواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم
فتقول نہ جسکن اہا لیکن و زوجتی اللہ من فوق سَبْعَ سَمَوَاتٍ ۱۲ معالم
۲۔ دوسری حدیث عن ثابت عن انس قال لما انقضت عدة زینب
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لزيد فا ذکرها علی ما
فا نطلق زيد حتی اتاها وھي خمیر عجزھا قال فلما رایتھا عظمت
صدری حتی ما استطع ان انظر الیھا ان رسول اللہ ذکرھا فولیتھا
ظھری و نکست علی عقبی فقلت یا زینب ارسلنی رسول اللہ الیک
یذکرک قالت ما انا یما نعتہ شیئاً حتی اوا مر بئ فقامت الی المسجد
ونزل القرآن وجاء رسول اللہ فدخل علیھا بغیر اذن ۱۲ معالم ۔

منافقین کی زبان و رازی

اس واقعہ کے بعد منافقوں نے زبان طعن درازی کی۔ اور کہنے لگے کہ پیغمبر خود تو کہتے ہیں کہ تمہارے بیٹوں کی عورتیں تم پر حرام ہیں۔ اور خود ہی اپنے بیٹے کی عورت سے نکاح کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان بد باطنوں کے جواب میں ارشاد فرمایا مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولُ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا یعنی محمد تم میں سے کسی کے بھی باپ نہیں۔ وہ تو خدا کے رسول ہیں۔ اور تمہارے کی نبوت ان پر ختم ہو گئی ہے۔ (اُن کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں) اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اور فرمایا مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ تَاْخِرًا أَوْ سَآءًا فَإِنْ عَلِمَ النَّبِيُّ مِنْكُمْ شَيْئًا يَكُنْ مِنَ الْظَالِمِينَ یہ جو مشہور کیا ہے کہ آنحضرت کی نظر زینبؓ پر پڑ گئی۔ اور آپ کے دل ادھر متعلق ہو گیا۔ اور فرمایا سُبْحَانَ مَقْلَبِ الْقُلُوبِ یہ اور اس کے مانند جو کچھ منافقوں نے آنحضرت علیؓ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اس باب میں نقل کیا ہے بالکل کذب افتراء ہے۔ اہل ایمان کو زینہار اُس پر یقین نہ کرنا چاہئے۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ بعض علمائے متاخرین نے اس قصہ کی بنا پر مذہب کو فروغ دینا چاہا ہے۔ اور اس پر نکاح کیا ہے کہ جس عورت پر آنحضرت کی نظر پڑ جاتی۔ وہ اپنے خاوند پر حرام ہو جاتی۔ اس بات کی کتاب سنت میں کوئی اصل نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگوں نے اپنے حسن ظن سے اس قصہ کے ایراد میں اصحابِ تفاسیر کی نقل پر بھروسہ کر لیا ہے۔ حالانکہ دو وجہ سے یہ بیان محلِ مواخذہ ہے۔ اول یہ کہ یہ حدیث اس وجہ پر کوئی اصل نہیں رکھتی۔ اور کسی معتمد ناقل نے اس کو نقل نہیں کیا ہے دوم یہ کہ اجتہاد و امان کرنا چاہئے جہاں اس کی ضرورت ہو۔ اور یہاں اجتہاد کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے بلکہ اُس سے خاموش رہنا واجب ہے۔

۱۔ تعجب ہے کہ مفسرین نے کیوں اس طرح اس قصہ کو بیان کیا۔ جو شانِ نبوت کے منافی ہے۔

اس باب میں علمائے متاخرین کی غلطی

جو لوگ علم نقل کئے تناساں ہیں۔ انہوں نے اس حدیث کو کتابِ سنت سے نہیں بلکہ مغتریات زمانہ سے کہا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی عادت کی موافق اپنے پیشوایانِ دین کے حق میں کہتے ہیں کہ اگر ان میں سے کسی کی نظر ان کی عورت پر پڑھ گئی۔ تو شوہر کو واجب ہے کہ اپنی زوجہ کو اس کے لئے چھوڑ دے۔ فَلَا جَزَاءَ لَهُمُ اللَّهُ عَنْهُنَّ إِلَّا سَلَامٌ وَ أَهْلٌ خَيْرٌ ۝

آنحضرت کی نزاہتِ نظر پر ایک سچی نقل

ہم اس مقام پر ایک نقل درِ سنت کا تحریر کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ جس سے پورے طور پر آنحضرتؐ کی پاکیِ نظر نامحرم سے اور آپؐ کی نفیِ نظر ایسی چیزوں سے جو خیانت سے مشابہ ہوں۔ اگرچہ فی نفسہ خیانت نہ ہو روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ وہ یہ کہ جب آپؐ اپنے تختانہ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو آپؐ نے مکہ میں چند آدمیوں کا خون بہانا مباح فرمایا اور کہا کہ اگر یہ لوگ غلافِ کعبہ کو بھی پکڑیں تو ان کو نہ چھوڑو۔ اور قتل کر ڈالو انہیں میں سے ایک عبداللہ بن سعید بن ابی سرج تھے۔ فتح مکہ کے روز حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا ہاتھ پکڑے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائے۔ کیونکہ وہ ان کے رضائی بھائی تھے۔ اور حضرتؐ سے عرض کیا حضور علیہ السلام کو ہاتھ دیجئے تاکہ آپؐ سے بیعت کر لیں چند مرتبہ اسی طرح عرض کیا۔ اور حضور علیہ السلام خاموش رہے۔ آخر بڑے اصرار و اہلاج کے بعد ان کی بیعت قبول کر لی پھر مجمع کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ میں اس لئے خاموش تھا کہ تم میں سے کوئی شخص اٹھ کر عبداللہ کی گردن مار دے۔ کسی انصاری نے کہا اے حضورؐ آنکھ سے کیوں نہیں اشارہ کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا کسی پیغمبر کو زیبا نہیں کہ اس کی آنکھ متضمن خیانت ہو۔ مَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَكُونَنَّ لَهُ خَائِنَةٌ إِلَّا عَلَيْهِ ۝

جب آپؐ نے اسے امر کے مضا کے لئے جو دین کی رُود سے ٹھیک و ثواب تھا۔ آنکھ سے اشارہ کرنا پسند نہ کیا۔ اور اس کو اپنے حق میں خیانت

شمار کیا۔ صرف اس وجہ سے کہ وہ مشابہ بخیانیت تھا۔ تو مسلمانوں کو کب جائز ہے کہ آپ کے حق میں بروجہ مذکورہ نامحرم کی طرف نظر کرنا درست سمجھیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ نے بے قصد نظر ڈالی۔ اور دل میں اس کا اثر ہو گیا۔ تو ایسا اعتقاد کیوں نہیں کیا جاتا کہ عصمت الہی نے آپ کو تمام وکسال نظر بجانب نامحرم سے معصوم رکھا۔ خدا کی عصمت بالکل آپ کے اختیار میں تھی۔ آپ جو کچھ فائز تھے اور جو فعل آپ سے صادر ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی عصمت آپ کے ہمراہ رہتی *۔

میں نے قرآن حکیم میں آنحضرتؐ کی پاکی نظر پر ایک لطیف اشارہ پایا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک امر ناپسند اور ناخوب کے آپ کی نظر کو زاہت کاملہ حاصل تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّونَ أَبْصَارَهُمْ مِمَّنْ سِوَاهُ مَا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ كِبَاسَ السُّرُورِ وَكَسِبَ الْأَسْبَاطِ وَكَأَنَّهُمْ لَا يَصْغُرُونَ (مائدہ ۵۴)۔ اگرچہ مراد اس سے اُمت ہو۔ چنانچہ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ خدا کے ساتھ دوسرے کو شریک نہ کر۔ اور فرمایا۔ أَمَّا يَبْتَغِشَ غَدَاةَ الْكَاذِبِينَ (احزاب ۵۸)۔ اور نہ ان کو جھوٹا کہنا اور ان سے نرمی کی بات کرنا۔ اور رحمت سے اپنے بازو ان کے لئے نیچے کر لینا۔ اور کہنا اے پروردگار میرے ماں باپ پر رحم کر جس طرح انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا پالا۔ اس کے نظائر قرآن میں اس سے زیادہ ہیں کہ ان کے استشہاد کی ضرورت ہو *۔

اب ہم کہتے ہیں کہ اوپر کی آیت میں خدا تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو فرمایا کہ اُمت سے کہدو کہ کہیں کہ ایسا کریں۔ تاکہ کوتاہ نظروں کو آپ کے زاہت نظر کی بابت کوئی اشتباہ نہ رہے۔ اور یاد رکھو کہ رسول خدا

کا نفس اُن کے حکم کا مطیع تھا۔ اور ہوائے نفسانی کو آپ پر مطلق غلبہ و انتیہ نہ تھا۔ اور اُن کا ہمزاد یعنی جن جو ہر شخص کے ہمراہ رہتا ہے۔ آپ کا مسخر و منقاد تھا سوائے خیر کے کسی جانب میل نہ کرتا۔ **صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ** والہ و سَلَّمَ اَفْضَلُ مَا صَلَّى عَلَى النَّبِيِّ مِنْ اَنْبِيَائِهِ وَ مُسْلِمٍ

انہی میں سے ناقابل اعتقاد تِلْكَ فَسَ اِنْبِئُ الْعُلَى دانی حدیث ہے۔ جس کو راویوں نے تفاسیر میں یاد کیا ہے۔ اس حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ رسول خدا نمازیں سورہ والنجم پڑھے تھے۔ جب اس مقام پر پہنچے **اَفْرَآيْتُمُ التَّلَاتِ وَالْعُشْرَى وَمَنَاقِدَ انْشَارِثَةِ الْاَحْزَامِ** تو شیطان نے آپ کی زبان میں **وَالَا تِلْكَ الْغُصَّ اِنْبِئُ الْعُلَى وَاِنَّ شَعَاعَتَهُنَّ لَنَزَّاجِحٍ** اس حدیث کو آئمہ حدیث سے کسی امام نے ایسے طریق پر نقل نہیں کیا۔ جو قابل حجت ہو۔ ہاں اس حدیث کو سعید بن جبیر سے نقل کیا گیا ہے۔ اور اُس کا یہ حال ہے کہ سعید بن جبیر کا راوی کتا ہے۔ لا اہلہ الا من ابن عباس یعنی میں اس حدیث کو جو سعید بن جبیر نے روایت کیا ہے۔ نہیں جانتا مگر ابن عباس سے۔ اور ایسی محدود روایت سے ایسے بڑے قضیہ کو ثابت کرنا بالکل درست نہیں۔ باوجود اس کے کتب تفاسیر میں اس حدیث کو لوگوں نے سعید بن جبیر سے ہی روایت کیا ہے۔ اور انہیں تک روایت کو پہنچایا ہے۔ اور سعید بن جبیر وہ شخص ہیں کہ عدالت میں ان کا حال مجہول ہے۔ اور اگر یہ حدیث اسناد پسندیدہ سے بھی پائی جاتی تو بھی قابل حجت نہ ہوتی۔ کیونکہ یہ احاد سے ہے۔ اور حدیث احاد موجب علم نہیں ہو سکتی۔ فکیف کہ اُس میں کثرت سے کلام و گفتگو ہو۔ اور باچندین علت اصول دین کے بھی منافی ہو، اس واسطے کہ ہرگز روا

۱۔ صحیح مسلم میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر ہمراہ اُس کے اپنے منہ میں اُس کا جنوں میں سے اور ایک منہ میں اس کا فرشتوں سے میں کیا گیا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ آپ کے لئے بھی یا رسول اللہ فرمایا ہاں میرے لئے بھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر مدد دی۔ وہ مطیع (یا مسلمان) ہو گیا۔ (حدیث میں لفظ **فَاَسَلَّمْتُ** درج ہے) وہ بھلائی کے ساتھ مجھ کو حکم کرتا ہے۔

نہیں کہ شیطان کے القاء کو آنحضرت ﷺ تلفظ کریں۔ شیطان کو آپ پر بالکل قدرت و غلبہ نہ تھا۔ اور اس لئے بھی نادرست ہے کہ آنحضرت ﷺ کو القاء شیطان اور وحی جبرئیل میں کامل تمیز حاصل تھی۔ اگر تمیز نہ ہوتی۔ تو قرآن غیر قرآن سے کس طرح ممیز ہوتا۔ پھر حالت نماز میں یہ بات بطور اولیٰ ناممکن ہے کہ آپ محض ایک گمان پر ایسے الفاظ پڑھ جاویں۔ جو قبیل کفر سے ہوں۔ *

اس اعتقاد کا فساد دین اسلام میں سخت ظاہر ہے۔ اور اس قول کا بطلان کسی ایسے شخص سے جو کچھ بھی فہم و درایت رکھتا ہو مطلق پوشیدہ نہیں ان ناقلاں سادہ دل سے تعجب ہے کہ ایسی حدیث کو اپنی کتابوں میں نقل کر دیا ہے۔ اور اس ضمن میں کیا بلحاظ دین اور کیا بطریق نقل جو خلل موجود ہیں اُن کا اندیشہ نہیں کیا۔ انہوں نے اتنا بھی خیال نہیں کیا کہ خداوند تعالیٰ نے اس صورت کی ابتدا میں قسم کھا کر اس بات کو یاد کیا ہے کہ تمہارا پیغمبر گمراہ نہیں ہے۔ اور ہوائے نفس سے کوئی بات نہیں کہتا ہے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے وہ وحی ہے۔ جو اُس کی طرف بھیجی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا وَ النَّجْوَا إِذَا هُوَیَ مَا مَنَّلَ صَاحِبِکُمْ وَمَا عَوَىٰ وَمَا یَنْطَلِقُ مِنَ النَّهْوِیٰ اِنَّ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی ہ پس کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ نماز ہی میں جب یہی ضرورت پڑھ رہے ہیں۔ شیطان بعین آپ پر القاء کرے۔ اور کلمات کفر آپ کی زبان سے ادا ہوں۔ تعالیٰ اللہ عَنْ ذَالِکَ وَ جَلَّ مَنْصِبُ رَسَالَتِهِ عَنْ مِثْلِ هَذِهِ الْهَفَوَاتِ *

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں جو کچھ رسول اللہ ﷺ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سُنتا اس کو لکھ لیا کرتا تھا۔ قریش مجھے منع کرتے اور کہتے کہ رسول اللہ ﷺ علیہ وآلہ وسلم بشر ہیں۔ کبھی حالت رضا میں اور کبھی حالت سخط میں باتیں کرتے کرتے ہیں۔ تو ہم آپ کی ہر ایک بات مرت لکھا کر دے۔ (مراد یہ ہے کہ انسان

سے معاملہ بالشرع میں ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ یہ القاء نمازیں ہوتا۔ اور بعض کہتے ہیں نماز کے باہر ہوتا۔

یہ قصہ اس طرح جھوٹا ہے

جب حالت غضب میں ہوتا ہے تو اس کی زبان سے ناقابل اظہار باتیں نکل جاتی ہیں۔ پس ہر قسم کی بات کو لکھنا ٹھیک نہیں ہے، عبد اللہ کہتے ہیں میں نے یہ حال پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا اے عبد اللہ جو کچھ مجھ سے سنو لکھ لیا کرو۔ مگر اُس نے اتنے پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے۔ سوائے حق کے اس سے کچھ باہر نہیں نکلتا۔ اور آپ نے اپنے دامن مبارک کی طرف اشارہ فرمایا حدیث کے لفظ یہ ہیں اَلْکُتُبُ هُوَ الَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بَيْنَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْهُ اِلَّا الْحَقُّ وَ اِشار الی خدا۔ پس ایسی حدیث جس کے متعلق یہ معلوم نہیں کہ اُس کو کس نے نقل کیا۔ اور کس طرح نقل ہوئی۔ ایک ایسی جیت۔ اور متین حدیث کے مقابلہ میں جس میں رسول خدا نے خود خبر دی کہ میرے مُنہ سے سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے۔ اور کس طرح درست ہوگا۔ اگر قائل کسے اکثر مفسرین نے ذیل کی آیت کے تحت میں اسی طرح اُس کی تفسیر کی ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ اِلَّا اِذَا تَمَنَّيْنَا النُّفْيَ الشَّيْطَانُ فِيْ اَمْنِيَّتِهِ جَوَاب یہ ہے کہ اس آیت سے یہ کہاں ثابت ہے کہ شیطان نے بُری بات رسول خدا پر القا کی۔ آیت کی تفسیر اگر لفظ تلاوت سے کریں۔ تو معنی آیت کے یوں ہوں گے کہ تمہارے قبل ہم نے کوئی رسول اور کوئی نہیں بھیجا۔ مگر وہ جب کبھی خدا کا کلام پڑھتا ہے تو شیطان اُس کی تلاوت میں کوئی شے ڈال دیتا ہے۔ اب یہ القادوس سے ہو سکتا ہے۔ لفظ کی رو سے یا معنی کی رو سے۔ معنی کی رو سے القا کے معنی یہ ہیں کہ شیطان اپنی تاویلات فاسدہ اور توہیات نفسانی سے تلاوت کو اُن پر مشتبہ کر دیتا ہے۔ اور اگر از روئے

۱۔ تمنی کے دو معنی ہیں۔ قرات اور آزدی دلی۔ یہاں دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ اے رسول! ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا۔ مگر ان کو یہ پیش آیا کہ جب انہوں نے کچھ تمنا یا قرات کی تو شیطان نے ان کی تمنا یا قرات میں کچھ ڈالا۔

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَنَا تَبَّ

لفظ ہو تو اتقا کے یہ معنی ہیں کہ جو چیز اصل الفاظ سے نہیں ہوتی شیطان اُس میں ملا دیتا ہے۔ پس خدا اپنے کلام کو شیطان کے الفاظ سے نکال رکھتا ہے۔ اور اتقا سے شیطان کو محو و ناچیز کر دیتا ہے یعنی خدا کا فرمودہ محفوظ رہتا ہے۔ اور شیطان کا اتقا نابود ہو جاتا ہے۔ اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ مذکورہ بالا آیت تِلْكَ الْغُرَابِيُّ الْعَلِيُّ الخ کے تفسیر کے متعلق نازل ہوئی ہے طریق ثواب یہ ہے کہ تاویل اُس کی اس وجہ پر کریں کہ جب آنحضرتؐ اس مقام پر پہنچے اَمَرَ اَنْ يَتْلُوَ التَّلَاثَ وَالْعَشْرَ وَمَا اَرْسَلْنَا الْاَكْثَرَ اِلَّا شَيْطَانٌ مَّلْعُونٌ نے اس طرح آواز کی تِلْكَ الْغُرَابِيُّ الْعَلِيُّ الخ مشرکوں نے اس آواز کو سنا اور اپنے قصور و فہم و نظر کے سبب یہ خیال کیا کہ آنحضرتؐ ہی پڑھ رہے ہیں۔ بایں خیال خوشنود ہوئے۔ اور اس بات کو پھیلا دیا۔ اور حضرت نبی کریمؐ علیہ السلام اس امر سے ملول ہوئے خدا تعالیٰ نے آپؐ کی تسکین خاطر کے لئے یہ آیت نازل فرمائی وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلٍ وَلَا يَنْفِي الْاَخِرَ اس حدیث کی اگر کوئی اصل ہو تو اس طرح اُس کی تاویل کرنا چاہئے۔ تاکہ مخالف کتاب و سنت و اصول دین کے نہ ہو۔ اور اگر یہ درست ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا کہ اَللّٰهُ عَلِيُّ لَيْسَ اَيْہ تو مراد لسان سے نعت ہوگی یعنی شیطان نے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت میں القا کیا۔ چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

تیسری فصل

رسالت خاتم الانبیاءؐ اور آپؐ کے معجزات کے بیان میں

خدا تعالیٰ نے ابتدائے نبوت میں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک فرشتہ کو موحی کیا تھا۔ تاکہ آپؐ کو ضروریات دین اور طریق عبودیت

سے آگاہ کرتا ہے۔ اور حدیث اس طرح آئی ہے۔ فَكَانَ يُعَلِّمُهُ الْكَلِمَةَ
وَالْكَلِمَتَيْنِ یعنی فرشتہ آپ کو ایک ایک دو دو باتیں تعلیم کرتا تھا
اُن دنوں آپ کو سچے خواب دکھائی دیتے تھے یہ نبوت تھی جو بعد اس کے
جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آئے۔ اور آپ کو کہا کہ اہل مکہ کو توحید کی
طرف دعوت کریں۔ اب نبوت کے ساتھ رسالت بھی شامل ہو گئی۔ آپ کی
دعوت میں چند چیزیں ایسی تھیں۔ جو دوسرے انبیاء کی دعوت میں موجود نہ
تھیں۔ اول یہ کہ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو تمام انس و جن کی ہدایت کے لئے
بھیجا ہے۔ اور میری دعوت قیامت تک اُن پر جاری رہیگی۔ دوم یہ کہ
آپ کی شریعت آخر و اکمل شرائع ہے۔ سوم یہ کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں۔
نبوت کا دروازہ آپ کے بعد مسدود ہو گیا ہے۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔
چنانچہ حدیث درست سے ثابت ہے۔ لَا نَبِيَّ بَعْدِي آپ کی دعوت و
رسالت کے متعلق آپ کے ظہور کے پہلے بذریعہ انبیاء سابق اطلع دی
جا چکی تھی۔ اور اُس علم میں جو اُن میں منثورات چلا آتا ہے صاف تصریح
کر دی گئی تھی کہ پیغمبر آخر الزمان مبعوث ہوگا۔ اس کی نبوت تمام انس و
جن کے لئے یکساں ہوگی۔ وہ خاتم الانبیاء ہے۔ اُس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا

۱۔ کرب معتبرہ میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف قریب چالیس سال
کے ہوئی اور ظہورِ قدسی کا وقت قریب آیا۔ تو آپ رات دن خدا کی یاد میں محو رہتے۔ غار حرا میں سچے
اور کئی کئی روز وہیں رہ کر یا خدا میں مشغول رہتے۔ اور غور و فکر کرتے تھے۔ اسی زمانہ کو تلاش
حق کا زمانہ کہا گیا ہے۔ چنانچہ وَوَجَدَ لَهُ صَبَاحًا فَجَدَّی یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے
رسول کریم ہم نے تم کو اپنی تلاش میں سرگرم اور غلطان و پیچان پایا تو ہم نے تم کو اپنی طرف
رہنمائی کی۔ اس قسم کی ایک حدیث بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی
ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو ابتداء میں وحی مشرور ہوئی۔
تو وہ روایہ صالحہ کے طور پر معنی۔ ہر ایک روایہ جو آپ دیکھتے وہ صبح کی سفیدی کی طرح صاف
اور بین طور پر پوری ہوتی۔ اور آپ کو خلوت اور تنہائی میں رہنا پسند ہوتا۔ پس اب غار حرا میں جاتے
اور وہاں کئی کئی رات تک عبادت کرتے۔ پھر گھر آتے اور اپنے ساتھ کچھ زاد لے جاتے۔ جب ہنتم ہوتا
تو پھر قہر بخیر سے آکر اتنا ہی زاد لیتے۔ آپ اسی حالت میں تھے کہ آپ کے پاس حق آگیا۔ اور اسی وقت
آپ غار حرا میں تھے ۱۲۰ منہ

اس کا دین تمام ادیان سے بہتر اور اس کی شریعت جملہ شرائع کی ناسخ ہوگی
یہ تمام باتیں آپ کے دعوے کی حجت تھیں۔ اس کا علم اہل کتاب کو پہنچ چکا
تھا۔ مگر وہ باوجود اس علم کے آپ کے زمانہ میں آپ کے دشمن ہو گئے۔
حالانکہ آپ کے ظہور کے پہلے ان بشارات کو نقل کرتے تھے۔ اور ان بشارات
کی صحت کی گواہی دیتے تھے۔ اور ان کے علما کہا کرتے تھے کہ اہل
مکہ سے نبی آخر الزمان کے ظہور کا وقت قریب آن پہنچا ہے۔ آپ کے قرب
ولادت کے ایام میں عجیب نادر نشانات ظاہر ہوتے تھے۔ چنانچہ بابا بیلوں
کی کنکریوں سے اصحاب الغیل کی ہلاکت اور بنوں کا اونٹھے منہ زمین پر گرنا
جن کو مشرکین مکہ پوجتے تھے۔ اور بحیرہ سادہ کا پانی خشک و غائب ہو جانا
اور ایوان کس کے چوڑے کنگرے کا گرنا۔ اور آواز مائے سراقہ کا گوش زد ہونا
اور کاہنوں کا اتفاق کرنا اس مر پر کہ حادثہ عظیم عالم میں ظہور کرے گا کہ اس
کے سبب جنوں کو اخبار سمدی کی خبر منع ہو جائے گی وغیرہ وغیرہ از آیات
کثیرہ اور دعوت کے بعد جو آپ سے معجزات ظاہر ہوئے وہ حد اخصا دشما
سے باہر ہیں۔ ان میں سے ایک شق القمر ہے۔ دوسرا سنگریزوں کا آپ کے
ہاتھ میں تبسح کرنا۔ تیسرا یہ کہ آپ کی انگلیوں سے اس قدر پانی نکلا کہ ڈیڑھ
ہزار اصحاب کے قریب اس سے سیراب ہوئے۔ اور سب نے وضو کیا۔ اور بہا
کو پانی پلایا۔ اور بقدر حاجت بھر رکھا۔ چوتھے یہ کہ ستونِ حنا نے آپ کی
جدائی میں نالہ کیا۔ یہ ایک چوب تھا۔ کہ حضور اس پر تکیہ کر کے خطبہ پڑھا کرتے
تھے۔ جب ممبر بنایا گیا تو آپ منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنے لگے۔ اس امر
سے حکم رب و اجلال چوب مذکور نے باہر از بند تالہ کیا حتی کہ صحابہ کرام
نے مستموع کیا۔ پانچویں یہ کہ آپ کی دعا کی برکت سے قلیل کھانا زیادہ
ہو گیا۔ جس سے تمام لشکر کو کفایت المونت حاصل ہوا۔ پھٹیوں یہ کہ ذراع
گو سفند نے جو زہر آلودہ تھی۔ آپ کو مطلع کیا کہ مجھے تناول نہ کیجئے دشمنوں
نے مجھ میں زہر ملا دیا ہے۔

ایک قسم معجزات آنحضرت کی وہ ہے جس میں آپ نے آئندہ زمانہ

کی خبریں دی ہیں کہ فلاں وقت میں ایسا ہوگا۔ اور ویسا ہی ہوا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا تھا کہ کسے اقصیٰ کے خزانہ اللہ کی راہ میں خرچ ہونگے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ اور سراقہ کو فرمایا کہ کسے کے دونوں ہاتھ خدا تیرے ہاتھ میں دیگا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ اور آپ نے کہ دین و شام و عراق کی فتح کے متعلق جس ترکیبے خبر دی تھی۔ اسی ترتیب مقامات مذکورہ کی فتح واقع ہوئی۔ اس قسم کے معجزات بھی شمار سے افزون بالا تر ہیں۔ ایک علمائے سلف نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت کے اعلام نبوت ہزار تک پہنچتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس سے زیادہ ہوں۔ اور ان کی اطلاع عالم مذکور کو نہ پہنچی ہو۔ یہ اعلام نبوت و رسالت کئی قسم ہیں۔ بعض متواتر ہیں۔ جن کو قطع کرنا درست ہے۔ اور بعض معجزات ایسے ہیں کہ جماعت کثیر نے ان کو نقل نہیں کیا ہے۔ اور وہ اخبار احاد سے ہیں ان کے جنس میں بطریق معنی تو اترا ثابت ہے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ جو اخبار اس قسم کے ہیں۔ ان میں باعتبار توازن و تدبیر عجائز کے نظر ہے۔

قرآن حکیم سب سے بڑا معجزہ

اور حضرت رسول کریم کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے کہ اس کی جانب زوال و انقطاع کو راہ نہیں۔ اور وجوہ تو اتر سے کوئی خبر قرآن کے مرتبہ کو نہیں پہنچی۔ مذہب گذر گئی کہ حق تعالیٰ کی یہ آواز خاص عام کے کانوں میں گونج رہی ہے کہ اے محمد مخالفین سے کہدو کہ اگر میں یہ قرآن اپنی طرف سے بنا کر کہتا ہوں۔ تو تم اس کی مثل دس سو تہیں بنا کر لاؤ۔ پھر فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو اس قرآن کی مثل ایک ہی سورت بنا لاؤ۔ پھر فرمایا کوئی حدیث تو اس کی مانند لاؤ۔ غرض بار بار خدا نے بتوسط اپنے پیارے حبیب کے مخالفین کو قرآن کی مثل بنالانے کا چیلنج دیا۔ مگر کسی سے آج تک ایک سورت بھی اس کے مثل نہ بن سکی۔ آنحضرت کی نبوت کا یہ نہایت عظیم شان معجزہ ہے۔ اس مسئلے کے قرینہ جو آپ کی قوم تھی۔ اور پہلے پہل انہیں سے

خطاب تھا۔ یہ لوگ فصیح و بلیغ اور سخندان لغت تھے۔ اور آنحضرت جو کچھ پڑھتے تھے اُس کے معارف و حقائق کو خوب سمجھتے تھے۔ اور یہی لوگ آپ کی دشمنی میں سب سے زیادہ حصہ لیتے۔ اور آپ کی ہلاکت میں سب سے بڑھ کر کوشش کرتے تھے۔ اُنہوں نے آپ کی محاربت میں بے انتہا مال خرچ کیا۔ اور اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈالا کہ کسی طرح آپ پر غالب ہوں۔ پھر جب اُن سے کہا گیا کہ اس قرآن کی نسبت ایک سورت ہی بنا کر لاؤ۔ تو اُس کے جواب سے قریش پہلو تہی کرتے تھے۔ اور اُن سے ممکن نہ تھا کہ قرآن کی مثل بنا کر لائیں وہ کہا کرتے تھے کہ قرآن سحر و جادو ہے۔ اور کذب و دروغ ہے۔ اگر اُن سے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔ قرآن کی ایک چھوٹی سی سورت کا معارضہ ممکن ہوتا۔ تو ناحق اپنی جان مال کو ہلاکت میں کیوں ڈالتے۔ اور گونا گوں کوششیں آپ کی ہلاکت میں کیوں کرتے۔ اس واسطے کہ بشرط امکان قرآن سے معارضہ کرنا اور اُس کی مثل ایک سورت ہی بنانا اس سے زیادہ آسان ہے کہ بدل مال اور ترک وطن اور مفارقت یار و دیا کی حاجت پڑے۔ پھر جب اُن سے قرآن کا مقابلہ نہ ہو سکا۔ اور چھوٹی سی سورت بھی مثل قرآن کے نہ لاسکے۔ پس ہر امر کی بڑھان قاطع ہے کہ کوئی شخص بھی قرآن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور یہ کہ قرآن کلام خدا اور آنحضرت کا زندہ معجزہ ہے۔ جو قیامت تک باقی رہیگا۔ اور ہرگز نہرگز کبھی اور کسی زمانہ میں عربی کے بڑے بڑے عالم و فاضل سے اس کا جواب نہ بن سکیگا۔ کیونکہ جس طرح حضور نے قریش سے یہ خطاب کیا تھا۔ اُسی طرح یہ خطاب ہمیشہ اور اب بھی تمام دنیا کے فضلا و علما علوم عربیہ اور فصیحان و بلیغان اور زبان دان لغات عرب سے ہے۔ مگر نہ آپ کے زمانہ میں قرآن کا جواب ہو سکا اور نہ آپ کے بعد اب تک باوجودیکہ ہر قرن میں عربی کے بڑے بڑے ماہرین سے جو دین اسلام کے بھی مخالف تھے۔ اُس کا جواب ہو سکا۔ اور انشاء اللہ آئندہ قیامت تک بھی نہ ہو سکیگا۔ اگرچہ مخالفین اپنی ابرطی چوٹی کا زور خرچ کر ڈالیں۔ یہ واقعات ہیں۔ جن سے صاف طور پر یقین

ہوتا ہے کہ قرآن کریم جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عظیم نشان
معجزہ ہے۔

وجہ اعجاز

قرآن کریم کے وجوہات اعجاز چند طریق پر ہیں۔ جن کو علامہ اے
کرام نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ اور ساتھ ہی ایک وجہ کی تریح
دوسری وجہ پر ثابت کرتے گئے ہیں۔ ہمیں ان تمام کے نقل و بیان کی ضرورت
نہیں۔ ان میں چند ضروری اور صاف و صریح ہیں۔ اس مقام پر بیان کیا
جاتا ہے۔

اعجاز قرآن کی پہلی وجہ

ادل وجہ اعجاز قرآن کی یہ ہے کہ وہ ایسی دلچسپ اور موثر عبارت
اور عمدہ ترتیب اور نظم نسق پر واقع ہوا ہے کہ کوئی انسانی کلام اور
سخن عرب اس کی مثل اور اس کے مرتبہ کا نہیں پایا جاتا۔ یہی سبب ہے کہ پہلے
بھی اور اب بھی فصحاء زمانہ سے جو فصیح و بلیغ انشاء پرداز اور قادر کلام
شخص قرآن پاک کی آیات پڑھتا یا سنتا۔ تو صاف لفظوں میں اعتراف
کرتا کہ اس قسم کا کلام خلق سے معهود نہیں ہے۔ اور بلا شک یا ایسا کلام
ہے۔ جس کا مقابلہ و معارضہ کلام انسان ہرگز نہیں کر سکتا۔

دوسری وجہ

دوسری قسم اعجاز کی یہ ہے کہ قرآن کریم حالات آئندہ سے باوجود
اس کے غیر موجود اور معدوم ہونے کے اور باوجود اس کے کہ اس کا شان
گمان تک نہیں ہوتا۔ سچی خبر دیتا ہے۔ اور ویسا ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ آیتہریف
لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ اللَّهُ اَمِيْنُ الْمُؤْمِنِيْنَ رُوْى سَكْرٌ
وَمَقْصِيْرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ اَوْ جَبِيْءًا كَسِيْهِيْنَ اَمْ الْجَمْعُ وَلَوْ اَلَدَّ هَا

اور جیسا کہ اللہ عَلَیْہِ السَّلَامُ فرماتا ہے اَوْتِیَ الْاَرْمَنِ اور جیسا کہ ہُوَا الَّذِی
اَرْسَلَ رَسُوْلَهُ یَا الْہُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْہِرَہٗ عَلٰی الدِّیْنِ
کُلِّہٖ۔ اور جیسا کہ وَاِذْ یَعِدُّ کُمْ اللّٰہُ اَحَدٰی الظَّالِمِیْنَ الخ یہ
اور جتنے وعدے قرآن کریم میں بیان ہوئے۔ خدا کے فضل سے موافق
اخیار و مواعد کے ہی واقع ہوئے۔

تیسری قسم وہ عجاظ کی یہ ہے کہ الفاظ موجز و مختصر میں معانی کثیرہ
بیان ہوئے ہیں۔ جن سے بعض علما وقف نہیں ہیں۔ اور اکثر علما ان سے
پوسے و تھنسے و آگاہ ہیں۔ اور علمائے سلف نقل کرتے ہیں کہ جناب رسول خدا
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام سنتیں قرآن کریم کی طرف راجع ہیں۔ اور تمام
سنن کی اصل قرآن کریم ہے۔ ان باتوں کا اور اک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کو یہ جو اکمل و حسن تھا۔ اب معلوم ہوا کہ قرآن کریم کئی طرح سے معجز ہے۔ نظم
سخن کی وجہ سے کوئی بشری کلام اس کے مشابہ نہیں۔ قرآن کریم میں جو چیزیں
ہیں۔ ان میں سے ہر ایک برے لفظ و معنی علی الانفس و معجز ہے۔ قرآن کریم
کے لفظائے موجز و معانی کثیرہ پر دال ہیں۔ وہ سب معجز ہیں۔ تمام قرآن
معنی کے طریق سے معجز ہے۔ اس وجہ سے کہ بعض قرآن بعض کا مصداق
سے۔ اور عجاظ کی ہر ایک قسم معاون ہے دوسری قسم کے ۔

قرآنی معجزہ کا مقابلہ حضرت عیسیٰ کے معجزات سے

علمائے ربانی فرماتے ہیں کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
قرآن کو معجزہ کے طریق پر لانا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مردہ کے زندہ
کرنے سے وراثت نبوت میں زیادہ صاف روشن تر ہے۔ کیونکہ قرآن ایسی
قوم پر آیا جو اہل بلاغت و فصاحت اور صرف سخن پر پوسے قادر تھے۔
اور باوجود اس کے کہ وہ صرف سخن پر قدرت رکھتے تھے۔ قرآن کے معارضہ
اور اس کے منش کے لانے سے بالکل عاجز رہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام
مردہ زندہ کرنے کا معجزہ ایسی قوم پر لائے کہ وہ ہرگز اجاب موتی کی قدرت

نہیں رکھتے تھے۔ قریش کو ہرگز توقع نہ تھی کہ کوئی شخص ایسا بلیغ کلام لائیگا جس کے معارضہ سے وہ عاجز ہوں گے۔ پس وہ خلاف توقع قرآن کے معارضہ سے عاجز ہو گئے۔ غرض قرآن کریم کی مثل کسی پیغمبر کو معجزہ نہیں دیا گیا۔ اُس کی خصوصیت یہ ہے کہ دوسرے انبیاء کرام کو معجزہ بروقت طلب تھری دیا جاتا تھا۔ یعنی پہلے سے انبیاء معجزہ سے واقف نہ ہوتے تھے۔ جب تو م اُن سے معجزہ طلب کرتی تھی۔ تو خدا تعالیٰ انبیاء کے ہاتھ پر مطلوبہ معجزہ کو ظاہر کرتا تھا۔ پھر جب حجت ثابت ہو گئی۔ تو وہ معجزہ مرتفع ہو جاتا۔ اور یا زیادہ سے زیادہ انبیاء کی حیات تک باقی رہتا تھا۔ اور انبیاء کے بعد اُن معجزوں کا صرف ذکر اُمتوں کے درمیان باقی رہتا تھا۔ اور قرآن جو نبیہ معجزہ ہے۔ بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی درمیان اُمت کے ویسا ہی محفوظ اور باقی ہے۔ اور قیامت تک اُس کی حجت جاری و باقی رہیگی اُس پر قناروا نہیں ہے۔

قرآن کریم میں دعوت اور حجت دونوں ہیں

ایک عجیب بات یہ ہے کہ پیغمبر جب دعوت پر مامور ہوتے ہیں تو اُس کے بعد صحت و دعوت کے لئے اُن کو معجزہ بطور حجت عطا ہوتا تھا۔ گویا دعوت اور حجت دونوں چیزیں جدا جدا تھیں مگر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے صرف قرآن کریم میں دعوت و حجت دونوں چیزیں جمع کی گئیں قرآن مہدی کے لحاظ سے دعوت ہے۔ اور وجہ بلاغت کی رو سے معجز اور حجت دعوت ہے۔ پس اُس کی حجت بھی اُس کے نفس میں ہے۔ اور دعوت بھی اُسی میں ہے۔ اور قرآن کے لئے یہ شرف و فضل کتنا پسندیدہ ہے کہ ایک ہی چیز میں دعوت و حجت دونوں جمع ہیں۔ اور دونوں قیام قیامت تک ایک دوسرے جدا نہ ہوں گی۔ بعض ایسے سادہ دل اشخاص ہیں جن کی فہم و درایت ان معجزات کی حقیقت حلقہ سمجھنے سے قاصر ہے۔ لہذا اہم اُن کے سامنے ایک عمدہ دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی

پیش کرتے ہیں۔ اور یہ وہ دلیل ہے کہ کسی نبی کے بڑے سے بڑے معجزہ سے اعلا و بالا تر ہے۔ وہ دلیل حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات زندگی ہیں۔ جن پر غائر نظر کرنے سے فوراً آپ کی نبوت کی صداقت کا یقین ہو جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ آپ ابتداء میں ایک یتیم تھے۔ نہ آپ کو کوئی قوت حاصل تھی جس کے درجہ لوگوں کو اپنی بات منوانے نہ صاحب مال و جاہ تھے۔ کہ اُس کی لالچ و طمع سے کہ قریش کو فریفتہ کرتے۔ اور نہ آپ وارث ملک تھے کہ لوگ بطع و روزی و حصول جاہ آپ کی پیروی کرتے۔ بلکہ تنہا و بیچارہ و مددگار تھے۔ کسی شخص کو آپ کی دعوت سے اتفاق نہ تھا۔ حتیٰ کہ اس معاملہ میں آپ کے خویش و اقارب اور قریبی رشتہ دار تک آپ کے مخالف اور دشمن جان تھے۔ باوجود اس کے جب آپ منادی توحید بن کر قریش میں آئے تو آپ کے عزم و استقلال اور آپ کی سچی رسالت و بشارت نے ایک عرصہ تک میں تمام ملک عرب اطراف و جوانب کو جس میں مشرک تثلیث اور بُست پرستی پھیلی ہوئی تھی۔ ایک دم خدا کی توحید کی جانب جھکا دیا۔ اور سب نے مذہب بُست پرستی اور عادات جاہلیت سے کہ مدت سے اُس پر مصر تھے۔ صدق دل سے توبہ کر لی۔ اور انہوں نے اپنے تمام مثالب کو مناقب سے بدل لیا۔ وہ ایسے لوگ اور اُن کا ملک ایسا ملک تھا جہاں مدتوں سے کوئی داعی دین یا صاحب ملک نہیں آیا تھا کہ ان کو لوگوں کا خون بہانے غارت کرنے استباحہ محرمات و زنا اور مردار کھانے اور ایک دوسرے پر ظلم و مہتم کرنے سے باز رکھتا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت ظاہر ہوئی۔ تو یکبارگی اُن کا حال بدل گیا۔ اور سب یکدل و یک زبان دین حق پر متفق ہو گئے۔ اور ایک دم آپ کی طاعت کی طرف دوڑ پڑے۔ اور صفات مکارم اخلاق و محاسن فعال موصوف ہوئے۔ اور خواہشِ نبوی مثل حرص مال و جاہ و طلبِ یاست اور متابعتِ شہوات اور اعتقاد کا ہنساں وغیرہ سب کو چھوڑ دیا۔ اور بجائے اُس کے

نکالیف شرعی اور شفقت درویشی اور مفارقت اہل و عیال خستہ یار کیا۔ اور اپنی جانیں خدا تعالیٰ کی رضا میں بذل کئے بدلوں اس کے کہ اُس میں غرض و شیوی کا ثنائیہ ہوتا ۛ

انسان جب ان حالات اور اس انقلاب عظیم پر غور و تامل کرے۔ تو وہ یقین جان لے کہ ایسے کاروائے نمایاں اختیار عقلی اور تدبیر فکری سے حاصل نہیں ہوتے۔ اور آدمی کی قوت و سعی اس مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتی ہے یہ ایک آسمانی مدد اور خدائی کام ہے کہ اُس کے حکم و تقدیر کے سوا ممکن نہیں۔ اس میں کسب کو کوئی دخل نہیں ہے۔ قرآن کریم بھی اسی جانب اشارہ کرتا ہے کہ **لَوْ اَنفَقْتَ مِمَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَا اَلْفَتْ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ** **وَالْحِکْمَ اَلْفَتْ بَیْنَهُمْ** اے رسول! اگر تم اُن کی موانعت اور موافقت میں زمین کی تمام چیزیں بھی خرچ کر ڈالتے تو اُن میں الفت پیدا نہ کر سکتے۔ لیکن اللہ نے اُن کے درمیان محبت پیدا کی ۛ

دوسرے اس بات پر غور کرتا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے۔ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اور پرورش بھی ایسی قوام میں ہوئے تھے جو آپ کی طرح امی تھے۔ اور وہ شہر بھی ایسا تھا کہ وہاں نہ کوئی اسم گذشتہ کے اخبار کا عالم تھا۔ اور نہ کوئی ایسا صاحب سخن تھا۔ جو اپنی حجت و جدال سے خصم کو خاموش کر سکتا۔ اور نہ کوئی فیلسوف صاحب صنع و ایجاد تھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دوسرے شہر کا سفر کیا تھا۔ اور نہ کسی عالم کو واقف علوم و فنون پایا تھا۔ باوجود ان امور کے جب آپ دعوت توحید کرتے تھے تو انجیل و توریت کے اخبار سے خبر دیتے تھے۔ اور انبیائے گذشتہ اور انہما کے سلف کے واقعات و حالات جیسے گزرے تھے فرماتے تھے۔ باوجودیکہ اُن کے حالات میں مرور ایام اور تخریف اہل کتاب سے بہت کچھ تغیر و تبدل ہو گیا تھا ۛ

پھر آپ ہر ملت کے مخالفین کے مقابل حجت و دلائل لائے اور اپنے دعویٰ پر ایسے پُر زور براہین قائم کئے کہ جہان کے تمام زبرک و غفلانے

جمع ہو کر ان میں ایک نقطہ کا فرق و نقص نہیں نکالا۔ یہ تمام باتیں اس امر کی روشنی دہلیں ہیں کہ خدا کی طرف سے آپؐ کو مورا اور مدد دیا فتنہ تھے۔ اور خدا ہی کا ہاتھ آپؐ کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ قرآن بھی اس جانب اشارہ کرتا ہے۔ اَوْ كَذَّبِكُمْ بِمَا اَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُصَلِّيْ عَلَيْهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّمَنْ خَمَّرَتْ وَاذْكُرْ اَنۡ اِلٰقَدۡمُ يُوۡفِقُوۡنَ ؕ کیا انہیں کافی نہیں کہ ہم نے تم پر قرآن کریم نازل کیا۔ جو ان پر پڑھا جاتا ہے بے شک اس میں یقین لانے والوں کے لئے رحمت و ذکر ہے۔

چوتھی فصل

آنحضرتؐ پر ایمان لانے اور بعض مہماتِ اموی کی تسخیر میں

جناب سرور کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کے معنی ہیں کہ دل سے آپؐ کی رسالت کی تصدیق اور زبان سے اس کا اعتراف و اقرار کیا جائے۔ اور آپؐ کی رسالت پر ایمان لانا حقیقت میں خدا تعالیٰ پر ایمان لانا ہے۔ کیونکہ رسالت پر ایمان لانا پروردگار خدا پر ایمان لانے کے معنی نہیں۔ اس لئے کہ جب فرستادہ کے سچے ہونے کی تصدیق کو اعتراف کر لیا تو یہی فرستندہ یعنی خدا کی تصدیق و اعتراف ہے۔ اور جب رسولؐ کی رسالت پر ایمان لے آیا۔ تو اس کی اطاعت بھی اس پر واجب ہو گئی۔ کیونکہ امر و نہی کا قبول کرنا رسولؐ سے گویا اللہ تعالیٰ کے تمام احکام و تکالیف کو قبول کرنا ہے یہی سبب ہے کہ رسولؐ کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔ اور رسولؐ کی مخالفت خدا کی مخالفت ہے۔

رسولؐ پر ایمان لانے کے متعلق قول مجمل یہ ہے کہ آپؐ کے ہر ایک کلام و پیام کی پوری تصدیق کرے۔ اس میں شک و شبہ کو ذرہ برابر دخل نہ دے۔

اس کے ساتھ ہی آپ کی رسالت پر تفصیلی ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ تاکہ ایمان
معمل میں جس امر کا اعتراف کر چکا ہے مفصل میں اس کے خلاف نہ ہو۔ اس میں
سے یہ ہے کہ حضرت رسول خدا جو کچھ فرماتے ہیں اور جو کچھ خدا تعالیٰ کے پاس
لائے ہیں۔ اس کے متعلق آپ کی پوری تصدیق کرے۔ اور یقین کرے کہ آپ
اپنی جانب سے ایک کلمہ کم و زیادہ نہیں کہتے۔ اور یہ بھی تصدیق کرے کہ آپ تمام
جن انس کی طرف رسول و فرستادہ خدا ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا بعثت
لی الا رسولی والا حشر یعنی میں جن انس کی جانب مبعوث ہوا ہوں۔ اور
اسی معنی میں آیات قرآن ناطق ہے۔ چنانچہ **وَ اِذَا اصْرَفْنَا لَیْكَ نَفْسًا
مِّنَ الْجَنِّ** اور چنانچہ **قَوْمُنَا اِجْبِبُوْا اِذْ رَاٰنَا** **وَالْمَلٰٓئِکَةُ**
قوم جن کو اس امر کی نشانی اور اثر تو معلوم ہوتا تھا کہ زمین پر کوئی
آسمانی امر عظیم حادث ہوا ہے۔ اور وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
بعثت تھی۔ لیکن انہیں حقیقت حال سے اطلاع نہ تھی۔ وہ زمین پر اسی تلاش
میں پھرنے لگے کہ حضرت پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نشان
معلوم کریں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا **وَ اِذَا اصْرَفْنَا لَیْكَ نَفْسًا
مِّنَ الْجَنِّ** یعنی اے پیغمبر ہم نے قوم جن کا رخ تیری طرف پھیر دیا کہ انہوں نے تیری
رسالت کو پہچان لیا۔ اور تیرا کلام سن کر یہ یقین جان لیا کہ تو پیغمبر برحق ہے
اس آیت میں ایک لطیف اشارہ یہ ہے کہ اگر یہ خود سے تیری خدمت میں حاضر
ہونا چاہتے تو ممکن نہ تھا۔ اس واسطے کہ ان کا عارف یعنی تیری طرف پھیر
دینے والا حقیقت میں تھا۔ جب انہوں نے قرآن کریم کو سنا اور اپنی قوم
کی طرف گئے تو کہنے لگے۔ **یَا قَوْمُنَا اِجْبِبُوْا اِذْ رَاٰنَا** **وَالْمَلٰٓئِکَةُ**
اے ہماری قوم خدا کی طرف بلانے والے کو جواب دو۔ اور اس پر ایمان لاؤ۔
یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ آپ جن کی طرف بھی فرستادہ خدا ہیں۔
حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
تک کوئی پیغمبر قوم جن کی طرف مبعوث نہیں ہوا۔ لیکن ہمارے رسول صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم حقیقی طور پر جس طرح نبی آدم کی جانب مبعوث ہوئے اسی طرح

جن کی طرف ہاں حضرت سلیمان علیہ السلام ہی انبیائے سلف میں ایک ایسے پیغمبر تھے جو قوم جن کی طرف مبعوث ہوئے ۔

إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى کی تفسیر

یہ جو قرآن پاک میں إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى یعنی جن کہتے ہیں کہ ہم نے ایک کتاب سنی جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی۔ یہ آیت دلیل ہے اس امر کی کہ جن حضرت موسیٰ کی رسالت پر ایمان لائے تھے نہ یہ کہ حضرت موسیٰ جن کی جانب مبعوث تھے اور جس طرح ہمارا ایمان موسیٰ علیہ السلام پر اس امر کی دلیل نہیں کہ موسیٰ خدا کی جانب سے ہم پر رسول و فرستادہ ہیں۔ اسی طرح جن کا موسیٰ پر ایمان لانا دلالت نہیں کرتا کہ حضرت موسیٰ جن کی جانب رسول بنا کر بھیجے گئے تھے اور تفسیر میں یہ تحت اس آیت کے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت قوم جن کو نہ پہنچی تھی۔ یا خود قوم جن نے تورات کو یاد کیا تھا۔ یہ ایک ظنی بات ہے نہ یقینی۔ اور اس بات کا سلب کہ جن نے تورات کو یاد کیا تھا۔ انجیل کو نہیں۔ یہ ہے کہ سلیمان اور دوسرے انبیائے بنی اسرائیل جو حضرت موسیٰ کے بعد اور حضرت عیسیٰ کے پہلے گزرے۔ ان سب کی کتاب تورات تھی۔ اور اُسی کے موافق حکم کرتے تھے۔ جب سلیمان مبعوث ہوئے تو جن نے اُن سے تورات ہی کو قبول کیا تھا۔ اور اُسی کی اطاعت اُن پر واجب ہو گئی تھی۔ پھر سلیمان علیہ السلام کے بعد کوئی پیغمبر جن کی جانب مبعوث نہ ہوا۔ اور حضرت سرور کائنات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اُن کی جانب مبعوث ہوئے اس سبب سے انہوں نے یہ تخصیص موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا ۔

اگر سوال کیا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پہلے جن مخاطب ہاں مرونی تھے یا نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ مخاطب تھے اُن ادا مردوں اور نبی دعوہ و عبید

بدرجہ حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے فرشتوں کی رسالت کے ذریعہ اُن کو پہنچے تھے پھر
 سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں تجرید دعوت ہوئی۔ واللہ اعلم، اور اگر کوئی شخص جنوں
 کو یا نبی آدم کی کسی صدف کو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت سے مستثنیٰ کرے
 تو اس کا ایمان حضرت رسول خدا کی رسالت پر درست نہ ہوگا۔

خدا تعالیٰ نے اپنے لئے دعوت میں آپ کو فرمایا کہ اپنی قوم کو اور اپنے
 حواریوں کو یعنی قریش کو خدا کی طرف دعوت کرو۔ جب آپ کی دعوت قوم میں ظاہر
 ہو گئی تو خدا تعالیٰ نے فرمایا میں نے یہ قرآن تم پر اس لئے نازل کیا ہے کہ
 اہل مکہ اور اس کے گرد و نواح کے لوگوں کو یعنی عرب کو ذرا اور آگاہ کرو۔ پھر فرمایا۔
 فَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا یعنی ہم نے تم کو تمام لوگوں
 کی طرف مبعوث کیا ہے۔

اور یہ جو قرآن میں ہے۔ وَمَا ارْزَلْنَاهُ مِنْ دُونِ ذَٰلِكَ شَيْءًا
يُلَاقِي قَوْمَهُ یعنی ہم نے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا مگر اُس کے قوم کی زبان پر
اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہمارے پیغمبر صرف عرب کے لئے مبعوث تھے، بلکہ ان
قویم سے مراد وہ لوگ ہیں کہ پیغمبر اُن سے تھے۔ اور انہیں کے درمیان اُن کی دعوت
ظاہر ہوئی۔ یہ آیت اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ آپ کی دعوت سوائے عرب کے دوسری
جماعت کی طرف جو نہ تو اُن کے قبیلہ سے تھے۔ اور نہ اُن کی قوم سے۔ اور جو اُن کی
دعوت میں ظاہر نہیں تھے۔ اُن کی طرف نہیں تھی۔ اور آپ ان کی طرف فرستادۂ
خدا نہیں تھے۔ اگر کہا جائے نہیں۔ مراد اس سے اہل دعوت ہی نہیں، تو ہم کہتے ہیں
کہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل پر بھیجے گئے تھے۔ اُن کی زبان عبری تھی۔ اور توریت
بھی اسی زبان میں تھی۔ پھر اگر نبی اسرائیل کی ایک جماعت نے عرب میں تربیت پائی
اور اُن کی زبان عبری نہ ہوئی تو کیا نبی اسرائیل کی یہ جماعت اُن کی دعوت سے خارج
ہوئی۔ اور اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرستادۂ خدا تھے۔ ان کی زبان سریانی
تھی۔ انجیل بھی اسی زبان میں نازل ہوئی تھی جب دم کو اس زبان میں دعوت کی۔
حالانکہ اُن کی زبان سریانی نہ تھی۔ تو کیا حضرت عیسیٰ کی یہ دعوت درست سمجھنا نہ تھی۔
پھر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کینہ ذکر خاص عرب کے لئے مخصوص

اس شخص کی رسالت عام تھی۔

ہو سکتی ہے۔ قرآن شریف میں ہے وَأَدْعِيَ إِلَىٰ حِلَّةِ الْقُرْآنِ لَا تَذِذْ دُكْحُ
 بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ هٖ بِنِي أَخْضَرْتُمْ فَرَاتِے میں کہ مجھ پر یہ قرآن وحی کیا گیا ہے کہ اس کے
 ذریعہ تم کو جو حاضر دعوت ہو۔ اور ان کو جن لوگوں تک یہ قرآن پہنچے عذاب الہی۔
 ڈراؤں۔ یہ آیت آپ کی عموم دعوت کی یقینی اور صاف و صریح دلیل ہے۔ اس کے
 بعد کسی کو آپ کی دعوت و رسالت کے عام ہونے میں شک نہیں ہو سکتا۔

زندہ یقینان بے دین جو آپ کی رسالت کے منکر ہیں۔ وہ عوام مسلمانوں میں
 بطریق مناظرہ ایسی باتیں پھیلانے ہیں اور کہتے ہیں کہ آنحضرت کی رسالت عرب تک
 محدود تھی۔ اور کہتے ہیں کہ خدا نے فرمایا ہے وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ
 إِلَّا لِيُحْيِيَ الْقَوْمَ۔ پھر جب وہ فارسی یا ہندی وغیرہ زبانیں نہیں جانتے تھے۔ تو
 ان لوگوں کے پیغمبر کیونکہ ہو سکتے ہیں۔ اس کا جواب ہم از روئے آیات قرآنی اور
 مشاہدات انبیائے سابقین اور پر بیان کر چکے ہیں۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ جب تم اس بات
 کو تسلیم کرتے ہو کہ وہ پیغمبر عرب تھے۔ تو ضرور تم ان کے تمام اقوال کی بھی تصدیق
 کرنا لازم ہے۔ کیونکہ فرستادگان خدا جھوٹ اور دروغ نہیں کہتے ہیں۔ اور آپ
 نے فرمایا ہے کہ خدا نے مجھے جن دالوں کی طرف بھیجا ہے۔ اور ان کی طرف بھی
 جن کو میری دعوت پہنچے۔ اور حدیث درست ہے کہ آنحضرت نے نجاشی حبشی
 کی طرف نامہ لکھا۔ اور ان کو اپنے دین کی دعوت کی۔ نیز ہزقل رومی اور کسے کو فرمیں
 بھیجے اور ان کو اپنے دین برحق کی جانب بلایا۔ ان میں سے کوئی بھی عربی یا شندہ
 نہ تھا۔ اور یہ رد انہیں کہ پیغمبر بے حکم خدا کے کوئی کام کرے۔ اس سے یہ بھی ثابت
 ہوا کہ آپ تمام دنیا اور تمام انسان جن کی جانب رسول اور فرستادہ خدا ہیں۔

آنحضرت کا خاتم الانبیا ہونا

حضرت رسول خدا پر ایمان لانے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ مومن اس
 بات کی بھی تصدیق کرے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہو گا نہ مرسل نہ غیر مرسل۔ خاتم
 الانبیاء سے یہی مراد ہے کہ آپ نے نبوت پر مہر کر دی۔ اور نبوت آپ کے آنے
 سے تمام ہو گئی۔ یا یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ نے آپ کی نبوت کے ساتھ پیغمبروں

کو ختم کر دیا۔ اور خدا کا ختم ایسا حکم ہے کہ اُس کا خلاف ہرگز نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ
 خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ رَاۤى اللّٰهُ نَافِیْہُمْ کَافِرُوْنَ کے دل پر مہر کر دی ہے کہ یہ
 معنی ہیں کہ اُس نے حکم کر دیا کہ کافر کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اور ختم کو کسی کام کے
 آخر ہونے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں کہ میں نے قرآن کو ختم
 کر لیا۔ یعنی قرآن کے آخر تک پہنچ گیا۔ اور پورا قرآن پڑھ لیا۔ یہ جب ہی کہا جاتا ہے
 کہ قرآن کی کوئی سورت اور کوئی آیت پڑھنے سے باقی نہ رہے۔ اس کے پہلے نہیں
 کہہ سکتے۔ خَتَمْتُ الْقُرْآنَ یعنی قرآن کو میں نے ختم کر لیا۔ یہی معنی از روئے
 لغت کے مستقیم ہیں۔ اور یہ کہنا ضعیف ہے کہ آخر انبیاء ہونے کے سبب یہ
 کہا گیا۔

ختم نبوت کے دلائل

بہت سی احادیث صحیحہ میں بھی وارد ہے کہ نبوت آنحضرتؐ کے آنے
 سے تمام ہو گئی۔ یعنی آپ کے بعد دوسرا نبی نہ ہوگا۔ اُن احادیث میں سے ایک
 یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت میں قریب تین سو سال کے دجال کذاب
 ہونگے۔ کہ اُن میں سے ہر ایک نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ حالانکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں
 ہوگا۔ قَالَ سَتَكُونُ فِيْ اُمَّتِيْ دَجَالُوْنَ كَذَّابُوْنَ قَرِیْبًا مِنْ ثَلَاثِ مِائَتِیْنَ
 سَنَةً كُلُّهُمْ یَزْعُمُ اَنَّهُ نَبِیٌّ وَاَنَّهُ لَا یَبْعِدُنِیْ عَنْ بَعْدِیْ حضرت ابو ہریرہؓ
 رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک کو جاتے
 تھے۔ اور جناب علیؓ کو مدینہ میں رہنے کا حکم فرمایا تھا۔ وہ رہنے لگے۔ اور عرض کیا
 اے حضور کیا مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوٹے جاتے ہیں حضرت علیہ السلام نے
 فرمایا اے علیؓ ختم راضی نہیں کہ میری جانب سے ایسے رہو۔ جس طرح حضرت موسیٰؑ
 کی طرف ہارونؑ علیہ السلام رہے۔ لیکن فرق اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا
 حدیث کے لفظ یہ ہیں۔ اَمَّا شُصْنٰی اَنْ تَكُوْنَ مَعِیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ
 مِنْ مُوسٰی اِنَّہٗ لَا یَبْعِدُنِیْ عَنْ بَعْدِیْ یہ حدیث صحیحہ ہے۔ اور حضرت سعید قاصؓ
 نے دوسری حدیث میں روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

مجھ کو اور قیامت کو اس طرح بھیجا ہے۔ جیسے یہ دو انگلیاں اور اشارہ فرمایا مسیح اور سبائیہ کی طرف۔ یعنی فرمایا جس طرح کہ کلمہ کی انگلی اور درمیان کی انگلی کے بیچ میں کوئی انگلی نہیں ہے۔ اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ اور میری دعوت قیامت تک جاری اور ہمعنان ہے فرمایا بُعِثْتُ اَنَا وَ الشَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ وَ اَشَارَ بِاصْبُعَيْهِ الشَّيْئَةِ وَ اَلْوَسْطَى۔ اسی طرح حق تعالیٰ جابر انصاری نے روایت کیا ہے۔ اور اس باب میں آیات اور احادیث شمار سے باہر ہیں۔

جیسا طریق سے یہ معلوم ہو گیا کہ آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی نہ ہو گا تو بالضرور رسول بھی نہ ہو گا۔ کیونکہ ہر ایک رسول نبی ہوتا ہے۔ نبوت کی نفی سے رسالت کی نفی بطور ادلی ثابت ہے۔ آنحضرت کے ظہور سے پہلے انبیائے سابقین آپ کی بشارت دیتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر انبیاء ہیں۔ اہل کتاب براہ کفر و حسد ان بشارات کو چھپاتے تھے۔ پھر ان کے علماء میں سے جو لوگ دین اسلام میں داخل ہوئے۔ انہوں نے متفق الکلمہ ہو کر اس بات کا اقرار و اعتراف کیا کہ ہم نے حقیقت آنحضرت کو اسی صفت پر پایا۔ جیسا تورات و انجیل میں لکھا اور پڑھا تھا۔

کتاب انبیائے سابقین میں مذکور ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم انبیاء ہیں۔ ان کے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔ ان کی دعوت قیامت تک باقی ہے۔ یہودیوں کی ایک جماعت دعویٰ کرتی تھی کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی نہیں کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب تک زمین و آسمان باقی ہے۔ میرا قائم ہے۔ اگر جماعت یہود کا یہ قول درست ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہ السلام تنزیہ و توحید و عدو و عبید بعث و نشور کی دعوت کرتے آئے ہیں اس میں کسی نے خلاف نہیں کیا۔ اور خلاف کرنا روا بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ احکام موسیٰ علیہ السلام کو نسخ و تبدیل اور ان کی شریعت میں تبدیل و تغیر روا نہیں ہے۔ اور یہ بات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمائی خود قرآن کریم میں موجود ہے۔ چنانچہ فرمایا شَسَّعَ لَكَ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّي بِهِ نُوْحًا

وَالَّذِي اَدْخَيْنَا الْيَكْفَ وَمَا دَخَيْنَا بِهِ اِبْرَاهِيْمَ وَمُوسٰى
عِيسٰى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيْهِ خَدَاكَ شَكَرْہے کہ یہ سائل
اہل اسلام میں اس قدر روشن ہے کہ بیان و ذکر کی حاجت نہیں۔ لیکن اس بات
کا یہاں بیان کر دینا ہم نے اس لئے ضروری سمجھا کہ مبادا کوئی زندیق ایسا فضول
سوال پیش کر کے عوام مسلمانوں کو دھوکے میں ڈالے، اور اس مشبہ سے ان
کی دینداری میں ایک قسم کا نقص پیدا ہو جائے، بعض گمراہ لوگ یہ بھی کہہ بیٹھتے
ہیں کہ کیا خدا تعالیٰ کی قدرت سے یہ امر بعید ہے کہ وہ دوسرا نبی ظاہر کرے۔
ہم کہتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کسی امر کے متعلق خبر دے چکا کہ ایسا ہوگا تو اس کے
سوا دوسرا نہیں ہو سکتا۔ پس خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد
قیامت تک دوسرا نبی نہ ہوگا۔ پھر اس کے خلاف کیوں کر ہو سکتا ہے۔

اس قسم کی باتیں وہی شخص پیش کرتا ہے جو صلاً آنحضرتؐ کی نبوت کا
معتقد نہ ہو، اگر وہ آپؐ کی رسالت کا معترف نہ ہو۔ تو آپؐ کو ہر قول میں سچا جانتا
پھر جب احادیث متواترہ سے یہ مسئلہ صاف ہو چکا ہے کہ آخر انبیاء خاتم انبیاء ہیں
تو وہ اس سے کبھی انکار نہیں کر سکتا۔ اور بدل یقین رکھتا کہ آپؐ کے بعد قیامت
تک کوئی نبی نہیں ہوگا۔ یا وجود ان دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ کے اگر کوئی شخص
آنحضرتؐ کے بعد کسی دوسرے نبی کے آنے کو جائز رکھتے، تو با نقاق علمائے
اسلام کا فسر، یہ ہے شرط و دستی ایساں کی حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم پر۔

آنحضرتؐ کبھی اپنی قوم کے دین پر نہ تھے

نیز یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ آنحضرتؐ کبھی اپنی قوم کے دین پر نہ تھے
اور آپؐ کو خدا تعالیٰ نے سوائے خدا کے دوسرے کسی پرستش سے محفوظ رکھا
تھا۔ اور آپؐ ہمیشہ کفر سے معصوم تھے، اور دوسرے انبیاء کی بابت بھی ایسا ہی
اعتقاد رکھنا چاہئے، کہ سب کے رب پیام الہی اور تبلیغ رسالت میں دروغ و
خطا سے معصوم تھے۔ اگر کسی سے زمانہ نبوت میں کوئی صغیر گناہ ہوا بھی ہو۔ تو

بطریق سمود بیان ہوگا۔ وہ خطا و ذلت پر نہیں پہنچتے جب انہیں اس کا علم ہوا تو فوراً اس کے تائب ہو جاتے ہیں۔ اور اس سے باز آ جاتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی ذلت اسی قسم تھی، اور حق تعالیٰ نے جو فرمایا **وَصَلَّىٰ اٰدَمُ دَبْدًا فَعَوَّىٰ** اس کے معنی یہی سمجھنا چاہئے کہ آدم علیہ السلام سے بطریق نسیان ذلت صادر ہو گئی جس کے سبب اُن کا عیش و زندگی اُن پر دو بھر ہو گیا۔ (تفسیر کبیر میں لفظ عوئی کے معنی **فَسَدَ دُثْ عَلَيْكَ عَيْشُكَ** کے ہیں۔ جس کو ہم نے ترجمہ میں استعمال کیا ہے) اور گناہ اُن کا کبار کا صدور ذلت و فحاشی کے سبب تھا۔ لیکن چونکہ اُن کے حال کی مناسبت سے یہ بھی بہت کچھ تھا۔ اس لئے لفظ عوئی کا استعمال ہوا۔ اور گناہ اُن کا کبار کا صدور انبیاء سے ہرگز روا نہیں ہے۔ اور برادرانِ بوسف سے جو کچھ صادر ہوا وہ اُن کے مرتبہ نبوت پر پہنچنے سے پہلے تھا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے قبل اپنی قوم کے دین پر تھے۔ ایسا کہنا ضلالت و گمراہی ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کعبہ کی بنا کرتے تھے تو قریش پتھروں کو کندھوں پر اٹھا کر لاتے تھے۔ عباس بنی نے مجھ کو کہا کہ اے بھتیجے تم بھی ازار نکال کر کندھے پر ڈال

اسی غلط فہمی میں ہے کہ ناذر کعبہ کی عمارت چوکر خراب ہو گئی تھی۔ اور چھت بھی نہ تھی۔ علاوہ اس کے دیواروں کی بلندی تہ آدم سے زیادہ نہ تھی۔ اس واسطے اس کی دوبارہ عمارت کی ضرورت نہ پڑی۔ عمارت کے وقت آنحضرت علیہ السلام نے دہم بھی پتھر لاتے تھے، اپنی ندائے غیبی آپ کو اُسی وقت ہوئی سبب یہ تھا کہ عرب کے چھوٹے رط کے سنگ کشی کے وقت اپنے لنگوٹ کو نکال کر اس میں پتھر بھر کے عمارت گاہ میں لے جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دیکھا دیکھی ایسا ہی کیا۔ اور لنگوٹ جس کو ازار بھی کہتے ہیں۔ نکلنے کے ساتھ ہر پوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو اپنے ندائی غیبی سنی۔ کہ کوئی کہتا ہے **اسمٰو ذلک** یعنی اپنی عورت کو چھپاؤ۔ اس واقعہ سے ثابت ہے کہ حضرت اللہ نے آپ کو حالت فعل مذکورہ میں ناکردنی باتوں سے محفوظ رکھا۔ تو آپ کا قبل نبوت اپنے قوم کے دین پر مونا کیونکر روا ہوگا۔ عمارت کعبہ کے متعلق روایات مختلف ہیں بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ اس وقت آپ کی عمر شریف تیرہ یا چودہ سال کی تھی، ۱۰ و بعض کہتے ہیں ۳۵ سال کی تھی تطبیق اربع دنوں میں یہ ہو سکتی ہے کہ تعزیر کو کئی سال تک ہوتی رہی جن دنوں آپ پتھر لاتے تھے اس وقت آپ کی عمر چھوٹی تھی۔ اور یہ

کہ ضائع نہ ہو جائے، میں یہاں کرنے کو تھا۔ کہ ایک شخص نے سامنے اگر زمین سے سیر پہلو پر ہاتھ مارا۔ اور کہا کہ تو بھی ایسا نفل کرتا ہے میں اس سے بہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا تو لوگوں نے کہا تجھے کیا ہو گیا ہے۔ میں نے کہا میری ازار کہاں ہے۔ پس جس شخص کے لئے خدا تعالیٰ حالت طفولیت میں کشف عورت روانہ رکھے۔ اور اس پر تادیب کرے اور نگاہ رکھے۔ تو اس کو کف سے کیونکر محفوظ و معصوم نہ رکھے گا۔

اگر کوئی شخص جبر بن مطعم کی حدیث پیش کر کے اعتراض کرے کہ آپ اپنی قوم کے دین پر تھے۔ اور تم اس سے انکار کرتے ہو، چنانچہ نہ حدیث یہ ہے لَقَدْ تَرَايْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى دِينِ قَوْمِهِ یعنی میں نے پیغمبر کو دیکھا۔ وہ اپنی قوم کے دین پر تھے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ مراد دین سے اس جگہ بقیہ دین ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام سے جو تھوڑا بہت قریش میں باقی و مرقع تھا۔ جیسے مناسک حج و مناکح و بیوع وغیرہ۔ اس سے مراد شرک اور احکام جاہلیت نہیں ہے میں نے اس تادیل کی دلیل خود متن حدیث میں پائی ہے۔ جو حدیث مذکورہ کا باقی جزو ہے۔ وہ یہ ہے۔ وَهُوَ يَقِفُ عَلَى بَعِيرٍ لَهُ بَعْرَاتٌ مِنْ بَيْنِ قَوْمِهِ حَتَّى يَدْفَعَ مَعَهُ حُرُوفِيًّا مِنْ آلِهِ عَقَّ وَجَلَ میں نے آپ کو درمیان قوم کے موقف عرفات میں ایک اونٹ پر سوار دیکھا یعنی بجز اس کے دوسرے کو اس کی قوم سے اس صورت پر نہیں پایا۔ اور یہ محض خدا تعالیٰ کی طرف سے توفیق تھی۔

اے مخاطب تجھ کو بھی اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ خدا تعالیٰ کی عصمت نے آنحضرت کو ترک و قوف بعرفات سے گوارہ رکھا۔ اور آپ نے ترک و قوف میں اپنی قوم کی موافقت نہیں کی۔ کیونکہ یہ ملت ابراہیمی کے خلا تھا۔ قریش وقفہ حج کے لئے حرم سے باہر نہیں آتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر آتے۔ پس جب عصمت الہی نے آپ کو اس سے مامون و محفوظ رکھا۔ کہ صرف اس ایک عمل میں بھی جو مخالفت نسک ابراہیمی ہے۔

اپنی قوم کی موافقت کریں۔ تو ان اعمال میں کیونکر قوم کی موافقت کر سکتے ہیں۔ جو سرے سے جملہ انبیائے سابقین کے دین و مذہب کے خلاف ہیں۔ اور جن توحید کی بنیاد لوٹتی ہے۔ آپ کی قوم تو بت پرست تھی پس آپ اپنی قوم کے دین پر کیوں کر ہو سکتے ہیں اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جو اوپر ذکر ہوئی۔ ہمارے بیان کی تصدیق کے لئے کافی ہے کہ جب آپ نے انار اتار کر کندھے پر ڈالنا چاہی۔ تو فوراً آپ کو اُس سے منع کیا گیا۔ حضرت جبریل بن مطعم کی حدیث اس مقدمہ میں کوئی حجت نہیں ہے۔ اس کی تاویل اس طرح کرنا چاہئے جیسا اوپر بیان ہوا تاکہ اصول دین کے مخالف نہ ہو۔

بعض لوگ ذیل کی آیات پیش کر کے کہتے ہیں کہ نبوت کے پہلے آپ کی اپنی قوم کے طریق پر ہونا ان آیات سے ثابت ہوتا ہے۔ مَا كُنْتُ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْيَمَانُ تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے۔ اور ایمان کیا ہے۔ وَ وَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ اور تم کو گمراہ پایا۔ پھر ہدایت کی لین آیات کے وہ معنی نہیں ہیں۔ جو مخالفین بیان کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے متعلق چند توجہات ہیں۔ جن کو ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔ تاکہ آیات مذکورہ کے معنی صاف ہو جائیں۔

اول یہ کہ قرآن شریف میں آنحضرت کے ساتھ خطاب تین طرح پر پایا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ خطاب آپ سے ہوتا ہے۔ اور مراد اُس سے آپ کی اُمت اور آپ دنوں ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ خطاب آپ سے ہوتا ہے اور مراد آپ کی اُمت ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ خطاب آپ سے ہوتا ہے۔ اور مراد بھی آپ ہی ہوتے ہیں۔ پس آیت مَا كُنْتُ تَدْرِي اور وَ وَجَدَكَ ضَالًّا میں دوسری قسم کا خطاب ہے۔ کہ خطاب آپ ہیں اور مراد اس سے آپ کی اُمت ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر قَوْلُكَ تَقُولُ لَمْ يَكُنْ لَكَ دِينٌ قَبْلُ مَا كُنْتَ تَدْعُهُمْ كُفْرًا اِنْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ اِلٰهًا اِلٰهًا اَحَدًا اور اُن سے بات کرو تو نرمی کے ساتھ۔ اس آیت میں خطاب آپ سے ہے اور مراد اُمت ہے۔ کیونکہ اس خطاب سے بہت زمانہ پہلے آپ کے والدین فوت ہو چکے تھے۔

یہ لکھنا اور اس کی تردید

دوم یہ کہ مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْاٰیْمَانُ کے معنی ہیں کہ اے رسول تم علم کتاب اور اُس کے احکام نہیں جانتے تھے۔ اور تم کو ایمان کی شانوں اور اس کی شرائع کا علم نہ تھا۔ ہم نے تم سے ان باتوں کو بیان کیا۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ تم خدا کو ہی نہیں پہنچا سکتے تھے۔ اسی طرح وَوَجَدَاكَ ضَالًّا فَهَدٰی کے یہ معنی ہیں کہ تم عالم شریعت اور آداب عبودیت سے بے راہ تھے۔ ہم نے تم کو راستہ بنایا +

سوم یہ کہ عرب جب کسی کو ہلاک کے نزدیک پاتے ہیں تو کہتے ہیں - وَوَجَدْتَهُ هَآءِیْ لَکَا یَعْنِیْ مِیْنُ نے اس کو ہلاکت کے قریب پایا۔ تو یہ معنی ہوئے کہ اے محمد تم ضلالت کے قریب تھے۔ ہم نے تمہیں راہ ہدایت دکھائی۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا وَ لَوْ لَا اَنْ تَثْبِتَاکَ لَقَدْ کُنْتَ تَرٰکِنَ الْیَہْمِ شَکِیْنًا فَکَلِیْلًا بَعْضُ کہتے ہیں وَوَجَدَاکَ ضَالًّا کے یہ معنی ہیں کہ ہم نے تمہیں گمراہ قوم کے درمیان پایا +

چہارم یہ کہ ضلال کا لفظ تھوڑے اور بہت دنوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص رستہ سے ایک بالشت بھر بھی الگ ہو جائے تو کہتے ہیں مَنَعْلٌ عَنِ الطَّرِیقِ یعنی فلاں شخص رستہ سے بہک گیا۔ اور ایسا ہی کہتے ہیں اُس وقت جب کوئی رستہ سے دس کو س دور ہو جائے۔ یا اس سے زیادہ پس اس جگہ ضلال کے پہلے معنی ہیں +

آنحضرت فاضل ترین انبیاء ہیں

آنحضرت کی رسالت پر ایمان لانے کو یہ بھی شامل ہے کہ آپ کے فاضل ترین اور بہترین انبیاء ہونے کا اعتقاد رکھتے۔ اس کی دلیل خود حضور علیہ السلام کا قول ہے۔ اَنَا سَیِّدٌ وَلَدِ اٰدَمَ اور ظاہر ہے کہ فرزندِ اِنِ اَدَمَ علیہ السلام پیغمبر تھے، بعض اَدَمَ علیہ السلام سے بھی مرتبہ میں فاضل اور الوالعزم پیغمبر ہیں۔ جیسے نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام اور جب ثابت ہوا کہ آپ اُن سے فاضل و بہتر ہیں تو ضرور اَدَمَ علیہ السلام سے بھی فاضل ہوئے۔ اس کی دلیل یہ ہے

کہ آپؐ نے فرمایا۔ اَدَمُ وَ مِنْ دُونِهِ نَحْنُ لَوْ اَكْنَحُ اَدَمَ اور انکو سوائے سب میرے
 لوہ کے تلمے ہیں۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ میں قیامت کے دن پہلا شفیع
 ہوں گا۔ اور پہلا وہ شخص ہوں گا جس کی شفاعت مقبول ہوگی۔ اور یہ حدیث درست
 ہے۔ علمائے حدیث اس کی صحت پر متفق ہیں۔ اس حدیث سے آپؐ کی فضیلت
 تمام خلائق پر ثابت ہے۔ اور قطعی دلائل سے ثابت ہے کہ آپؐ کے فضائل تمام
 انبیاء پر ہیں۔ اور آپؐ کی رسالت شریف ترین انبیائے علیہم السلام سے ہے، کیونکہ
 آپؐ کی رسالت سے سابقہ رسالتیں منسوخ ہو گئیں۔ اور اس کے بعد کوئی دوسری
 رسالت بھی نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اس جانب اشارہ فرماتا ہے۔ وَ
 اِنَّهُ لَكِتَابٌ عَرَبِيٌّ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ
 خَلْفِهِ۔ یعنی یہ ایک کتاب عربیہ ہے۔ اُس کے قبل کوئی ایسی کتاب نہیں پائی
 جاتی۔ جو اس کی تکذیب کرے، اور نہ اس کے بعد کوئی ایسی کتاب ہوگی، جو اُس
 کے حکم کو اٹھائے، آپؐ کی فضیلت کے دلائل بہ کثرت ہیں۔ یہاں اسی پر مختصر
 کیا گیا ہے۔ لیکن ان دلائل کا نتمہ بیان کر دینا ہم ضروری سمجھتے ہیں تاکہ ہمارے
 اوپر کے بیان میں کسی کو شک و شبہ نہ رہے۔

ان دلائل کا نتمہ

وہ نتمہ یہ ہے کہ جناب نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے چند ایسی احادیث پائی
 جاتی ہیں جن کے مطابق عوام کو آپؐ کی فضیلت میں شبہ پیدا ہوتا ہے۔
 مگر خدا کے فضل سے کوئی شبہ نہیں ہے اہل علم کو چاہئے کہ ان احادیث اور احادیث
 تفصیل میں جمع و مطابقت کریں تاکہ عام لوگوں کے دلوں میں آپؐ کی فضیلت
 کی جانب سے کوئی شک و شبہ نہ رہے۔

اُن میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا لَا تَخَافُوا بَيْنَ الْأَنْبِيَاءِ
 یعنی انبیاء کے درمیان محارہ نہ کرو۔ محارہ یہ ہے کہ ایک پیغمبر کو دوسرے پیغمبر
 پر فضیلت دی جائے۔ یعنی ایک شخص کہے کہ فلاں پیغمبر فلاں سے بہتر ہے۔ اور
 دوسرا اُس کے خلاف کہے۔ اور جب یہ بات دو مختلف اہل ملت کے درمیان آتی

وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَفِيهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ۚ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْكُمْ كُفْرُكُمْ إِلَّا أَنْ يَنْزِلَ الْهَلَاكُ مِنْ سَمَاءٍ أَوْ يَشَاءُ اللَّهُ مَا تَلَوْتُمْ مِنْ قُرْآنٍ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۚ

دوسری حکمت یہ ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کی تکذیب کی۔ انہیں ساحر و جادوگر بتایا۔ اور اُن کے قتل کا دعویٰ کیا۔ چنانچہ نص قرآنی سے یہ امر ثابت ہے، اللہ تعالیٰ اُس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجے گا اُن کے صفوحِ حال پر رستمِ مذلت کھینچے گا۔ اور حضرت عیسیٰ کے نزول کے ذریعہ دین حق کو عزیز فرمائے گا۔

یہودیوں کی سلطنتِ زمین کے کسی حصہ پر نہیں، وہ ہمیشہ ذلیل و خوار رہے۔ اور اس امر کے منتظر کہ انہیں فرصت ملے۔ سچ اللہ کہ انہیں کبھی فرصت و فراغت امور دینی میں نصیب نہ ہوگی، حتیٰ کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائینگے۔

جب دجال بعینِ ظاہر ہوگا۔ تو یحییٰ اُس کی متابعت کریں گے۔ اور شومی تکذیبِ مسیحِ مادی کے سبب جس کی تصدیق واجب ہے۔ اور اُس کے معجزہ کو سح کے ساتھ تعبیر کرنے کی بدبختی کے بدلہ میں سحرِ دجال کو قبول کرینگے پس اللہ تعالیٰ اُسی برگزیدہ بندہ کو جس کی یہ تکذیب کرتے تھے۔ ایسے وقت میں جب اُن کا خیال تھا کہ اب ہم نے فرصت حاصل کر لی۔ اب ہمیں چاہئے کہ مسلمانوں اور دینداروں سے انتقام لیں۔ یہودیوں کی تحریب اور ہلاکت کے لئے بھیجے گا۔ اور اس طرح وہ اس کی ذاتِ مقدس کی ہلاکت کا دعویٰ کرتے تھے۔ اُس کے ہاتھ سے اُن کو ہلاک کرادیگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر موافق نص قرآنی اور احادیث نبوی کے ایمان لانا چاہئے، اور یہ بھی اعتقاد رکھنا چاہئے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نزول کریں گے۔ تو وہ احکامِ شریعتِ غنائی محمدی کے تابع ہونگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام خلایق کی طرف مبعوث کیا ہے۔ پس واجب ہے کہ اُس وقت حضرت عیسیٰ اپنی شریعت

سے درگزر کر کے شریعت محمدی کے تابع ہوں۔ اس معنی سے حضرت عیسیٰ کی نبوت اُن کے رفع الی السماء تک محدود تھی۔ اس کے بعد جب شریعت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اشاعت ہوئی۔ تو تمام انس و جن پر آپ کی شریعت کی متابعت و اطاعت واجب ہو گئی۔ کیونکہ آپ خاتم الانبیا ہیں۔ آپ کے بعد کسی نبی کا ہونا ممکن نہیں۔ اگر کوئی مدعی دعویٰ کرے تو باطل ہے۔ آپ نے خود فرما دیا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ حُتِّحَیَ الذِّبْیُونَ الصِّیْثُ تو واضح ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام اس وقت نبی نہ ہونگے، اُن کا عمل کتاب و سنت پیغمبر آخر الزمان کے موافق ہوگا۔ اور اسی معنی میں فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لو کان مٹو سلی حیا ما دسعا الا اتباعی کہ اگر مٹو اسے علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری متابعت کے بغیر چارہ نہ ہوتا ❖

اگر سوال کیا جائے کہ حدیث نو اس بن معان میں بعد وصف دجال اور اُس کے ہلاک ہونے کے آپ نے عیسیٰ علیہ السلام کی بابت فرمایا۔ یَفْتَحُ بَابَ السَّادَةِ کہ وہ انصاف کا دروازہ کھولیں گے۔ کَمَا فِي اَصْلِ الْحَدِيثِ اور اسی حدیث میں حضرت عیسیٰ کو نبی اللہ کہا۔ اور دوسری جگہ فرمایا فَيَرْفَعُ سَيِّئَ الدِّينِ اس پر حضرت عیسیٰ کی نبوت ثابت ہے۔ اور تم اُن سے نفی نبوت کرنے ہو ❖

جواب یہ ہے کہ ہم وحی شریعت کی نفی کرتے ہیں نہ الہام الہی کی۔ اور ہم آخر زمانہ میں بیٹے آنحضرت کے بعد حکم نبوت کی نفی کرتے ہیں نہ اسم نبوت کی۔ چنانچہ آدم علیہ السلام کو نبی اللہ کہتے ہیں۔ اور نیز دوسرے انبیا کو باعتبار شرف کے نبوت کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس معنی سے حضرت عیسیٰ کو بھی نبی اللہ کہا گیا کیونکہ وہ واقعی نبی ہیں۔ اگرچہ اُس وقت اُس کی نبوت کا حکم منقطع ہو گیا ہے۔ اسی اعتبار سے دوسرے انبیا کو بھی نبی اللہ کہتے ہیں۔ اس میں عیسیٰ علیہ السلام کی کیا تخصیص ہے ❖

خروج یا جوج و ماجوج

بعد نزول عیسیٰؑ و ہلاکت دجال اور اُس کے تابعین کے خروج یا جوج و ماجوج ہوگا۔ اور یہ نسل بنی آدم سے دو قسم کے لوگ ہیں جن کی تعداد کی کوئی حد نہیں۔ اُن کی زیادتی سے رُفے زمین کا کوئی حصہ بلکہ کوہ دما موں تک خالی نہ ہوگا۔ چنانچہ اس آیت کریمہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ حَتَّىٰ اِذَا فُتِحَتْ يَا جُوجُ وَ مَا جُوجُ وَ هُمْ مِنْ كُلِّ حَنْدٍ يَنْسِلُونَ مراد فتح یا جوج و ماجوج سے اُن کی دیوار کا کھلنا ہے جس میں وہ محصور ہیں اور جس کو فو القربین نے اس لئے بنایا تھا کہ خلق خدا اُس کے فساد و فتنہ سے محفوظ رہے۔ یا جوج و ماجوج کی اصل حقیقت یہی ہے۔ اس کے خلاف تاویل کرنا گمراہی و ضلالت ہے۔ یا جوج و ماجوج کے خروج کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام مومنین کے ہمراہ کوہ طور میں مستحضر ہونگے۔ جس وقت آپ کو ان کے فساد کی خبر پہنچے گی۔ تو آپ اور آپ کے ہمراہی جملہ اہل ایمان یا جوج و ماجوج کی ہلاکت کے لئے جناب باری میں دعا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ بہر کست دعائے عیسیٰ اور اُن کے ہمراہین کے سب کو عارضہ طاعون میں فنا کرے گا۔ طاعون ایک مرض ہے جس میں مریض کو شدت کا بخار چڑھتا ہے۔ اور اکثر وقت بن گوش زریغفل اور بن ران میں سے کسی ایک جگہ یا سب جگہ گٹھیاں نمودار ہوتی ہیں۔ یہ مرض نہایت مہلک لا علاج اور خلق خدا پر ایک عام مصیبت ہے اَعَاذَ نَا اللّٰهُ وَ جَمِيعُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنَ الطَّاعُوْنَ بِحُزْمَةِ النَّبِيِّ وَ اِلَہِ الْاَنْجَاد۔ (امین) ۛ

مغرب سے طلوع آفتاب

اشرط اساعت میں سے ایک بڑی شدت آفتاب مغرب کی جانب سے طلوع ہوتا ہے۔ اور مراد اس آیت سے یہی ہے۔ هَلْ يَنْظُرُونَ لَّا اَنْ يَأْتِيَهُمُ الْمَلَاۤءُ مِنْكُمْ اَوْ يَاتِي بَعْضُ الْاَيَاتِ رَبِّكَ كَيْفَ يَكُنْ لَّهِ

اس بات کے منتظر ہیں کہ اُن کے پاس فرشتے یا تیرے پروردگار کی بعض آیات آئیں۔ مراد بعض آیات ربک سے آفتاب کا جانب مغرب سے نکلنا ہے۔ اور یہ امر احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا۔ اُمت کو جناب نبی کریم سے ایسا ہی پہنچا ہے۔ اس کا منکر کا فر ہے۔ اس لئے کہ اس سے قول پیغمبر کی تردید پائی جاتی ہے۔ اور تصدیق اُن تمام باتوں کی جو نبی صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ہیں پہنچیں ہم پر واجب ہے۔ اگرچہ وہ مخالف عقل اور خلاف معقول و معبود ہوں۔ اور یہ نشانی بھی انہیں امور سے ہے، اس پر بھی جو شخص اس بات کو مستبعد خانے۔ اگر وہ دیندار ہے تو اُس کو اپنے دین کی جانب رجوع کرنا چاہئے۔ جب اپنے دین میں دیکھے کہ بعد حشر خلافت کے آفتاب کو بلندی سے بستی کی طرف پھینک دیں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ جب آفتاب کو مع تمام افلاک کے لپیٹ لیئے۔ تو اُسے چاہئے کہ طلوع آفتاب از جانب مغرب کو بھی مستبعد خیال نہ کرے۔

انسان جب پانچ ستاروں، زہرہ، مشتری، عطارد، مریخ اور زحل کی طرف نظر کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کے سیر و رفتار کی ایک حد اور وضع مقرر فرمادی ہے کہ وہ کسی حالت میں اپنی حد اور وضع سے تجاوز نہیں کرتے، پس اسی طرح خدا تعالیٰ قیامت کے قرب میں آفتاب کی حرکت و سیر کو پھرا دیگا۔ اور بجائے مشرق کے مغرب کی جانب سے طلوع فرمائے گا۔ لیکن یہ بات اتنی ہے کہ ستاروں کی رفتار و سیر کا علم لوگوں پر اُس وقت ظاہر ہے، اور اقتراب ساعت کے وقت طلوع آفتاب از جانب مغرب کا حال و علم اُس نے کسی حکمت سے بندوں پر ظاہر نہیں فرمایا۔

آفتاب کی رفتار بدل دینے میں منجملہ ہر تسی پو شیبہ حکمتوں کے ایک حکمت یہ ہے کہ جب انتظام ترکیب عالم فساد کو پہنچے گا۔ اور لوگ بُرائی و بدی پر مصر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اس بڑی آیت کے ذریعہ مخلوق کو متنبہ فرمائے گا کہ نقص ترکیب عالم اس پر آسان و اکلون ہے۔ اور یہ کہ دنیا کا کام انتہا کو پہنچ گیا ہے۔ اور یہ کہ قیامت کے باب میں جو کچھ انبیاء علیہم السلام فی خلق

خدا کو پہنچا یا ہے۔ تمام درست و بجا ہے۔ ایک حکمت یہ بھی ہے کہ جب اشراط
شاعت ایک ایک آخر زمانہ میں ظاہر ہونگی۔ اور لوگ اسی طرح بدی و فضیلت
پر قائم رہیں گے، تو یہ آریہ کریمہ برای العین اُن پر ظاہر ہوگی۔ اس عقوبت میں کہ
جب ایمان بالغیب جائز نہیں رکھتے۔ تو اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ لیکن
اس وقت کا ایمان مطلق مفید نہ ہوگا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔ یَوْمَ یَأْتِ
بَعْضُ اَیَّاتِ رَبِّکَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ
مِنْ قَبْلُ یعنی جس دن تیرے رب کی بعض آیات ظاہر ہوں گی۔ تو کسی
شخص کو اُس کا ایمان لانا اُس وقت نفع نہ دیگا۔ جو اس سے پہلے ایمان
نہیں لایا۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ وہ رات جس کی صبح کو آفتاب مغرب سے
طلوع کریگا۔ نہایت دراز ہوگی۔ لیکن اُس کی درازی سولے تہجد گزاروں کو
اصحاب اوراد کے کسی کو محسوس نہ ہوگی۔ جب یہ لوگ اپنی عبادت و اوراد سے
فارغ ہو کر منتظر صبح کے ہونگے، مگر صبح نمودار نہ ہوگی۔ اُس وقت اُن کی حیرت
کی کوئی انتہا نہ ہے گی۔ اور گہرا کر پھر طاعت و طیف میں مشغول ہو جائیں گے۔
پھر صبح کا انتظار کریں گے۔ اور جب صبح کا طلوع نہ ہوگا۔ تو خیال کریں گے کہ
کوئی امر عظیم اور حادثہ جہیم ظاہر ہونے والا ہے۔ لہذا دعا و استغفار میں
سر بسجود مصروف ہونگے کہ اتنے میں جانب مغرب سے آفتاب طلوع کریگا۔ اس
حال میں کہ نور و روشنی سے بالکل خالی ہوگا۔ اور تمام لوگ اُس کو مشاہدہ کریں گے
یہی وہ وقت ہوگا کہ کفار کا ایمان اُن کو مطاعن مفید نہ ہوگا۔ اور حدیث
کے مطابق آفتاب صرف ایک روز مغرب سے نکلے گا۔ یہی درست ہے
اس میں شک نہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ آفتاب متوازن تین دن تک
مغرب سے نکلیگا۔ پھر اپنی عادت معمود کے مطابق مشرق سے نکلتا رہیگا۔
اور باقی ایام دنیا تک اُس کا طلوع و غروب اسی طرح معمول ہوگا۔
رات کے دراز ہونے کا بظاہر سبب یہ ہے کہ جب مغرب سے
آفتاب کے طلوع ہونے کا وقت قریب ہوگا۔ تو آفتاب خدا سے مستوری

اس وقت کا ایمان لانا مفید نہ ہوگا

چاہے گا۔ اس کو اجازت نہیں دی جائے گی۔ اور حکم ہوگا کہ جس رستہ سے آیا ہے اسی رستہ سے پلٹ جا۔ اور آیت یَوْمَ یَأْتِی بَعْضُ اٰیَاتِ رَبِّکَ کِی تَاٰیِلْ میں علمائے اُمت کا اختلاف ہے۔ بعض ظاہر آیت پر تمسک کر کے کہتے ہیں کہ مغرب سے طلوع آفتاب کے وقت کسی فرد بشر کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ چنانچہ حدیث صحیح میں ہے مَنْ تَابَ تَبَّیْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا تَابَ اللّٰهُ عَلَیْہِ یعنی جو شخص مغرب سے آفتاب طلوع ہونیکے پہلے توبہ کر چکا۔ اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔

دوسری حایت میں ہے۔ لَا یَنْقَطِعُ التَّوْبَةُ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا توبہ منقطع نہ ہوگی۔ جب تک آفتاب مغرب کی جانب سے طلوع نہ کرے، ان کے سوا اس معنی میں اور بھی احادیث وارد ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں یہ حکم ان لوگوں کے لئے وارد ہے۔ جنہوں نے اس آیت کا مشاہدہ کیا۔ اور بعد مشاہدہ کے ایمان لائے۔ لیکن وہ اصحاب جو اس آیت کے ظہور کے بعد پیدا ہوئے۔ یا اس آیت کے وقت مکلف نہ تھے۔ اور حدیث کو نہیں پہنچے تھے۔ اس آیت کے حکم سے خارج ہیں۔ (یعنی توبہ ان کے حق میں مفید ہے) اور اصول دین کا اقتضا بھی یہی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کو ایمان کی طرف دعوت کرے۔ اور وہ قبول کر لیں۔ تو ان کا ایمان اعتداری نہ ہوگا۔ ضرور قبول ہوگا۔ مگر جب یہ کہیں کہ اس آیت کے بعد دنیا کی مدت مقتضی ہو جائیگی) اور میں نے ایک حدیث میں دیکھا ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص سے جو عمر رسیدہ اور بوڑھا ہوگا۔ سوال کرے گا کہ تم کب پیدا ہوئے۔ تو وہ جواب میں کہیگا۔ اُس وقت جب آفتاب مغرب کی طرف سے نکلا تھا۔

اور اس امر کی دلیل کہ حکم انہیں لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو اُس وقت بحالت بلوغ مکلف بالشرع تھے۔ اور باوجود اس کے ایمان نہیں لائے۔ یہ ہے کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ قیامت کی پہلی علامت مغرب سے طلوع آفتاب ہے۔ تو لامحالہ خروج وقبال اس کے بعد ہوگا۔ اور حضرت علیؑ

کا نزول حُج دجال کے بعد ہوگا۔ اور زمانِ عیسیٰ علیہ السلام میں ایمان مقبول ہے۔ دلیل اس آیت کے **وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ** اور کوئی اہل کتاب سے نہ ہوگا۔ جو عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی موت سے پہلے ایمان نہ لائے۔ اگر اعتراض کیا جائے کہ ایمان نوالا یمنگے مگر مقبول نہ ہوگا تو ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ جسنہ یہ کو موقوف کریں گے۔ **يَقْضَىٰ الْحِزْبِيَّةُ** اور اس کے یہ معنی ہیں کہ لوگ ایمان لانے پر راضی ہونگے۔ جز یہ دینے پر راضی نہ ہونگے۔ پھر اگر اعتراض کیا جائے کہ مراد اس آیت سے کہ آیاتِ مہادی میں سے پہلی آیت مغرب سے آفتاب نکلتا ہے یعنی پہلی آیت جو اختلالِ نظامِ افلاک و ستارگان سے مشاہدہ ہوگی۔ وہ یہ آیت ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ بیشک اس کا احتمال ہے لیکن حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں آیا ہے کہ تین چیزیں ہیں۔ جب وہ ظاہر ہو جائیں گی۔ تو کافر کے لئے ایمان لانا مفید نہ ہوگا۔ اول مغرب سے آفتاب نکلتا۔ دوسرے دجال کا خروج۔ تیسرے دابة الارض کا پیدا ہونا۔ اور یہ بھی معلوم ہو چکا کہ خروجِ دجال نزولِ عیسیٰ سے قبل ہوگا۔ اور ہم بدلائل یہ بیان کر آئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں ایمان مقبول ہوگا۔

اگرچہ یہ پہلی وجہ پر ترجیح رکھتی ہے۔ تاہم کسی ایک بات پر حزم اور قطع کر لینا درست نہیں۔ کیونکہ اس باب میں کوئی بھی ایک نقل جو موجبِ علم ضروری ہو نہیں دیکھی گئی۔ خدا ہی جانتا ہے کہ پہلے کس آیت کا ظہور ہوگا۔ صرف اتنی بات احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ آخر زمانہ میں آفتاب مغرب سے طلوع کریگا۔ اس وقت ایمان مقبول نہ ہوگا۔ مگر اس کے وقت کے متعلق ہم کو یقینی علم نہیں۔ احتمال ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے پہلے ہو یا ان کے بعد جب ان کے تمام ہمراہین اور مطیعین وفات پا جائیں۔ اور خلق سے ناسرہ فساد و فسادات منطقی نہ ہو۔ بلکہ لوگ اسی طرح فساد و عناد پر ستم رہیں۔ تو غضبِ الہی جوش میں آئے۔ او ان کو عذابِ دنیا ضرور ہو۔ اس وقت آفتاب مغرب سے طلوع کرے۔ پھر ان کا ایمان مقبول نہ ہو جس طرح دوسری امتوں کو ایمان باس مقبول نہیں

فَلَمَّا يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَنَاتِنَا يَئِنِّي أَنْ كُؤُنَ كَا إِيْمَانِ
لَا نَنْفَعُ نَفْسَ كَا جِبِ اُنْهَوْنَ فِي هَامَا عَذَابِ دِيكِيهَ بِيَا - سَدَّتِ اَللّٰهُ اَلَّتِي قَدْ
خَلَتْ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ ۝

وایتہ الارض کا نکلنا

ایک اور نشانی زمین سے دابنہ الارض کا نکلنا ہے۔ جو نص قرآنی سے ثابت ہے۔ قَالَ اللَّهُ تَعَالٰی فَاِذَا اَوْقَعُ الْفُلُوْلُ عَلَیْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً اَلْرَضِ تُكَلِّمُهُمْ ۚ یعنی جب ہمارا عذاب اُن پر واقع ہوگا۔ تو ہم اُن کے لئے دابنہ الارض نکالیں گے۔ جو اُن سے کلام کریگا۔ جیسے ناقہ حضرت صالح علیہ السلام کو پتھر سے نکالانھا۔ دابہ اور اُس کے حالات میں اخبار کثیر وارد ہیں۔ لیکن اس وجہ سے کہ وہ معتمد اور موجب علم ضروری نہیں۔ ہم اس بیان سے درگزر کرتے ہیں۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرنے والوں پر اتنا واجب ہے کہ وہ زمین سے دابنہ الارض کے نکلنے اور اُس کے گویا ہونے کا اقرار کریں۔ اور یہ کہ وہ اقتراب ساعت کے وقت خروج کریگا۔ حدیث میں ہے کہ دابۃ الارض کا نکلنا اَدْرِمَغْرِبِے آفتاب کی طلوع ہوتا قریب قریب ہوگا۔ یعنی ایک نشان کے ظاہر ہوتے ہی دوسرا نشان ظاہر ہوگا۔ اور یہ دلیل ہے اس تاویل کی جو اوپر بیان ہوئی۔ کہ آفتاب کے مغرب سے نکلنے کو سماوی آیات کے لحاظ سے پہلی آیت کہنا مناسب ہے۔

دخان کا خطا ہرگز نہ

ایک اور نشانی دخان ہے، اور وہ ایک گھٹا ٹوپ اندھیرا کھنے والا دھواں ہے۔ جو آسمان سے زمین تک تمام چیزوں کو گھیر لے گا۔ جس سے لوگوں کا دم گھٹنے لگے گا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔ یَوْمَ يَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دخان کی علامت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گذر گئی۔ اُس وقت ایک سخت تھپڑ پڑا تھا۔

جس سے کفار زمین پر دھواں دیکھتے تھے، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وِیْلِهِ ۔

آگ نہ کلنا

ایک اور نشانی قصر عدن سے آگ کا نکلنا ہے جس کی روشنی موانع شام تک پہنچے گی۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ آگ لوگوں کو مقام سرست خیز میں لے جائیگی۔ ایک روایت میں قیامت گاہ کا ذکر ہے۔ اور جہاں کہیں لوگ رہیں گے۔ یہ بھی اُن کے ساتھ رہے گی۔ راستہ میں کسی وقت اُن سے جدا نہ ہوگی۔ احادیث درست سے اُس پر ایمان لانا ثابت ہے۔ لیکن یہ حدیث چند طریق پر مرزی ہے کہ اُس کے بعض حصوں پر اشکال وارد ہوتی اور بظاہر تناقض معلوم ہوتا ہے۔ لہذا اس پر صحیح طریق پر تقریر کرنا درست ہے۔ تاکہ کوئی مبطل عام مسلمانوں پر کوئی شبہ پیدا نہ کرے۔ اور اپنے عقائد فاسدہ کے پھیلانے میں اس کو ایک وسیلہ نہ گردانے ۔

احادیث خروج نار میں ایک اشکال

اشکال یہ ہے کہ ایک حدیث میں قصر عدن کی آگ کو آخر آیت کہا گیا ہے ایک روایت میں مین سے اُس کا نکلنا بیان ہوا ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں ہے۔ اَوَّلُ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ نَارًا تَخْشُرُ النَّاسَ مِنْ الْمَشْرِقِ اِلَى الْمَغْرِبِ۔ یعنی قیامت کی شرط وہ آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف لیجائے گی۔ اگرچہ لفظ اول و آخر میں روایت سے غلطی واقع ہونا مستبعد نہیں ہے (یعنی ممکن ہے کہ راوی اول کی جگہ آخر یا آخر کی جگہ اول کہہ گیا ہو) لیکن چونکہ دونوں حدیثیں درست ہیں۔ اور ایک ہی خبر میں جناب نبی کریم سے اختلاف واقع ہونا روا نہیں پس حوالب یہ ہے کہ دونوں شیوہ کو اس طور سے صاف کر دیا جائے کہ اُن میں تناقض نہ رہے۔ لہذا :-

ہم کہتے ہیں کہ دونوں حدیثوں میں دو واقعات علیحدہ علیحدہ بیان کئے گئے ہیں۔ یعنی وہ آگ جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف اٹھایا جائے گی

اور جس کو اشراط ساعت کی پہلی شرط فرمایا ہے۔ یہ دوسری آگ ہوگی۔ اور وہ آگ جو قعر عدنان سے نکلے گی۔ اور جس کو آخر آیات فرمایا ہے۔ یہ دوسری آگ ہوگی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوق کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ میں سے نکلنے والی آگ جو آخر آیات ہے۔ حقیقت میں آگ ہوگی۔ اور دوسری آگ جو اول اشراط ساعت ہے۔ مراد اس سے فتنہ اتراک ہوگا۔ کہ ہمارے زمانہ میں ظہور کریں گے، اور لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف کھینچ لے جائیں گے عایت شدت فتنہ اور خلق کے ہلاک ہو جانے اور شہروں کے متناصل ہو جانے کے سبب اُس کو آگ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ چنانچہ قاعدہ ہے کہ عرب حرب کو آگ سے تشبیہ کرتے ہیں۔ اور پھر اس قوم کا فتنہ تو حقیقت میں آگ کی طرح شہروں کو خراب کرنے والا اور مخلوق کو تباہ کرنے والا ہوگا۔ جس سے دنیا جیج اُٹھے گی۔

اگر سوال کیا جاوے کہ انشقاق قمر اول اشراط ساعت ہے۔ اور وہ زمانہ رسول میں ظاہر ہو گئی۔ اور ہم حدیث ابن مسعود سے منسک کرتے ہوئے کہتے ہو۔ کہ دحان کا واقعہ زمان رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گذر گیا۔ تو قیامت کی پہلی شرط یہ ہوئی۔ پھر وجہ اس حدیث کی کہ اول اشراط الساعة نادراً یحشر الناس من المشرق إلى المغرب کس طرح ہوگی۔

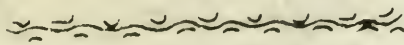
جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اشراط ساعت متعدد ہیں۔ بعض اُن میں سے وہ ہیں۔ جو زمانہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک ظاہر ہو گئیں۔ بعض وہ جو آپ کے بعد ظاہر ہوئیں۔ اور آخر زمانہ میں جب اُمرت کے احوال میں تغیر و تبدل اور فساد و خرابی واقع ہوگی۔ اُس وقت متعاقب اور متوالی ظاہر ہونگی۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ وایات یتتابع کتنابع النضاہ قطع سدا کہ تو اس آگ کی علامت کہنا اس لحاظ سے ہے کہ یہ پہلی آیت ہوگی، ان آیات سے جو آخر زمانہ میں وقت تغیر و تبدل احوال خلایق کے ظہور کریں گی۔

اور اس حدیث میں کہ ایک آگ مین سے ظاہر ہوگی۔ اس جہت سے اشکال یہ ہے کہ آپ نے فرمایا ہے جب تک اس آیتیں ظاہر نہ ہوں۔ قیامت قائم نہ ہوگی، ان میں سے ایک خرچ آتش ہے۔ قعر عدن (مین) سے پھر اس حدیث میں فرمایا کہ یہ آگ خلق کو مقامِ محشر میں لیجائے گی۔ ثقیل معہم حیث ما قالوا ویا ت مت معہم ای نما بآلوا یہ حالت تو حشر کے بعد ہوگی۔ اور حشر بعد قیامت کے ہوگا۔ پس اس آگ کو اشراطِ ساعت سے کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ شرطِ کا ساعت پر مقدم ہونا ضرور ہے۔ ہم کہتے ہیں احتمال ہے کہ وہ آگ مین سے ظاہر ہو جائے اس کے بعد حشر قائم ہو۔ اور آگ حشر کے بعد تک اپنی حالت پر رہے۔ پھر اسی آگ کو اہل شقاوت کا سائق کر دیا جائے کہ انہیں دوزخ میں لے جائے۔ اور زمینِ محشر تک کسی جگہ ان سے جدا نہ ہو۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ وَ تَحْشَسُ بِقَيْتِهِمُ الدَّارَ ثَقِيلُ مَعَهُمْ حَيْثُ مَا قَالُوا وَايَاتُ مَعَهُمْ اَيْنَمَا بَاتُوا وَتَصْبِعُ مَعَهُمْ حَيْثُ اصْحَبُوا وَتَمُشِي مَعَهُمْ حَيْثُ مَشُوا۔

اشراطِ ساعت کے یکے بعد دیگرے ساعت بعد ساعت اور نزول بعد نزول ظاہر ہونے کی مثال ایسی ہے۔ جیسے امارات و آثار مرگ کہ دمید بیمار پر ظاہر ہوتی ہیں۔ تاکہ وہ توبہ کرے۔ اور خدا کی طرف رجوع لائے اور افعالِ بد سے تائب ہو۔ اور استعدادِ موت حاصل کرے۔ اور حق و صیحت بجا لائے۔ یہی حال اشراطِ ساعت کا ہے۔ تاکہ لوگ علاماتِ قیامت دیکھ کر توبہ کریں۔ اور اپنی باقی زندگی میں استعدادِ تقائے ربانی ہوں۔ اور امید اپنی اس دُعا سے اٹھادیں۔ اور اہل ایمان یہ آیات دیکھ کر مؤیدِ بڑیا دتی یقین ہوں۔ اور جو کچھ بحکمِ خدا جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ اور منکر ان بعث و نشر

سے جہاں وہ اوپر کو آرام کریں گے۔ وہ بھی دیں بطریق۔ اور جہاں وہ رات کو سوئیں گے۔ تو وہ بھی وہیں رات گزائے گی۔

پر حجت قاطعہ قائم ہو۔ وَاَللّٰهُ بِحُكْمِہٖ فِی خَلْقِہٖ مَّایَشَاءُ وَ لَیْفَعْلُ مَا
یَرِیدُ وَ ہُوَ حَسْبُنَا وَ نَعْمَ الْوَكِیْلُ ۝



تیسرا باب

اعتقادی مسائل کے بیان میں بحسب کتاب و سنت
و جمیع اُمت

اس باب میں چند ایسے مسائل بیان کئے گئے ہیں جن سے واقف
ہونا نہایت ضرور اور اصول دین سے ہے۔ اور اُن کے نہ جاننے سے
مظنہ یا رعت و ضلالت میں اور مسالک فتن و ہلاکت میں گرنے کا خوف
ہے۔ اس کو دس فصلوں میں ایسے عمدہ طریق پر علیحدہ علیحدہ بیان کیا گیا ہے
کہ اس کے سمجھنے میں مطلق وقت نہ ہو۔ یہ وہ باتیں ہیں جن سے مسائل
امارت اور احکام و قضایا متعلق ہیں۔ اور اسی سے صلاح و فساد اُمت
منوط ہے ۝

پہلی فصل

وجوب امارت کے بیان میں

امارت کے وجوب میں حسب ذیل دلائل پیش کئے جاتے

ہیں ۝

وجوب امامت کے وجوہات و دلائل

اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض کیا ہے کہ وہ اتباع و حقوق، امارت حدود، امر معروف، نہی منکر، ظالم سے داد و مظلوم لینے، دشمنانِ خدا و رسول کے ساتھ جہاد کرنے، بیضہ اسلام کو انتشارِ فساد اور غلبات و دشمنی سے نگاہ رکھنے، مسلمانوں کے دما و خرچ اور اموال کی محافظت کے لئے قضات و لات مقرر و قائم کرنے، خداوندانِ اموال سے پوری زکوٰۃ لینے۔ اور مستحقین کو پہنچانے، خراج و محاصل وصول کر کے مسلمانوں کو مصالح دینی و دنیوی میں صر کرنے وغیرہ وغیرہ میں سعی و تبلیغ کرتے رہیں۔ اور کبھی اور کسی وقت اس فرض سے غافل نہ ہوں۔ پھر یہ کام ایسے ہیں۔ جن کا نفاذ و اجرا بدولت ایک ایسے امام کے مقرر کئے۔ جس کے نسب تعین پر اہل اسلام متفقہ الکلمہ ہوں۔ اور جو ان احکام کی تمہید اور ان قضایا کی تہذیب کی پوری قدرت و صلاحیت رکھتا ہو، نہایت دشوار ہے۔ کیونکہ انسانی راہیں باہم مختلف اور ان کی خواہشات و ہوا یا قنوع اور متعبد ہیں۔ پس ان کے نفوس بے زجر راجد اور بغیر حاکم قاہر کے جو انہیں کی اتفاق رائے سے قائم و منسوب ہو۔ ہرگز سیدھے رستے پر نہیں رہ سکتے۔ اسی واسطے بندوں پر اور بالخصوص اہل علم پر واجب ہوا کہ جناب نبی کریم کی وفات کے بعد اس امر پر قیام اقدام کریں۔ کیونکہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس امر اہم پر اپنے سامنے کسی کو مقرر نہیں فرمایا۔ اور انصرام امور اہل اسلام کا اصحابِ رائے پر چھوڑا۔ تو مسلمانوں کو چاہئے کہ جس شخص کو دینی۔ دنیوی اور سیاسی امور میں ممتاز دیکھیں اس کو اتفاق باہمی سے اپنا امام مطرَع اور مرجع امور قرار دیں۔ تاکہ ادائے فرائض کے طریق اور نفاذ امور میں کوئی دقت نہ ہے۔ اور یہ جائز نہیں کہ خدا تعالیٰ نے بندوں پر کوئی کام فرض کیا ہو اور اُس کے ادا کرنے کی کوئی سبیل نہ نکالی ہو۔ جناب رسول خدا کے بعد ہر وقت اُس کا یہی حکم ہے۔ اور اگر امام برحق جس کو باستحقاق شرعی

امامت پہنچی ہو، اپنا جانشین کسی دوسرے شخص کو کرے۔ (اگر میرے بعد فلاں شخص امام ہوگا) تو اس وقت مسلمانوں کے ذمہ سے یہ فرض اٹھ جائے گا لیکن جس حالت میں امام موجود اپنے رب و ربوبی کی امامت پر نص نہ کرے، تو اس صورت میں مسلمانوں پر نصب امام واجب ہے، چنانچہ بیان ہوا اس امر میں ہرگز نقص نہ کریں۔ حدیث میں وجوب امامت کی بہت دلیلیں ہیں۔ از انجد حدیث عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا: **مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنْقِهِ بَيْعَتُهُ مَا تَمِيتُهُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ** دوسری حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **اَلَا مَامَ جَنَّةٍ يَقَاتِلُ مَنْ دَرَا يَهُ** تیسری حدیث خدیفہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ جب انہوں نے حدیث فتنہ سنی تو عرض کیا: یا رسول اللہ فماتامنی ان اور کتنی ذالک قال تلزم جماعت المسلمین واما مہم یعنی اے خدا کے رسول جب یہ مانہ مجھے پالے۔ تو میں کیا کروں۔ فرمایا: مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑو۔

اور جملہ دلائل و مجوی کے ایک بڑی دلیل صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہے کہ بعد وفات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جب ہماجرین و انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے، اور ہماجرین نے طلب بیعت کی تو انصار کہا منا امیر

لی امامت اور اس حدیث کے دلچسپانی کیلئے دیکھو تامل صفحہ

۱۱ امام ایک ٹال ہے۔ جو غیر مطیعوں کے ساتھ قتال کر کے مطیعوں کو بچاتا ہے۔

۱۲ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ اور ان کے ہمنیال جناب رسول خدا کی بیعت کو بلا کفن و دفن چھوڑ کر بطرح حصول ریاست سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ انہیں اتنا ہوش نہیں کہ نصیب امام و فقیہ اتنا ضروری ہے کہ بدوں اس کے انتظام دین اور اتفاق سامین ممکن نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی دنیوی حاکم فوت ہو جاتا ہے۔ تو جب تک اس کا جانشین نہیں بنا لیتے تب تک اس حاکم کی تجبیر و تکلیفیں نہیں کرتے کہ مبادا کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہو۔ اور اس کا دیا تا بدوں حاکم کے دشوار ہو۔ پھر دنیا اور دین کے لئے بڑے بادشاہ کے وفات کے وقت جس کی ذات گرامی دین و دنیا کی صلاح و سداد کے متعلق کیونکر ایسا نہیں کیا جاتا۔ جیسا صحابہ کرام نے کیا۔ دوسرا امر نصیب امام کی ضرورت پر (باقی حاشیہ صفحہ ۲۳۷)

دوبارہ امت کی بڑی ذلیل اور عاجز ہے

و امیر منکھ یعنی ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے رہے دلیل ہے اس امر کی کہ مہاجر و انصار سب نے نصب امام کو ضروری سمجھا اور سب بلا آکر اہ نصب امام پر مجتمع ہوئے، آخر باجماع جماعت صحابہ حضرت ابو بکر رضی امیر اور امام اور خلیفہ جماعت مسلمین کے منتخب ہوئے ۴ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے نزدیک بحضور جماعت مسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ تجویز کیا۔ بعض نے اعتراض کیا کہ اے ابو بکر خدا کو کیا جواب دیگا۔ جب وہ پوچھے گا کہ سخت ترین مردم کو تو نے خلیفہ تجویز کیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں خدا کو جواب دے گا کہ میں نے بہترین اہل اللہ کو خلیفہ کیا ہے۔ اہل مکہ کو یہ یہ لوگ اہل اللہ کہا کرتے تھے ۵

تیسری دلیل یہ ہے کہ جب لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نصب خلیفہ کے لئے درخواست کی۔ تو آپ نے فرمایا کہ زندگی میں عہد کر سکتا ہوں۔ لیکن بعد مرگ کے ذمہ نہیں لیتا۔ لیکن تم ان چھ شخصوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لینا۔ چنانچہ ان چھ آدمیوں کا شور مچا مقرر کیا۔ عثمان رضی علیہ السلام، طلحہ رضی، زبیر رضی، عبدالرحمن ابن عوف رضی، اور سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ۔ ہنہو اجماعین۔ یہ تمام بیان اجماعی ہے۔ صحابہ سے وجوب امامت پر ۶

~~~~~

(بقایا حاشیہ صفحہ ۲۳۶ سے)

یہ داعی ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر وفات سنتے ہی باقی مہاجرین و انصار حصول ریاست و حکومت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور جب حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی زبان پر یہ خبر پہنچی کہ لوگ سقیفہ بنی ساعہ میں جمع ہیں۔ اور خلافت کیلئے جھگڑا کر رہے ہیں حضرت شیخین مجبوراً وہاں تشریف لے گئے۔ تاکہ کوئی فتنہ امت میں پیدا نہ ہو۔ خود جناب علیؑ بھی اپنے چند ہتھیالوں کے ساتھ گھر میں بیٹھے ہوئے اپنی خلافت کو منوالنے کے منصوبے کر رہے تھے، پھر شیخین نے کیا تو کیا بڑا کیا ۶



# دوسری فصل

## امامت کے شرائط میں

علماء فرماتے ہیں۔ امامت کی تین شرطیں ہیں۔ علم۔ عدالت اور نجاست بعض علماء قوت و قہر کو بھی شرائط امامت سے کہتے ہیں۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ اگر امام قوی و طاہر نہ ہوگا تو استیغناء حقوق اور اقامت حدود کیونکر کر سکیگا۔ ایک اور بھی شرط ہے۔ جن میں علماء باہم مختلف ہیں۔ اور وہ امام کا قریشی ہونا ہے۔ جمہور اہل حدیث کا اسی پر اتفاق ہے۔ بدیل حدیث لائمہ من قریش کے، ابو حنیفہ کے مذہب میں بروایت ثناء غیر قریشی کا خلیفہ و امام ہونا روا ہے۔ تو معنی حدیث کا حمل اس صورت میں یا بروجہ استحباب ہوگا۔ یعنی قریش کی امامت غیر قریشی سے اولیٰ ہے۔ بجائے کہ اُس میں شرط امامت پانی لجاوے۔ یا یہ کہ حدیث خبر کے طور پر واقع ہوئی ہے یعنی حضور نے فرمایا کہ امام قریش سے ہونگے، اگر مراد خبر ہے تو ایسا ہی ہوگا۔

کتنے لوگوں کے اتفاق سے امامت قائم ہو سکتی ہے

پھر علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کتنے لوگوں کے اتفاق و رضامندی سے بیعت منعقد ہو سکتی ہے۔ ہم نے بمقتضائے حدیث و اصول شریعت کے سب سے زیادہ موافق قول یہ پایا ہے کہ جب چالیس مرد اہل رائے و شوریٰ اور خرد و اندان تمیز و عدالت سے کسی ایسے شخص کی بیعت پر مستعد امامت ہو۔ اتفاق کر لیں۔ اور ان میں ایک ایسا عالم بھی ہو جو قضا کی قابلیت رکھتا ہو۔ تو ان کے اتفاق و مشورت سے بیعت منعقد ہو جاتی ہے۔ اور مسلمانوں پر اس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔ اور چاہے کہ عالم نہ کو بیعت کی ابتدا کرے۔ پھر دوسرے سے لوگ بیعت کریں۔





نہیں۔ پس امامت کے لئے بھی عصمت شرط نہیں۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے۔ کہ اس سے مفسدہ پیدا ہوتے کا خوف ہے۔ جواب میں ہم کہتے ہیں کہ جب قاضی نصب کرتے ہیں۔ اور قاضی معصوم نہیں ہوتا۔ تو جو خرابی امام کی عدم عصمت کے صورت میں واقع ہونے کا خوف تھا۔ اُس کا انسداد نہیں ہوتا۔ اگر کہیں کہ امام اُس کی تسدید و تقویم کر سکتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ امام مشرق میں ہے۔ امد اُس کی طرف سے ایک حاکم مغرب میں ہے۔ پھر اگر حاکم کی ذات سے کوئی حادثہ و مفسدہ پیدا ہو۔ یعنی وہ حکم میں خطا کرے۔ تو خطا حاکم و امام دونوں کی سبھی جائے گی۔ امام کی تو اس جہت سے کہ اُس نے خطا کار اور غیر معصوم کا تقرر کیا۔ اور حاکم کی اس سبب سے کہ اُس سے خطائے فاحش سرزد ہوئی۔ اب یہ امر ظاہر ہو گیا کہ غیر معصوم سے جس قسم کی خرابی سرزد ہونے کا احتمال تھا۔ وہی خرابی معصوم سے سرزد ہو گئی۔ پھر معصومیت کہاں رہی؟

رد افض کی یہ تمام باتیں عصمت کے متعلق بریکار اور پوچ ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ ان فضولیات میں پڑ کر کتاب کی ضخامت بڑھا دیں؟

## اختلاف مابین علی و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

ان کے مفرقات کا سب سے عمدہ جواب یہ ہے کہ اُن کے نزدیک پہلے امام معصوم حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ اور اُن سے بڑھ کر کوئی شخص نہیں۔ جس میں وہ دعویٰ امامیت و معصومیت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اُن کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے امام منصوص اور پہلے معصوم ہیں۔ ان کا علم و فضل بھی بقول رد افض کے برتر اور فوق تمام آئمہ اور اولیا اور اوصیا کے ہے اور یہ بھی رد افض بجوبی جانتے ہیں کہ حضرت عید اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ابن عم تھے۔ اور نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تابعین اور اشباہ سے حضرت ابن عباس کئی دفعہ جناب علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حجاز و یمن اور بصرہ اور ملحقات بصرہ کے حاکم و والی رہ چکے ہیں۔ پھر باوجود اس کے اکثر اجتہادی مسائل میں جناب علی رضی اللہ عنہ و ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مابین اختلاف موجود ہے

چنانچہ ایک مرتبہ جناب علی رضی عنہ نے زنا و دہ کو آگ میں جلا دیا۔ تو حضرت ابن عباس رضی عنہ نے کہا کہ اگر میں ان کو سزا دیتا۔ تو آگ میں کبھی نہ جاتا۔ اس لئے کہ جناب جہل خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لا یعذب بالنار الا رب النار۔ آگ کا عذاب دنیا سوائے رب النار یعنی خدا تعالیٰ کے کسی کو نہیں پہنچتا یعنی انسان کو زیبا نہیں کہ کسی گنہ کار کو عذاب آتش میں مبتلا کرے۔ بلکہ عذاب دینا خدا نے اپنے اختیار میں رکھا ہے۔ کہ وہی گنہ گاروں اور کفار کو عذاب نرخی میں جلائے گا۔ میں تو ان کو قتل کرتا کہ حدیث میں ہے من بدل دینہ فاقتلوہ جب کوئی شخص اپنا دین بدل دے تو اس کو قتل کر ڈالو۔ یہ حدیث جب جناب علی رضی عنہ کے سمع مبارک میں پہنچی۔ تو انرا راہ ندامت فرمایا دسح ابن عباس رضی عنہ کو یا اپنے حکم سے نادم ہوئے۔ اس طرح ان مسائل میں درمیان ابن عباس رضی عنہ و جناب علی کے اختلاف رہا۔

جناب علی رضی عنہ کا مذہب یہ ہے کہ متوفی کو میتیم کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں۔ حالانکہ ابن عباس رضی عنہ کا مذہب اُس کے خلاف ہے۔ دوسرے حضرت

احمد تحف اثنا عشر میں ہے کہ اگر وجود امام معصوم کا ضروری ہو۔ اس واسطے کہ خطا سے امن میں رہیں۔ تو چاہئے کہ کثرت ہر و انظیم میں ہوتا یعنی شخص کا ضروری ہو۔ اس واسطے کہ وجود ایک شخص کا مستلزم امن نہیں ہو سکتا ہے۔ اس واسطے کہ مکلفین مشا رق و منارب میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور ہر ایک اپنی حاجتوں میں گرفتار، یہ ممکن نہیں کہ سیام کے پاس حاضر ہو سکیں کہ محالانہ عادیہ سے ہے اور اگر امام ہر شہر میں کوئی نائب مقرر کرے پس جب کہ عصمت محفوظ ہے۔ خطا اس پر ظاہر ہوگی۔ اور یہ سبب اس کے کہ وہ امام سے دور ہے۔ اس خطا پر مطلع نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً حوادث و وقائع وجوبہ کا تدارک خطا کا ہونا جلا جلتے علی الخصوص زمان غیب گبری میں اور بر تقدیر مطلع ہی ہوا۔ تو تنبیہ اُس خطا پر نہیں ہو سکتی۔ سوا اُس کے کہ کوئی قاصد بھیجا جائے، اور قاصد کو بھی عصمت لازم نہیں ہے۔ یہ بھی خطا سے مامون نہیں۔ اس کے سوا خطا بھی جعل و فریب کے جاری ہوتے ہیں۔ اس میں بھی احتمال خطا کا موجود۔ ہمدان نائب جب تک۔ عمل قواعد ملت و تمیاس کے نہ جانے گا۔ مراد امام کے سبب ہونا ممکن نہیں۔ اور یہ سبب موقع گمان و خطا کے ہے۔ پس امن بقدر نصیب امام معصوم کے کبھی نہیں ہو سکتا۔ اختر محمد۔



حضرت علیؓ کا مذہب تھا کہ اگر کسی سے کوئی حدیث سنتے تو جب تک اس کو قسم دلاتے قبول نہ کرتے، حالانکہ مذہب ابن عباسؓ بلکہ جمہور صحابہؓ ذاتا بعین کا اس کے خلاف ہے۔ الغرض بہت سے مسئلوں میں مابین ان ہر دو اصحابؓ کے اختلاف موجود ہے جس کا استعیاب متعذر ہے۔ اور حجت کے لئے اتنا ہی کافی ہے حاصل مطلب یہ ہے کہ اگر حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ امام معصوم ہوتے تو حضرت ابن عباسؓ مسائل مذکورہ وغیرہ میں کبھی ان کا خلاف نہ کرتے۔ بلکہ اختلاف جائز ہی ہوتا۔ کیونکہ جو آدمی خطا سے معصوم ہے اس کی مخالفت معصیت میں داخل ہے اور اگر تو حضرت علیؓ غلط اپنے لئے عصمت کو واجب جانتے۔ تو وہ اس امر کو کیونکر جائز سمجھتے کہ جو شخص مسائل متعددہ میں ان کے خلاف مذہب لکھتا ہے۔ اسی کو اپنی جانب سے عام مسلمانوں پر حاکم اور والی کر رہے ہیں۔

سب سے عجیب بات یہ ہے کہ یہ لوگ جو امام میں عصمت کے مدعی ہیں۔ اہل بیت کے باب میں ان کا مذہب ہے کہ خدا تعالیٰ پر صلاح بندگاں کی رعایت واجب ہے اور ان کے گمان میں امام معصوم معظمت مصالح بندگاں سے ہے۔ بلکہ بندوں کی ہمتا متزخویاں اور مصلحتیں اسی کی ذات سے وابستہ ہیں۔ پھر ان کا قول ہے کہ خداوندان عصمت سے صرف و آدمیوں نے خلافت کی ہے۔ جناب علیؓ اور امام حسنؓ رضی اللہ عنہما۔ اور دونوں حضرات کا زمانہ خلافت پانچ سال دو ماہ تھا۔ اس اعتبار سے ان کا مذہب عایت اصلاح میں انہیں پر حجت ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ اتنے زمانہ دراز تک جس کو تین ستونیں برس بٹھائے۔ وہ امام کہاں ہے جن کی بابت تمہارا گمان ہے کہ بدوں وجود ایسے معصوم امام کے عالم کا اصلاح پذیر ہونا ممکن نہیں۔ اور بغیر ان کے قضایا و احکام جاری نہیں ہو سکتے۔ اتنی مدت گزر جائے، اور کوئی جمعہ و جماعت متفق نہ ہو۔ اور نہ دوسرے احکام شرع جو حکام کے حکم سے وابستہ ہیں مستقیم رہیں۔ اس سے زیادہ کونسا گناہ ہوگا کہ کوئی شخص یہ اعتقاد رکھے کہ یہ اُمت جو خیر الائمہ ہے۔ اس قدر قرون دراز تک ضلالت و گمراہی پر مجتمع تھی۔ اور ان کے احکام و قضایا اور جمعہ و جماعت

لے اور اب تو ایک ہزار سال سے بھی زیادہ ہوئے ہیں ۱۲ منہ

کچھ درست نہ تھا۔ حالانکہ حدیث میں ہے۔ لن تجتمع امتی علی الضلالة میری امت ہرگز ضلالت پر مجتمع نہ ہوگی۔ اور فرمایا لا یزال طائفۃ من امتی ظاہرین علی الحق اور ایک دایت میں ہے۔ یقاتلون علی الحق حتی ینالوا امر اللہ یعنی میری امت سے ایک گروہ ہمیشہ ظاہر و غالب ہوگا وہ حق پر قتال کریں گے حتیٰ کہ خدا کا حکم (قیامت) آجائے گا۔

پس یہ گروہ کون ہے۔ اور جب سب کے سب باطل پر ہیں۔ تو وہ لوگ جن کی صفت حدیث میں آئی ہے۔ کہاں ہیں۔ تمہارے امام کا تو نشان و اثر تک دنیا کے پردہ پر نہیں۔ پھر تمہارے زعم باطل کے مطابق اصلاح امت کیونکر ہو سکتی ہے۔ اور رعایت اصلہ کا خیال فاسد کہاں قائم رہ سکتا ہے۔

## شیعوں کے اقوال کا فساد و بطلان

جو شخص ان امثال و نظائر پر غور کرے گا۔ اُس پر اس قوم کا فساد و فساد فوراً ظاہر ہو جائیگا۔ ہم نے محض اس خیال سے ان کے چند نظائر بیان کر دیئے ہیں۔ تاکہ عوام پر ان کا دعویٰ کا بطلان روشن ہو جائے۔ اور مسلمانوں کے دلوں میں ان کی منزخ فات کا کوئی وزن و وقار نہ رہے۔ اور غیر انبیاء میں عصمت کے دعویٰ کو محض وہابی اور لغو سمجھیں۔ اصل یہ ہے کہ انہوں نے امامت میں عصمت کی قید بڑھانے سے چاہا ہے کہ اہل سنت و جماعت کے عقائد اور ان کے قضایا اور احکام شریعت میں فساد ڈالیں۔ اور یہ باطنیوں کا ایک بڑا فریب کبیدہ ہے۔ ان کے دعوات خدا اُن پر لعنت کرے۔ تمام اطراف عالم میں اس پیہودہ عقیدے کو انواع و اقسام کے سکاٹ و فریب سے پھیلایا ہے۔ اور اس طرح خدا کی ایک بڑی مخلوق کو گمراہ کر رکھا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنا امام معصوم کو روا ہے۔ اس قسم کے اور بہت سے خرافات بتوتے ہیں۔ اور تشدید اُس کی اپنے ادیب کی جانب کرتے ہیں۔ یہ بیدین فرقہ اپنے کو اسمعیل ابن جعفر رضی اللہ عنہما کی جانب منسوب کرتا ہے۔ اور وہ انصاف کی طرح



عام اہل سنت کو گمراہی میں ڈالتا ہے۔ اس دعویٰ کا متنازعہ مشکوٰۃ دعوت طہنیں سے ہے۔ اور لفظ باطنی بھی انہوں ہی نے اپنے فتنہ کے لئے اختراع کیا ہے مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے گوش زبان کو اس بدعت عظیمہ کی آلائش سے بھڑکے و مامون رکھیں۔ واللہ منقذ من الضلال ۵

## تیسری فصل

اس بیان میں کہ بعد حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ و التسلیم کے

خلیفہ حق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے

عام ذیابانت سے قطع نظر کر کے ہم کہتے ہیں کہ معبر اور معتمد علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جناب نبی کریم علیہ التحیۃ و التسلیم سے خلافت کے باب کوئی نص جلی و صریح نہیں پائی گئی۔ نہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے اور نہ اُن کے سوا کسی دوسرے شخص کے لئے۔ ہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارہ میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لغوی و جہلی بکثرت موجود ہیں بہر حال اس باب میں اہل سنت و جماعت کا بڑا نسک اجماع اُمت پر ہے۔ رہا نص خفی کا اظہار تو اس کو قرآن و حدیث سے بعض علمائے اکیہ حجت کے طور سے اور نیز بسبب کثرت ادلہ کے بیان کرتے ہیں۔ ورنہ اجماع کے ہوتے کسی دوسری دلیل کی مطلق حاجت نہیں ہے۔

اخبار متواترہ کے ذریعہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمہور صحابہ ماجرو انصار جن میں بڑے جلیل القدر علماء و فضلاء اور نہایت مقدس و متبرع حضرات شامل تھے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ اور بعد بحث و مباحثہ و ایمان نظر کے تمام حاضرین نے بصدق دل و طیب خاطر

بالاتفاق آپ کی خلافت حقہ کو تسلیم کیا۔ اور جملہ صحابہ کبار نے آپ کی بیعت اور قبول امامت و خلافت سے شرف جادوانی سے سرفرازی حاصل کی۔ ظاہر ہے کہ ایسے عظیم نشانِ جمع کا جو صحابہ کرام، وعقد و علم و فضل سے بھرا ہوا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت و امامت پر اتفاق کرنا سوائے حق کے نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ لن یجتمع امتی علی الصلاۃ کہ میری امت خلافت پر مجتمع نہ ہوگی۔ پھر سب پہلا اور معظم ترین واقعہ جس پر بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام نے اتفاق و اجماع کیا وہ خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ اس خلافت حقہ کے منکر جو محض بوجہ غنا و دجائبات قلبی ایسی صاف و صریح اجماع اور ایسی روشن و ظاہر اور سچی حقیقت سے انکار کرتے ہیں۔ مثل نابینائے مطلق اور کور مادر زاد کے ہیں جو بسبب کوری و نابینائی کے روز روشن میں اشیا موجودہ کی صلیت دیکھنے سے محروم ہے۔ اُن کے اس انکار سے سوائے اس کے کہ قول پیغمبر کی تردید اور صحابہ کرام پر طعن و تشنیع وارد ہو۔ اور کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔ لیکن ان ملامت و ملاحدہ کی تردید و تکذیب سے نہ تو کلام اقدس حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تردید ہو سکتی ہے۔ اور نہ حضراتِ اصحاب عظام حاملانِ شریعت نبویؐ کے اجماع کی تکذیب ممکن ہے۔ یہ لوگ اس انکار سے اجماع کے مخالف ہوئے ہیں۔ جو اصول دین اور ارکانِ شریعت سے ہے۔ اسی انکار کی وجہ سے ان کو قریب یہ کفر کہا جاتا ہے۔ قَالَ اللَّهُ تَعَالٰی وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ تَوَلَّاهُمْ مَّا تَوَلَّوْا وَنُصَلِّهِمْ جَهَنَّمَ ذُرِّيَّاتٌ مَّصِيْرًا اور جو شخص بعد ظاہر و روشن ہونے ہدایت کے حضرت رسول خدا کو تکلیف پہنچاتا اور مؤمنین کے رستہ سے الگ چلتا ہے۔ ہم اُس کو گمراہی کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ اور جہنم میں ڈال دیتے ہیں۔ اور جہنم بُرا جگہ کا نام ہے۔ بعض علما کا قول ہے کہ اس آیت کی رو سے اجماع کی مخالفت کفر ہے۔



## منکرا مات ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز درست نہیں

میں نے بعض علمائے اوراء النہر کے فتاویٰ میں لکھا دیکھا ہے کہ خلافت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے منکر کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ انہوں نے اجماع کی مخالفت کی ہے، یہ بدعتی لوگ محض عناد کی وجہ سے باتیں کرتے ہیں۔ اور احادیث صحاح کا مقابلہ کرتے اور علمائے اسلام جو اساطین شرع ہیں ان کی تکذیب ثواب جانتے ہیں۔ پھر باطل چیزیں جھوٹی حدیثوں سے جمع کر کے اور ان میں اپنی کہانیاں ملا کر عام اہل اسلام کے سامنے لاتے ہیں۔ اس پر بھی جب ان کے عقائد فاسدہ کا رواج اور ان کی بیہودہ گوئی کی کوئی وقعت نہیں ہوتی تو وہ احادیث جو جناب امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں وارد ہیں یاد کرتے ہیں۔ اور اپنی مطلب پر آری کے موافق ان کی تاویلات گڑھ لاتے ہیں۔

ہم اس مقام پر بالاختصار نموناً اس قسم کی چند حدیثیں بیان کر کے ان کا جواب دیتے ہیں تاکہ ذی علم حضرات اسی سے ان کے دعویٰ اور عقل و علم کی حقیقت سمجھ لیں۔ ہماری غرض اس سے صرف مسلمانوں کے اور بالخصوص ان کے حال پر شفقت مسلمان ہے۔ اس میں ہوائے نفسانی اور تعصب بھی کو ہرگز دخل نہیں۔ اور نہ کبھی ہمارا یہ خیال ہوا ہے۔

## مطاعن اہل تشیع اور ان کا جواب

فرقہ متشیعہ چند وجوہات سے حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے باب میں بحث کرتے اور کئی حیلے حوالے پیش کر کے اصحاب کرام پر طعن کرتے ہیں۔ اول یہ کہ بعض صحابہ کو بنو ہاشم کی عداوت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور بعض پر جناب علی رضی اللہ عنہ کی دشمنی کا الزام لگاتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے ان کے چند قراہت والوں کو جہاد میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رہ کر قتل کیا تھا۔ اس سبب سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دشمن ہو گئے۔

اور ان کے استحقاق خلاف سے غماض کیا۔ اور بعض صحابہ کی نسبت کہتے ہیں کہ انہوں نے کتمان حق کیا۔ اور نیز بعض نے انہما حق میں ضعف و کمزوری دکھائی۔ یعنی ان کو معلوم تھا کہ بیعت ابو بکر باطل ہے۔ مگر انہوں نے ڈر کے لئے نہیں کہا۔ اور بعض کی نسبت جہل و نادانی کی طرف کرتے ہیں کہ انہوں نے جہالت کے سبب استحقاق علی کو نہ پہچانا۔ اور باوجود علی رضی اللہ عنہ کے فضل و تقدیم کے کہ وہ تمام معانی استحقاق میں سب سے مقدم اور افضل تھے۔ دوسرے ایسے شخص کو جس میں شرائط امامت موجود نہ تھیں اختیار کیا۔

روافض کی ان تمام یا وہ سرابیوں کے جواب میں صرف حدیث کافی ہے۔ لن یجتمع امتی علی الصلاۃ میری امت ہرگز گمراہی پر اجتماع نہ کریگی۔ اور واضح تر و بیل اس بات کی صحت پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد جگہ علی العموم صحابہ کی ثنا منسبائی ہے۔ جیسا کہ وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ۔ اور فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ وَحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ثُمَّ آتَاهُمْ نَارَهُمْ تَنْوِرُهَا لِقَوْمٍ يُفْقَرُونَ۔ وَالْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ آخَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَآٰمُوا إِلَيْهِمْ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ۔ پھر یہ لوگ جنتی باتیں صحابہ کی ثنا میں کرتے ہیں۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے باب میں جو کچھ کہتے ہیں۔ اور ناب علی رضی اللہ عنہ کی تفصیل و تقدیم میں جو کچھ بیان کرتے ہیں۔ اس میں کوئی بات رمت سے خالی نہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ نے جن بزرگوں کی وح فرمائی ہو۔ وہ رگز مذموم نہیں ہو سکتا۔ اور جس قوم کی عدالت کی نسبت خدا نے گواہی دی ہو۔ اس کا قول ہر حال میں مسموع و مقبول ہوتا ہے۔ اور جو روافض م صحابہ اور خصوصاً اصحاب ثلاثہ کا ذکر طعن کے ساتھ کرتے ہیں۔ تو وہ سنی ہوئے۔ یا نہیں۔

رہا ان کا یہ کہنا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جناب علی رضی اللہ عنہ اور نیز بنو ہاشم کے



دشمن تھے۔ اس لئے کہ جناب علیؑ نے اصحاب کبارؓ کے رشتہ داروں کو جو کافر تھے قتل کیا تھا۔ یہ روافض کی کھلی زندہ بقی اور صریحاً بے دینی ہے اور ایسی بات ہے کہ کوئی جاہل سے جاہل شخص بھی اس کا اعتبار نہیں کر سکتا اس واسطے کہ جب صحابہ کرام کو یہ لوگ اس قسم کے جانتے ہیں کہ انہوں نے محض اس خیال سے کہ علیؑ نے ان کے کافر رشتہ داروں کو قتل کیا۔ اُن کی طرف داری سے کنارہ کشی کی۔ اور باطل کی نصرت فرمائی۔ اور مخالفت رسولؐ پر آمادہ ہوئے۔ جس سے صاف طور پر تضحیٰ امانت اور توہینِ دین ظاہر ہے، پس اُن کے ایمان میں شک ہے۔ بلکہ سرے سے یہ یمن ہی نہیں ہو سکتے۔ اور اس صیرت میں وہ صرف علیؑ کے دشمن نہیں۔ بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی دشمن ہوئے (حاشا ہمدرد عن ذالک)۔

حضرات علما پر پوشیدہ نہیں کہ روافض نے اپنا مدعا ثابت کرنے کے لئے اپنے اس بیان سے صحابہ کرام کو تفاق اور کفر سے منسوب کیا ہے۔ بھلا ایسی ستودہ قوم پر جنہوں نے اپنے مالِ جان سے راہِ حق میں کوشش اور حضرت رسول خدا کی غایت دوستی سے اپنے خویش و اقارب اور شیرت کو دشمن جانا اپنے وطن کو چھوڑا اور تنہائی، برہنگی اور گرسنگی کی حالت میں حضرت رسول خدا کے ساتھ شاہدِ حرب میں حاضر ہے۔ اور راہِ حق میں تلواریں اٹھا کر اپنے خویش، عزیزوں، اور باپ، بھائیوں کا خون بہایا۔ یہ قہمت لگائی جاسکتی ہے کہ وہ محض عصبیت و جمعیت جاہلیت کے واسطے دوستانہ خدا کو دشمن سمجھیں۔ اور حق و اہل حق کو مخدول کریں۔

## حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کی فدائیت

حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کے وقت جو علما نجبا اور خداوندانِ حلح عقد حاضر تھے۔ اُن میں ایک حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ بھی تھے کہ رسول خداؐ نے ان کو امین الامت کا خطاب دیا تھا۔ اور بدر کے روز اپنے باپ کو قتل کر کے اس کا سر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

پاس لائے، اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہذا راس الشیخ الکافس کیا ممکن ہے کہ ایسا شخص جو راہ حق میں اپنے باپ کا سر کاٹنے سے مورغ نہ کرے وہ باطل کے ساتھ شریک رہ کر کثرت حق کرے۔ اور ایسے موقع پر جہاں تمام امت محمدیؐ کی ہلاکت متصور ہو۔ کلمہ حق سے خاموش رہے۔

خیر اگر روافض مہاجرین پر نبی ہاشم کی عداوت کی تہمت لگاتے ہیں تو انصار کی بابت کیا کہتے ہیں۔ جو نہ بنی ہاشم سے دشمنی رکھتے تھے اور نہ جناب علیؑ سے۔ بلکہ انہیں تو بنی عبدالمطلب کی خوشی حاصل تھی۔ پھر مدینہ میں ان کو مہاجرین سے کوئی خوف بھی نہ تھا۔ کیونکہ وہ ہر طرح ان پر غالب تھے۔ انہوں نے بیت کے باب میں منازعت بھی کی۔ کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے منا آمین منکم امیں اور اس کی سبب یہ تھا کہ انہوں نے خلافت کا قیاس قوم اور سیادت قبیلہ پر کیا۔ عرب کا دستور تھا کہ ہر قبیلہ کا حاکم اسی قبیلہ سے ہو اگر تھا۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجت کیا کہ انصار کو ملزم کیا۔ اور منبر آیا کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایام مرض میں ابوبکرؓ کو نمازیں مسلمانوں کا پیشوا کیا۔ اور نماز ایک تنوں اور معظم ترین امور دین ہے۔ آنحضرتؐ نے نمازیں ابوبکرؓ کو اپنی جگہ پر رکھ رکھا کیا۔ اور خود اقتدا فرمائی۔ تو پیغمبر علیہ السلام جس بزرگ ترین شخص کو دین میں آگے کریں۔ کوئی شخص اس کو پیچھے نہیں کر سکتا۔

دوسرے یہ کہ جناب سول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام مہاجرین سے تھے تو ان کا خلیفہ بھی مہاجرین سے ہونا چاہئے۔ اور بہترین مہاجرین وہ ہے جس کو پیغمبر علیہ السلام نے نماز میں مقدم اور آگے کیا۔ غرض اس منازعت کے بعد تمام انصار نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی متابعت مصداقت کی۔ اگر اس قضیہ میں کچھ بھی حیف و زیادتی ہوتی۔ تو انصار کبھی موافقت نہ کرتے۔

رافتنی کہتے ہیں کہ اس معاملہ سے انصار کو کوئی نسبت نہ تھی۔ وہ حضرت علیؑ کے طرف دار تھے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کے ساتھ ہو کر لڑائی کی۔ اور معاویہؓ کو مغرور کرنا چاہا۔ ہم کہتے



ہیں کہ زمان خلافت علیؓ میں معاویہؓ کی اعتزال کی خواہش جو انصار کے دل میں پیدا ہوئی تھی۔ اور جس کو انہوں نے حضرت علیؓ کی مدد کے علمی طور پر ظاہر بھی کر دیا۔ ان کی یہ خواہش بجا تھی۔ اس لئے کہ اُس وقت خلافت کے حقدار حضرت علیؓ تھے۔ اور خلیفہ وقت کے مخالف سے لڑنا کسی صورت میں مذموم نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کو جو انصار نے بعد بحث و مباحثہ کے بخوشی تمام منظور کر لیا۔ یہ بھی دلیل ہے اس امر کی کہ خلافت ابوبکرؓ انصار کے نزدیک بھی خلافت حقہ تھی۔ ورنہ اُن کی خلافت جابرانہ و غاصبانہ ہوتی۔ تو انصار اُس کو کبھی تسلیم نہیں کرتے۔ جس طرح حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کو انہوں نے نہ مانا۔ وہ ضرور اپنی جماعت کثیرہ اور قوت عظیمہ کے ساتھ فوراً مقابلہ کو مستعد ہو جاتے)۔

روافض کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ انصار نے باوجود جاننے اس امر کے کہ ابوبکرؓ کی خلافت مستحق نہیں ہے۔ خوف کے مارے امر حق کو چھپایا۔ دلیل اس کے کہ انصار اُس وقت قوت مال اور کثرت تعداد میں مجاہدین سے غالب تھے۔ اور ابوبکرؓ تو خود ایک مرد ضعیف تھے۔ مدینہ میں ان کا قبیلہ کوئی بڑی شان و شوکت نہیں رکھتا تھا۔ اور بنو ہاشم بھی بنو تبتسم سے زیادہ استیلا و غلبہ رکھتے تھے۔ نیز ابوبکرؓ ایک رویش آدمی تھے۔ یہ بھی خیال نہیں ہو سکتا کہ لوگوں نے زور و مال کے طمع سے اُن کے ہاں میں ہاں ملائی۔ اور خلافت ابوبکرؓ پر اتفاق کر لیا۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کوئی ذی عقل باور نہیں کر سکتا۔ کہ ایسے اچھے قرن میں اتنی بڑی مقدس جماعت میں ایک مرد خدا بھی ایسا نہ تھا کہ ابوبکرؓ کی غیر مستحقاتی ثابت کر کے اُن کی خلافت کا انکار کرتا۔ اور کلمہ حق سے خاموش نہ رہتا۔ حالانکہ اس بڑے مجمع میں ایسے جلیل القدر صحابی اور مقدس نفوس موجود تھے کہ خداوند عالم نے قرآن کریم میں اُن کی مدح فرمائی ہے۔ اس سے صاف روشن ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا خلیفہ ہونا محض اُن کے استحقاق کے سبب تھا۔ کہ بعد رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم و فہم، تقدس و خیریت

اور معاملہ فہمی میں اُن سے بہتر کوئی شخص مدینہ میں کیا ساری دیتا میں موجود نہ تھا۔  
اور اُن کی مقدس و مکرم ذات میں امامت کے جملہ شرائط موجود تھے۔

## اہل تشیع کا اعتراض اور اس کا جواب

بھلا ردافض کہتے ہیں کہ اُس وقت شرائط امامت سوائے علیؑ کے  
کسی میں نہیں پائے جاتے تھے۔ اس کا جواب ہم اجماع اُمت کے استدلال میں  
دے چکے ہیں۔ وہ یہ کہ اگر ابو بکرؓ میں شرائط امامت و معرفت کامل موجود نہ  
ہوتی۔ تو صحابہ کئے اختیاری مقدس گر وہ کا اجماع اُن کی خلافت پر ہرگز متحد نہ ہوتا  
پھر اجماع بھی وہ جو بعد امان تظردیوث و مباحثہ کے قائم ہوا تھا۔ یہ اجماع وہ  
تھا۔ جس میں صلاح دین۔ صورت عقائد۔ یہودی خلائق و جمہور اُمت منصوبہ تھی  
اس پر بھی اگر کوئی جاہل تابع ردافض اس کا قائل و معترف نہ ہو۔ تو حضرت  
ابو بکرؓ کے استحقاق اور اُن میں وجود شرائط امامت کے ثبوت میں یہ دلیل  
کیسی لا جواب ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانہ  
مرض میں ابو بکرؓ کو نماز میں امام بنانے کا حکم دیا۔ اور فرمایا۔ مردو ابابکر  
فلیصل بالناس یعنی ابو بکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں کیا پیغمبر  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُتات اقدس سے ممکن ہے کہ وہ غیر مستحق اور غیر  
مشروط بالامامت شخص کو امام بننے کا حکم دیں۔ عا شا وکلا۔ حضرت رسول خدا  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقدیم حضرت ابو بکرؓ کے لئے امامت کے مسئلہ میں نہایت  
اس امر کی دلیل ہے کہ ابو بکرؓ میں شرائط امامت پوری طرح موجود تھیں۔  
وہ علم دیانت، امامت اور تمام خصائل خیر میں سب سے مقدم تھے۔ اس لئے  
ان کو امامت میں مقدم کیا گیا۔

کیا یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت نبی کریم اُمت کو ایک ایسی چیز کا حکم کریں  
جس سے وہ خود بخلاف ہوں۔ یعنی حضرت ابو بکرؓ خلافت کی بیانتہ نہ رکھتے  
ہوں۔ اور خود اُن کو تقدیم کا حکم فرمائیں۔ پس اس سے ثابت ہے کہ حضرت  
ابو بکرؓ علم، اصلاحیت، عدالت، دین و غیرہ میں تمام صحابہ میں کامل تر تھے،



اور صحابہ کرام اجتہاد و اختیار خلیفہ میں مصیب تھے ۔

## موجبات تفضل حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ دیگر موجبات تفضل میں بھی جملہ صحابہ کرام سے فاضل تر تھے۔ چنانچہ موجبات تفضل سے پہلی بات تقدیم اسلام ہے تو اس امر میں کسی عالم کو اختلاف نہیں کہ اسلام ابو بکر علی - زید ، اور خدیجہ رضی اللہ عنہم کا سب سے اول تھا۔ ان چار حضرات کے تقدیم اسلام کے باب میں احادیث وارد ہیں۔ مگر تقدیم اسلام حضرت ابو بکر کی حدیث کی اسناد جیسی جید اور درست تر ہیں۔ اس درجہ باقی ہر سہ حضرات کی حدیث اسلام کی اسناد جید نہیں ۔ اگر کہا جائے کہ جب پہلی دفعہ حضرت جبریل علیہ السلام غار حرا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سورہ اقرأ لیکر نازل ہوئے آپ نے اپنے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کیا۔ تو آپ نے فوراً اس کی تصدیق کر لی۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسلام حضرت ام المومنین خدیجہ کا سب سے اول ہے ۔

جواب میں ہم کہتے ہیں کہ کسی حدیث معتبر سے تو یہ بات ظاہر نہیں ہوئی ہاں اس کا احتمال ہے۔ اور لفظ احتمال کو ہم نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ اُس وقت جبریل نے آنحضرت سے یہ نہیں کہا تھا کہ میں جبریل ہوں۔ اور خدا کا فرستادہ اُس وقت نہ حضرت نے ان کو پہچانا۔ جس وقت جبریل علیہ السلام آئے اور سورہ اقرأ کی ابتدائی چند آیات پڑھیں۔ تو آپ پر دہشت طاری ہو گئی۔ اور آپ گھبرانے کا پتہ ہوئے حضرت خدیجہ کے پاس آئے ، اور اس بات کا ذکر کیا۔ تو خدیجہ نے آپ کی تسلی فرمائی۔ اور آپ کی بات کو سچا جانا اُس وقت آپ بجانب اللہ دعوت پر مامور بھی نہ تھے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ مامور بدعوت ہوئے۔ تو پہلی مرتبہ دعوت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کی جس کو انہوں نے فی الفور قبول کر لیا۔ اور اسلام میں شامل ہو گئے باوجود اس کے اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ آپ کے سوا اسلام میں باقی تینوں

میں سے کسی کو تقدم تھا۔ تو اس سے کوئی اُن کی فضیلت ظاہر نہیں ہوتی۔ کیونکہ حضرت خدیجہ عورت ذات تھیں۔ اُن میں آنحضرت مکی رائے کو دفع کرنے کی قوت و مجال کہاں ہو سکتی ہے۔ نہ وہ حضرت رسول خدا کو ابتداءئی حالت میں دعوت کے بارے میں کوئی مدد پہنچا سکتی تھیں۔ اور جناب علی رضی اللہ عنہ ایک صغیر سن بچے تھے۔ اُن کا اسلام اُس وقت دعوت میں کیا مدد کر سکتا تھا اور موجب تقویت ہو سکتا تھا۔ (بچوں کی عادت ہے کہ وہ جس کی صحبت و تربیت میں رہتے ہیں۔ اور اُس کو کوئی کام کرتے دیکھتے ہیں۔ تو خود بھی اُس کی ریس اختیار کر لیتے ہیں نہ اس لئے کہ انہیں اس کام کے نفع و ضرر اور حسن و قبح کے سمجھنے کی دلیل و تمیز اور صلاحیت ہوتی ہے۔ بلکہ دوسرے کھیلوں کے مانند اُن کے نزدیک یہ بھی ایک کھیل ہوتا ہے۔ یہی حال اُس وقت جناب علیؑ کے اسلام کا تھا)۔

یہ زید حارث تو وہ موالی سے تھے۔ اور عرب میں مولیٰ یعنی غلام کی دعوت چنداں و قدرت نہیں رکھتی۔ تو ظاہر ہوا کہ سوائے حضرت ابوبکر صدیق عظیم رضی اللہ عنہ کے اُس وقت کوئی بھی اس قابل نہ تھا۔ کہ اپنے اسلام سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ امداد و تقویت پہنچاتا۔ ابوبکرؓ ہی ایک ایسے شخص تھے جو قوت و تمیز و شوکت و تربیت کی حالت میں اسلام اور دعوت اسلام میں آپ کے معاون و دست باز و ہوتے۔ اور کمال تیرہ سال تک ہر طرح کی تکالیف و مصیبت میں آنحضرتؐ کا ساتھ دیا۔ اور تبلیغ و دعوت و نشر ملت میں سعی کمال بجالانے لگے۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ ہر موسم میں قبائل عرب کے ایک ایک شخص کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر بلاتے، اور انہیں خدا تعالیٰ کی باتیں سناتے۔ اُس وقت ابوبکرؓ آپ کے آگے آگے رہتے اور لوگوں میں آپ کی دعوت کی اشاعت و تقویت کرتے، اور دین اسلام کی طرح و ثنا اور سچی خوبیاں بیان فرماتے۔ چنانچہ کتب تواریخ و سیر کے مطابق لہذا یہ روشن ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر اس قدر لوگ اڑے اسلام



میں نخل سوئے کہ شمار و احصار سے باہر ہے۔ کبار صحابہؓ سے جو لوگ آپ کے دست حق پرست پر ایمان لائے اُن میں سے چند بزرگوں کے نام یہ ہیں۔ عثمان، طلحہ، زبیر، سعد، سعید اور جابرؓ غیر ہم رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکرؓ نے اپنا تمام مال حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وقف کر رکھا تھا۔ جیسا نفع کہ ابوبکرؓ کے مال نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچایا ایسا کسی دوسرے کے مال نے نہیں پہنچایا۔ آپ نے صغاف مومنین پر جو ایک سال شعب ابوطالب میں محصور تھے۔ اپنا مال خرچ کیا۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ ما لنفعنی مال کما لنفعنی مال ابی بکر اور نیز فرمایا انہ لم یکن احد من علی فی صحۃ و ذات بین ید یدہ من ابی بکر بن تحافۃ آپ نے سات آدمیوں کو معذبین مومنین سے اپنے مال سے خرید کیا۔ آپ نے ظہور دعوت کے ایام میں اپنے جان و دل کو بلائے مخالفین کے لئے سپر بنا رکھا تھا۔ خدا اور رسول کی خاطر آپ نے وہ بلائیں اور مصیبتیں اٹھائیں کہ کوئی شخص اس بارہ میں آپ کی برابری نہیں کر سکتا۔ دوسری بات موجبات تفضل سے سابقہ فی ہجرت ہے۔ اور سب کو معلوم ہے کہ حضرت ابوبکرؓ ہجرت میں آنحضرتؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ ادب آپ کے رفیق تھے۔

تیسری بات موجبات تفضل سے غنائے بدر میں اور بیعت الرضوان میں حضرت ابوبکرؓ کا حاضر رہنا ہے۔ آپ دو ٹوٹوں موقعوں پر موجود تھے بلکہ حضرت رسول خدا جس غزوہ میں تشریف لے گئے حضرت ابوبکرؓ بھی اُس میں آپ کے ہمراہ رہے۔ غرض مشاہدہ اور حضور حضرت رسول خدا سے کوئی بات حضرت ابوبکرؓ سے فوت نہیں ہوئی۔

چوتھی بات موجبات تفضل سے حضرت ابوبکرؓ کا مواضع قتال میں قائم و ثابت رہنا ہے صحیح طور پر معلوم ہے کہ احد و خنین کے خونریز معرکوں میں اکثر صحابہ منہزم ہو گئے تھے۔ صرف چند اصحاب باقی حضرت رسول خدا کے رفیق تھے۔ اور انہیں ساتھیوں میں سے ایک حضرت ابوبکرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بھی تھے ۔

پانچویں بات مُوجبات تفضل سے جو سب معظّم اور مؤقر ہے۔ وہ حضرت ابو بکرؓ کی خصوصیت ہے۔ جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ چنانچہ حضور علیہ السلام میں جو تخصیص و تکریم ابو بکرؓ کو تھی۔ وہ کسی کو حاصل نہ تھی۔ آنحضرتؐ نے بار بار حضرت ابو بکرؓ کی مدح و ثنا فرمائی۔ آپ کا قاعہ تھا کہ جب کسی عامہ میں مشورت کرتے تو حضرت ابو بکرؓ کو ضرور بلا تے۔ اور پہلے اُن سے مشورہ کرتے۔ اور حضرت ابو بکرؓ جب نماز پڑھتے تو آنحضرتؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پس پشت کھڑے ہوتے۔ یہ مرتبہ سوائے ابو بکرؓ کے کسی کو حاصل نہ تھا۔ اور بخیر آپ کے کوئی شخص اس مقام پر نہ کھڑا ہوتا۔ اور جب آنحضرتؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام بیٹھتے۔ تو ابو بکرؓ آپ کے سیدھے ہاتھ کی جانب بیٹھتے۔ پھر جب آپ کھڑے ہوتے تو صحابہ ایک طرف چلے جاتے۔ اور صرف ابو بکرؓ ہی آپ کے ساتھ کھڑے ہوتے ۔

اور اگر کہا جائے کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ ایک غلام آنحضرتؐ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سیدھے ہاتھ کی جانب آکر بیٹھ گیا۔ اور اُس وقت ابو بکرؓ آپ کے بائیں ہاتھ کی جانب بیٹھے ۔

یہ حدیث بیان مذکورہ کے خلاف ہے۔ جواب یہ ہے کہ جو ان مذکور سے بوجہ قلت معرفت شرائط تعظیم کے یہ حرکت ظاہر ہوئی۔ جو ادب کے منافی ہے۔ اور خداوندانِ نظر و اربابِ عقل و بصیرت سے یہ مخفی نہیں کہ اگر اُس میں کچھ بھی لواب شعور ہوتا۔ تو اُس سے ایسی جرأت کا جواب کے منافی ہے۔ اظہار نہ ہوتا۔ اور وہ فوراً حضرت ابو بکرؓ کے لئے جگہ چھوڑ دیتا ۔

دوسری بات یہ کہ جناب رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دعا کرتے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ آمین کہتے۔ اور جب کسی لڑائی پر جاتے تو صحابہ آگے ہوتے اور ابو بکرؓ آنحضرتؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ صحابہ کے پس پشت چلتے۔ جنگ کے روز جناب رسول خدا کے واسطے ایک عریش بنایا گیا۔ آنحضرتؐ اُس کے سایہ میں نشریف فرماتے۔ اور حضرت ابو بکرؓ کو بھی عریش کے نیچے اپنے ہمراہ بیٹھایا تھا۔



آپ کے علو مرتبت کے سبب صحابہ آپ کو اپنا شفیع کر کے اپنی حاجات آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کرتے ۔

صحابہ کرام کو جب پوری طرح معلوم ہو گیا کہ حضرت ابو بکرؓ کے فضائل حد احصا سے بالاتر ہیں۔ اور آنحضرتؐ نے ایام مرض میں آپ کو مسلمانوں کا پیشوا بنایا۔ اور خطبہ میں فرمایا کہ مسجد میں تمام دروائے بند کردو۔ مگر حضرت ابو بکرؓ کا دروازہ کھلا رکھو سد علی کل خوختہ غیر خوختہ ابو بکر اور فرمایا لو کنت متخذاً من الناس خلیلاً لا اتخذت ابابکر خلیلاًؓ یعنی اگر میں انسان سے کسی کو دوست کرتا تو ابو بکرؓ کو دوست کرتا۔ اور فرمایا۔ یا بای اللہ والمؤمنون الا ان یکون ابابکر وغیرہ وغیرہ یعنی خدا اور مومن لوگ قبول نہیں کریں گے مگر ابو بکرؓ کو جو امامت ابو بکرؓ پر نصوص خفیہ ہیں تو تمام صحابہؓ نے اس کو صواب نیک وسعادت ابدی جانا۔ کہ آپ کو اپنا امام اور پیشوا بنائیں۔ اور یہ کہ آپؐ کے بہتر دنیاۓ اسلام میں کوئی ہے نہ کبھی آئندہ ہوگا چنانچہ سب نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور آپ ہی کو اپنا مرجع و ماویٰ جانا۔ اور دوسرے صحابہ کرام کی مانند بعد چندے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور آپ کی متابعت و متابعت کو بہتر و نیکو تر یقین کیا ۔

## اہل تشیع کا قول کہ حضرت علیؓ حضرت ابو بکرؓ کی بیعت سے

### کارہ تھے اور اس کا جواب

روافض کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ بیعت میں کارہ تھے۔ اور وہ ابو بکرؓ سے بیعت کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ وہ خلافت کو اپنا حق جانتے تھے۔ لیکن جناب علیؓ نے مجبوراً بظاہر ابو بکرؓ کی متابعت و مطاعبت کر لی۔ مگر باطن ان کا اس کے خلاف تھا۔ جواب میں ہم کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ نے ظاہر میں بیعت و متابعت کر لی تو حکم ظاہر پر ہوتا ہے۔ اس سے وہ اصحاب بیعت میں مل جاتے

اور روافض پر حجت قائم و ثابت ہو گئی ۔

اس قوم روافض سے زیادہ کون بے سہر سامان اور دنی بعقل فرقہ ہو گا کہ اپنے امام برحق پر کتمان حق - ضعف برائے ، بزدلی دہن اور ضمیر کے خلاف اظہار کی نہمت رکھتے ہیں ۔ اور ان کو اس گناہ عظیم میں مبتلا کرتے ہیں کہ انہوں نے باطن کے خلاف کیا ۔ گویا ان کا ظاہر و باطن یکساں نہ تھا ۔ ان کو کچھ اوپر پچھیش یرس تک ۔ اسی دستور پر ڈرپوک وغیرہ دیکھتے تھے ۔ اور کہتے ہیں کہ وہ ظاہر میں طاعت کرتے تھے ۔ اور باطن میں مخالفت تھے ۔

یہ بدگمانی جناب علیؑ پر کیونکر چسپاں ہو سکتی ہے ۔ حالانکہ کتابوں میں لکھا ہے کہ قوم مسلمہ بنی حنیفہ سے محمد حنیفہ کی والدہ اسیران جنگ میں آئیں ۔ اور حضرت ابو بکرؓ کے حکم سے وہ جناب علیؑ کو دی گئیں ۔ جناب علیؑ نے ان سے استیلاؤ کیا ۔ اور ان کے بطن سے محمد حنیفہ پیدا ہوئے ۔ اگر ابو بکرؓ کی خلافت غیر حق پر ہوتی ۔ تو مادر حنیفہ کے ساتھ حضرت علیؑ کا استیلاؤ ذکرنا کیونکر درست اور شرعاً جائز ہوتا (ظالم یہ نہیں سمجھتے کہ اس بدگمانی سے جناب علیؑ پر کیا کیا گناہ عاید ہوتے ہیں ۔ اور محمد حنیفہ رضی اللہ عنہ کس قسم بیٹے سمجھے جاتے ہیں ) ظاہر ہے کہ جس وقت امیر معاویہ کی حکومت شام میں مستحکم ہوئی ۔ اور اہل شام کے اجماع و موافقت سے ان کی شان و شوکت و قوت پوری طرح بڑھ گئی ۔ اس وقت بھی حضرت علیؑ امیر معاویہؓ کے ساتھ آمادہ پر خاش ہوئے ۔ اور امیر معاویہؓ کی قوت و شوکت پر خیال کر کے اظہار حق خلافت میں مطلق اندیشہ نہ کیا ۔ اس سے روشن ہے کہ اگر ابو بکرؓ کی خلافت حق پر نہ ہوتی ۔ تو اس وقت حضرت علیؑ ہرگز منازعت اور طلب حق سے نہیں چوکتے ۔ کیونکہ ابو بکرؓ کی شوکت و قوت معاویہؓ کی شوکت و قوت کے مقابلہ میں کوئی وزن نہیں رکھتی تھی ۔ جب جناب علیؑ نے حضرت ابو بکرؓ سے مقاومت نہیں کی ۔ تو اب یہ بات بالکل عیان ہو گئی ۔ کہ حضرت علیؑ ان کی خلافت کو حق پر جانتے تھے ، اور آپ نے ابو بکرؓ سے بہ صدق و طیب خاطر اپنے خالص منہ سے بیعت و مطاعت کی ۔



## وہ احادیث جن سے شیعہ خلافتِ علیؑ کی ثابت کرتے ہیں

اب ہم ان احادیث کا ذکر کرتے ہیں۔ جو حضرت علیؑ کی فضیلت میں وارد ہیں۔ اور جن سے شیعہ صاحبانِ استحقاق خلافتِ علیؑ پر استدلال کرتے ہیں۔ ایک حدیث یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنابِ علیؑ کی مخاطب ہو کر فرمایا امانتِ رضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ کیا تم اے علیؑ اس پر راضی نہیں کہ تم مجھ سے ایسے ہو۔ جیسے ہارون سے موسیٰ۔ یعنی جس طرح حضرت موسیٰ سے بیعت کی طرف جاتے تو حضرت ہارون کو اپنی طرف سے چھوڑ جاتے، اسی طرح اس وقت میں تم کو مدینہ میں حفاظتِ اطفال و زناں کے لئے چھوڑے جاتا ہوں۔

روافض کہتے ہیں کہ یہ حدیث خلافتِ علیؑ پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ ہارون حضرت موسیٰ کے خلیفہ تھے۔ جب تک حضرت ہارون زندہ رہے موسیٰ علیہ السلام کا خلیفہ ان کے سوا کوئی نہ تھا۔ جواب یہ ہے کہ حدیث مذکورہ درست ہے اور اس سے حضرت علیؑ کی ایک گونہ فضیلت و ثنائیت ہوتی ہے لیکن اس سے خلافتِ علیؑ پر استدلال کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ اور حملِ اس حدیث کا بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علیؑ کی امامت پر یا تو جہل کر سکتا ہے جو علمِ حدیث و سوق و سیاقِ حالِ حدیث سے کوئی آگاہی نہ رکھتا ہو۔ یا معاند بے دین کہ ہر ایک بات میں عناد و کینہ کو دل میں پوشیدہ رکھتا ہے۔ اس لئے کہ اگر وہ حدیث کی حقیقت اور اس کے حال سے واقف ہو۔ اور عناد کو کام میں نہ لائے تو اس حدیث سے اس پر صاف روشن ہو جائے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کو جاتے تھے۔ تو آپؐ نے اُس وقت کسی کو تخلف کی زحمت نہ دی۔ صرف حضرت علیؑ کو فرمایا کہ ازواجِ مطہرات اور زنانِ اہل بیت کی محافظت اور دوسرے مصالح کے انصرام کے لئے مدینہ میں رہیں۔ منافق ناخن حضرت علیؑ کو کھینچے پڑ گئے۔ اور کہنے لگے کہ آنحضرتؐ نے اپنے چچا زاد بھائی کو مدینہ میں رہنے کو

کہا ہے۔ اور غزوہ میں اُن کو اپنے ہمراہ نہیں لے گئے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو روتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ اور عرض کیا اتخلف فی الذمائم والصبيان یعنی یا رسول اللہ آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوٹے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اما ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ یعنی جب موسیٰ مرقاۃ کے لئے اپنی قوم سے جدا ہو کر باہر جاتے۔ تو ہارون کو بجائے اپنے چھوٹے جاتے (اسی طرح جناب علیؑ کو فرمایا کہ میں تمہیں چھوٹے جاتا ہوں) اس سے یہ کسی طرح نہیں نکلتا کہ حضرت علیؑ کی خلافت بعد رسول خدا کے ثابت ہو کیونکہ حضرت ہارون نے حضرت موسیٰ کے سامنے وفات پائی۔ اس واسطے کہ آنحضرت نے جناب علیؑ کو حضرت ہارون کے ساتھ نسبت دی۔ تاکہ علیؑ کی خلافت بعد رسول اللہ کا شاہد نہ رہے۔ اس کو خلافت علی پر حمل کرنا مستقیم نہیں ہے اور نیز حضرت ہارون علیہ السلام کے زمانہ میں پیغمبر تھے۔ اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ جناب علیؑ حضرت رسول خدا کے زمانہ میں امام تھے، اگر خدا آپ کی خلافت بعد از وفات ہوتی۔ تو یوں ارشاد ہوتا انت منی بمنزلۃ یوشع من موسیٰ اس لئے کہ موسیٰ کے خلیفہ اُن کی وفات کے بعد حضرت یوشع تھے۔

## حدیث غدیر خم کے معنی

دوسری حدیث جس سے وہ افضل خلافت علی رضی اللہ عنہ پر استدلال کرتے ہیں۔ من کنت مولاً فعلی مولاً کہتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت

یہ حدیث غدیر خم کہلاتی ہے۔ اور شیعہ اس کو بڑی دھوم دھام سے خلافت بلا فصل حضرت امیر کا استحقاق ثابت کرنے میں پیش کرتے ہیں۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ یریدہ بن الخلیل الاسلمی روایت کرتا کہ اس وقت کہ حجۃ الوداع کے جب آنحضرت غدیر خم پر ایک موضع ہے۔ درمیان مکہ اور مدینہ کے پہنچے۔ تو تمام حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یا معشر المسلمین السعدی اولی بکم من انفسکم قالوا بلی قال من کنت مولاً فعلی مولاً لا اله الا الله محمد وال من دالاہ وعاد من عاداہ یعنی اے گروہ مسلمانوں کے کیا نہیں ہوں (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶)



ہوتا ہے کہ حضرت علی تمام لوگوں سے خلافت کے باب میں اول تر ہیں۔ جواب یہ ہے کہ تمہاری تاویل مستقیم نہیں۔ کیونکہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فاء تعقیب کے ساتھ علی رضی کی ولایت کو اپنی ولایت پر عطف کیا ہے۔ اور فاء تعقیب میں تراخی ممکن نہیں۔ یعنی چاہئے کہ جب کسی شخص کی پیغمبری کی ولایت ثابت ہو تو علی رضی کی ولایت بھی اُس کے عقب ہی یعنی ساتھ ہی ثابت ہو، اور یہ روا نہیں کہ زمانہ رسول میں علی رضی حضرت رسول خدا کی ولایت میں شریک ہو (یعنی ایک ہی وقت میں رسول کی ولایت بھی ہو۔ اور حضرت علی رضی کی ولایت بھی) پھر جب آنحضرت کی حیات میں ولایت علی ثابت نہ ہوئی۔ تو آپ کی وفات کے بعد بطور ادلی ثابت نہیں۔ ان دلائل سے ظاہر ہے کہ اس حدیث سے ولایت علی پر کسی حالت میں ٹھیک نہیں ہے۔ تو ثابت ہوا کہ مراد اس سے ولایت نہیں۔ بلکہ مولاہ دینی ہے۔ مفہوم حدیث یہ ہے کہ آنحضرت فرماتے ہیں۔ میں جس شخص کا یار و مددگار اور دوست ہوں۔ علی بھی اس کے یار و مددگار اور دوست ہیں۔ یا یہ کہ جو میرا یار و مددگار ہے۔ علی کا بھی یار و مددگار ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مولاناہ سلام ہے۔ اور بعض علماء نقل کرتے ہیں کہ اسامہ بن زید نے حضرت علیؑ سے کہا کہ تم میرے مولا نہیں ہو۔ میرے مولا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ لہذا جب رسول خدا نے بطور زجر و توبیخ کے من کنت مولاً فعلی مولاً بعض کہتے ہیں یہ بات زید کو کہی۔ جب وہ دختر حمزہ کے بارہ میں حضرت علیؑ سے منازعت کرنے لگے۔

اور ہمیں بطریق معتبر پہنچا ہے کہ ایک شخص نے حسن بن الحسن الحسین

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۹)

میں دوستی قائم کو اپنی ذائقوں سے۔ سب نے کہا بیشک ہو۔ فرمایا جس کا مولیٰ میں ہوں۔ اُس کا علی مولیٰ ہے لے خدا دوست رکھ اُس کو جو کوئی دوست رکھے اس کو اور دشمن رکھے جو کوئی اس کو دشمن رکھے۔ یہ پوری حدیث ہے۔ چونکہ ایک کڑا صاحب کتاب نے نقل کیا ہے اس کا بیضا جواب جو نہایت لایزال ہے۔ خود اثنا عشریہ کے باب مقدم میں ملاحظہ ہو۔ اس محقق میں گنجائش نقل کی نہیں ہے ۱۲۔

رضی اللہ عنہم سے کہا کہ کیا آنحضرت علیہ السلام نے نہیں فرمایا۔ ہن کنت مولا  
 فعلی مولا انہوں نے فرمایا میں ایسا ہی فرمایا ہے۔ پس قسم کے ساتھ کہا  
 کہ اگر آنحضرت کی مراد اس سے سلطنت و امارت ہوتی۔ تو آپ اپنی امت کے  
 واسطے اس امر کو ظاہر کر دیتے، اس واسطے کہ امت کا کوئی بھی خواہ مثل پیغمبر  
 صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہ تھا۔ اور خدا کی قسم اگر خدا اور اس کا رسول  
 حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لئے اختیار و پسند کرتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو  
 ترک کرتے اور اسباب میں اپنا عذر و جھل مسلمانوں کے روبرو پیش کرتے۔ تو  
 دنیا میں کوئی خطا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس خطا کے برابر نہ ہوتی۔ اس باب میں دو  
 طریق سے اس مرد کو ملزم کیا ہے۔ لہذا اس حدیث اور اس قسم کی دوسری  
 احادیث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور علو منزلت پر حمل کرنا چاہئے۔ نہ  
 خلافت و ولایت پر کیونکہ احتمال کے طریق پر کسی حدیث سے استدلال  
 کرنا اجماع امت کے ہونے کوئی اثر و وقعت نہیں رکھتا۔ چہ جائیکہ اس  
 میں ایسی قوم پر افردا اور طعن ہو جس کی ثنا و صفت خدا اور رسول نے  
 فرمائی ہے۔

یہی دو حدیثیں بڑی مستبر اور جید ہیں۔ جن کو افضل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت  
 پر استدلال کرتے ہیں۔ سو بحمد اللہ کہ ہم نے ان دونوں حدیثوں کے معنی پورے  
 طور پر سمجھا دیئے۔ سوائے ان کے حقیقی احادیث ہیں۔ وہ یا تو ضعیف ناقابل  
 حجت ہیں۔ یا موشع کہ ان کا ذکر بھی روا نہیں ان سے استدلال تو کجا۔  
 ان احادیث کو اکثر بے دینوں نے جن میں ثنابی اور اہل رعبت شامل ہیں۔  
 وضع کیا ہے تاکہ مسلمانوں کو ان کے دین سے پھرا کر انہیں فتنہ میں لائیں  
 انہیں میں سے سعد و عبید مطیر اسکاف اور سالم بن ابی حصفہ مطین ہیں ان  
 احادیث میں اکثر وہ حدیثیں ہیں جو حضرت عمار و سلمان رضی اللہ عنہما

لے تاریخ تمدن اسلام میں ہے کہ عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو ذکی فوج کا امیر  
 اور وہاں کے مسلمانوں کی نماز کا امام مقرر کیا تھا۔ اور ان کا شاہرہ چھ سو دہم مقرر کیا۔ ان  
 کے ماتحت حکام محرووں اور موزوں کی تحوا ہیں علیحدہ علیحدہ مقرر ہیں ۱۲ امت۔



ہے نام سے وضع کی گئی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ عمار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے امیر کو نہ رہ چکے ہیں۔ اور سلمان اُن کی طرف سے اپنی تمام زندگی تک اُن کے حاکم ہے۔ حتیٰ کہ اس حکومت کی حالت میں انہوں نے انتقال کیا۔ اگر یہ دونوں اصحاب خلافت ابو بکرؓ کو غصب جلتے۔ تو خلافت عمر کے کیونکر قائل ہوتے، اور اُن کی طرف سے امارت کیونکر قبول کرتے۔ کیونکہ دونوں خلافتوں کا حکم یکساں ہے (اس سے معلوم ہوا کہ اُن کے نام کی جو حدیثیں روایت کی گئی ہے۔ وہ خالص وضعی اور بناوٹی ہیں۔ اُن سے خلافت علی پر استدلال ہرگز جائز نہیں)۔

اگرچہ یہ مسئلہ اہل سنت و الجماعت کے نزدیک ایسا متہم بالشان نہ تھا جس کے بیان میں ہم طوالت سے کام لیتے۔ کیونکہ سب کو معلوم ہے۔ کہ شیعان علی جو خلافت علیؓ کے ثبوت حقیقت کے باب میں دلائل پیش کرتے ہیں۔ وہ انتہا درجہ رکیب اور پوچ ہیں۔ ان دلائل سے بجائے اس کے خلافت علیؓ میں کچھ مدولے۔ اُلٹی اہل بیت کرام اور جناب علیؓ کی توہین و تضحیک ظاہر ہوتی ہے جس کے ذمہ دار خود وہی روا فض ہیں۔ جو ان کی شان اقدس میں ایسی بے ادبیوں کا اظہار کرتے ہیں کہ کہیں اُن کو ڈر پوک مسست لائے بناتے ہیں۔ کبھی اُن کے ظاہر کو باطن کے خلاف ظاہر کرتے ہیں۔ اور کہیں معاذ اللہ وہ تممت لگاتے ہیں کہ ہم اُن کا اعادہ مناسب نہیں سمجھتے۔ لیکن ہم نے صنفا اُمت پر رحم کر کے بخیاں ہمد روی اسلام اسی فصل میں طریق ایجاز سے تجا وڑ کیا۔ کیونکہ ان مبتدعین کا قاعدہ یہ ہے کہ کسی جاہل اور نادان واقف مسلمان کے رُو پر و اپنے مزخرفات اور موصوعات پیش کر کے اُن کو راہ راست سے ہرکانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور میں نے اکثر دیکھا ہے کہ لوگوں نے عام خلق خدا کو اپنی باتوں سے سرگرداں اور پریشان کر رکھا ہے۔ عوام مسلمانوں کو معلوم نہیں کہ ان کی دروغ بانیاں کہاں سے کہاں تک پہنچتی ہیں۔

یہ زنادقہ چاہتے کہ شریعت میں صنوف دہن پیدا کریں۔ اور اُن کی

بنیاد خلافت ابوبکرؓ میں اعتراض پیدا کر کے نکالیں۔ کیونکہ خلافت ابوبکرؓ پر  
 قدح کرنا حقیقت میں جمہور اصحابؓ پر طعن کرنے کے مرادف ہے۔ پھر ان پر طعن  
 کرنا دین اسلام پر طعن کرنے کی جانب مفضی ہے۔ کیونکہ قرآن و حدیث اور وہ  
 احکام جو ان سے مستفاد ہوتے ہیں ہم کو صحابہ کے ذریعہ پہنچے ہیں۔ لیکن جب  
 ان کا حال ایسا ہو۔ جیسا یہ بدعتی بیان کرتے ہیں تو صحابہ کی نقل پر اعتقاد کیونکر  
 درست ہو سکتا ہے۔ پس شریعت کوئی چیز نہیں رہتی۔ نحو ذی اللہ من  
 الصلوات۔

خوب یاد رکھو کہ اس مسئلہ کی محافظت موافق قول اہل سنت الجماعت  
 کے حقیقت میں جملہ ایواب شریعت کی محافظت کرنا ہے۔ اور اس کی جانب  
 سے تہادون و تکاسل حقیقت میں دین و شریعت نبوی کی اضافت ہے۔ و  
 اللہ ناصر حزبہ دولی دینہ۔

امام بہیقی امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ اصل عقیدہ شیعہ کا یہ ہے کہ  
 صحابہ رضوان اللہ علیہم کو گمراہ کہتے ہیں۔ اور روافض قائل ہیں ان کی تکفیر کے اور کہتے ہیں۔ سب صحابہ  
 سے ان چند لوگوں کے دنیا سے کافر گئے ہیں۔ اور قاضی ابوبکر باقلانی نے کہا کہ جس چیز کی طرف گئے ہیں  
 روافض ہمہدیب اُس کے باطل کرنا بالکل دین اسلام کا لازم آتا ہے۔ اس واسطے کہ جب چھپانا نصو  
 کاظم اور افتخار احمد جیٹ سپے اول احکام اسلام کے بسبب غرض نفسانی کے ان سے واقع ہوا، تو  
 اور جو کچھ کہ حدیثیں اور اخبار ان سے روایت کی گئیں۔ جھوٹ اور باطل ہوئیں۔ بلکہ نقص جوع  
 کرتا ہے۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کہ ان کی صحبت میں ایسے لوگ  
 آئے۔ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف بھی کہ انہوں نے مسستی اور نقصیر کی مسیح طلب  
 حق اور تائید اس کی کے۔ اور یہ کلام شیخ ابن حجر کا ہے۔ صواعق محرقہ میں کہ انہوں نے  
 بہت طول طویل ذکر کیا ہے۔ اور مظاہر حق بلفظ تمتہ ص



# چوتھی فصل

## مراتب صحابہ اور ان کی توقیف کے بیان میں

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ابو اب فضیلت پر وقوف آگاہی بطریق وحی ہو سکتی ہے۔ پھر ان کے جانچنے کا طریق یہ ہے کہ ان کے احوال و اعمال پر نظر کرنا اور ان کو میزان شرع میں تولنا چاہئے۔ اب جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہ اصحاب کی صفت و ثناء بیان فرمائی ہے اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے زمانہ کو خیر القرون فرمایا ہے۔ ان دونوں باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ فاضل ترین اُمت ہیں۔ اور چونکہ بنی آدم میں وہ درجات متفاوت رکھتے ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ صحابہ میں بالیکٹ بیکر تفاضل ضرور ہے۔ پھر یہ امر بھی مسلم ہے کہ صحابہ سب کے سب خیر القرون کے مصداق ہیں۔ تو ابو اب فضیلت میں اعتبار سابق صحبت اور فاضل دینی کے لحاظ سے ہوگا۔ نہ امور دنیا میں تقدیم و سیادت و نسب کے لحاظ سے اس لئے کہ جو شخص قرن اول میں سب پر مقدم ہے۔ تو باعتبار اس تقدیم کے بالاتفاق سب سے فاضل تر ہوگا۔

ان مقدمات کی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ تمام صحابہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مرتبہ سب سے فاضل ہے۔ پھر حضرت عمرؓ کا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ صحابہ کے روبرو اس شخص کے جواب میں جس نے کہا تھا: ”ابو بکر خدا کو کیا جو اب دو گے کہ عمر کو ہم پر خلیفہ کرتے ہو۔ وہ تو ایک درشت خوار و ترند مزاج آدمی ہیں۔“ آپ نے فرمایا: خدا سے میں کہوں گا کہ میں نے بہترین اہل اللہ

لے حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں ان کی تفریق اور محض نسب کے لحاظ سے دوسروں پر فخر اور کرنا کوئی چیز نہیں ہے۔

کو اُمت پر خلیفہ کیا ہے! مدیہ بات حضرت رسول خدا کی حدیث سے بھی مفہوم ہوتی ہے جو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا۔  
 اَفْتَدُوا بِالَّذِي مِنْ بَعْدِي ابِي بَكْرٍ وَعُمَرُ ابْتَدَا مِنْ اَنْ دَوْلَتُوں  
 کی تفصیل کے حکم سے ان کی ایک بڑی کرامت ظاہر ہوتی ہے۔ جس میں  
 کسی کو شراکت نہیں۔ کیونکہ اس حدیث کے موافق ان کا قول و فعل باطنی  
 صحابہ اور جمیع اُمت کے لئے حجت ہے! اور دلیل واضح ہے ان کی صحت  
 خلافت پر اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے اُن کی مانند ایک حدیث روایت کی  
 ہے کہ ابو بکر و عمر سید اکھول اهل الجنة من الاولين والاخرين  
 اور ایک روایت میں ابو بکر و عمر سید اکھول اهل الجنة الحديث  
 اور ایک اور حدیث اُن کے باب میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی  
 ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا انا اول من يدينشق عنه  
 الاثرن شقة ابو بكر شقة عمر یعنی سب سے پہلے میری قبر کھلے گی پھر ابو بکر  
 کی۔ پھر عمر کی۔ ایک اور حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی  
 ہے۔ اور اسی قسم کی بہت سی حدیثیں ہیں۔

## ایک عجیب بات شیخین رحمہ اللہ کی فضیلت میں

لیکن عجب تراورنا در آور درست تر یہ بات ہے کہ حضرت رسول خدا  
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی کوئی حدیث نہیں پائی جاتی جس میں دو بڑے  
 عظیم الشان اصحاب کی ثنا و فضیلت کو ایک ہی ذکر میں جمع کیا گیا۔ یہ بزرگی  
 صرف جناب ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو حاصل ہے کہ آنحضرت رسول خدا نے  
 ان دونوں متوقر صحابہ کے ذکر و فضیلت و ثنا کو بالترتیب ایک جگہ بیان  
 فرمایا ہے۔ اکثر ایسی احادیث موجود ہیں جن سے ان دونوں الو العزم صحابیوں  
 کا اختصاص حضرت رسول خدا کی جناب میں صاف اور صریح طور پر پایا جاتا ہے  
 ایک بڑی خصوصیت جس میں دوسرے اصحاب کو ہرگز شراکت نہیں ہے  
 کہ ان دونوں بزرگوں کا سن و سال حضرت رسول خدا کے سن و سال سے



موافقت تمامہ لکھتا ہے۔ دوسری خوبی اور خصوصیت یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ بعد وفات کے بھی حضرت رسول خدا کے مصاحبِ قرین ہے۔ یعنی جس گنہگار سے وحجرہ مطہرہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دفن ہیں۔ اسی حجرہ میں حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی مدفون ہیں۔ اور یہاں بڑا شرف ہے کہ کسی صحابی کو نصیب نہیں ہوا۔ ان معانی و بیانات سے علمائے اُمت سے کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ ابوبکرؓ و عمرؓ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہترین و فاضل ترین اُمت ہیں، مگر یہ اختلاف رافضیوں زیدیوں وغیرہم کی طرف سے پایا جاتا ہے۔ تو اس کے جواب میں ذکرِ اجماع اُمت کافی ہے۔ جو اوپر بیان ہوا۔

باوجود اس کے جمہور صحابہؓ کے سوا حضرت عمر ابن ابی سلمہ کی روایت اور نیز حضرت محمد ابن حنفیہ کی روایت سے ثابت ہو گیا ہے کہ بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین اُمت ابوبکرؓ ہیں۔ پھر عمر رضی اللہ عنہما۔ ان دونوں بزرگوں کا قول مخالفین پر حجت ہے۔ کیونکہ یہ اہل بیت نبویؐ اور پیشوائے شیعان علی سے ہیں۔

## بعد شیخین کے ختین کا مرتبہ ہے

پھر اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ ان ہر دو بزرگ صحابیوں ابوبکرؓ و عمرؓ کے بعد فاضل ترین صحابہؓ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر حضرت اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ، دلیل اس پر اثباتِ خلافت عثمان ہے کہ بعد حضرت عمرؓ کے قائم و ثابت ہوئی۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے اختیارِ خلیفہ کے لئے شوریٰ قرار دیا تھا۔ جس میں حضرت عثمانؓ کا انتخاب ہوا۔ پھر اہل سنت کا ایک گروہ یہ بھی کہتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمانؓ سے فاضل تر ہیں (اور خلافت مفضول باوجود فاضل کے درست ہے)۔ اگر کوئی شخص ہم سے سوال کرے کہ اہل سنت کے متقابل میں یہ قول کیا وقعت رکھتا ہے۔ اور یہ کہ اس سے تو خلافت عثمانؓ میں طعن پیدا

ہوتا ہے۔ اور یہ کہ باوجود فاضل کے مفضول کو خلیفہ کرنا اہل سنت کو نزدیک  
مستبعد ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ کو خلیفہ مارا گیا۔ تو ان سے  
کہا گیا۔ استخلف یا امیر المؤمنین تو انہوں نے کسی کی خلافت پر رض  
نہیں کیا۔ اور یہ نہ مایا کہ میں زندگی میں عہد کر سکتا ہوں۔ لیکن بعد موت کے  
نہیں کر سکتا۔ لیکن میں ان چھ آدمیوں کے سوا جن سے حضرت رسول خدا  
آخر وقت تک اٹنی رہے، کسی کو بہتر نہیں جانتا۔ علی، عثمان، طلحہ، زبیر  
سعد وقاص۔ عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما۔ غرض عمرؓ کے بعد شوری  
ہوا۔ اور صحابہؓ کی نظر میں ان میں سے کسی کو دوسرے پر ترجیح دینا ٹھیک  
نہیں معلوم ہوا۔ کیونکہ وہ سب طبقہ اعلیٰ سے تھے، اور چھوٹے کا استحقاق  
یکساں تھا۔ اسی حال میں چار اصحاب اُٹھ گئے اور عثمانؓ و علیؓ کی تفویض  
میں خلافت کا کام کر دیا۔ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ استحقاق خلافت میں  
اس وقت ان دونوں سے بہتر کوئی نہیں ہے۔ پھر علیؓ و عثمانؓ نے اس  
کام کا حل و عقد حضرت عبد الرحمن بن عوف کے حوالہ کیا۔ اور دونوں نے  
میتاق دے دیا کہ اس باب میں جو کچھ عبد الرحمن بن عوف کریں۔ وہی ہم دونوں  
کو منظور ہے۔ اور دونوں میں سے جس سے عبد الرحمن بیعت کریں گے، دوسرا بھی  
اس سے فوراً بلاتا خیر بیعت کرے گا۔ اور بیعت میں یہ بھی شرط کی گئی، کہ جس شخص  
سے بیعت کی جائے۔ وہ موافق قرآن کریم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
کے عمل کرے، اور اپنی تمام تر کوشش و جہد مسلمانوں کی پیروی اور دینی و  
دنوی ترقی میں بذل کرے۔ اور سیرت شیخین رضی اللہ عنہما کی متابعت پیروی  
کرے۔

پس عبد الرحمن بن عوف نے خلافت کے تمام امور مالہ و مالیہ پر نظر  
کر کے حضرت عثمان کو خلیفہ مقرر کیا۔ اور اس کو جناب علیؓ اور باقی تمام اصحاب و  
امت نبوی نے پسند فرمایا۔ چنانچہ حضرت عبد الرحمن نے پہلے عثمان کی بیعت  
کی۔ پھر حضرت علیؓ نے اس کے بعد تمام امت نے عثمان کے دست حق پرست  
پر بیعت کی۔ اور اس طرح حضرت عثمانؓ بالاتفاق صحابہ و جناب علیؓ و امت



محمدی کے خلیفہ بنائے گئے ۔

مکن ہے صحابہ میں کچھ لوگ ایسے ہوں جو جناب علیؑ کو عثمان رضی اللہ عنہ پر ترجیح دیتے ہوں ، لیکن جب ان کو معلوم ہو گیا کہ عبدالرحمن بن عوف کے اجتہاد سے حضرت عثمان خلیفہ مقرر ہو گئے ہیں ۔ اس واسطے انہوں نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا ۔ اور نہ تفصیل علیؑ کے باب میں کچھ ذکر کیا ۔ اس خیال سے اس وقت اعتراض کرنا جمہور میں مخالفت پیدا کرنے کا موجب ہو گا ۔ اور کلمہ اسلام متفرق ہو جائے گا ۔

یہ لوگ اگرچہ حضرت علیؑ کو فاضل جانتے تھے ، مگر خوبی و صواب عثمانؓ کی بیعت میں سمجھتے تھے ، اور رفع اختلاف اور اتفاق کلمہ کو اس سے ارفع جانتے تھے کہ ان دونوں کی فضیلت کی بحث کو پیش کرتے ۔ بعض ایسے بھی تھے جو باب فضیلت میں متروک تھے ۔ اور تفصیل علیؑ میں ان کو اشتباہ تھا ۔ اور کوئی ایک شخص ایسا نہ تھا جو فضیلت علیؑ میں محکم ہو ۔ یہی سبب تھا کہ بعض نے علیؑ کو اشتباہاً فاضل جانا ۔ پس ان بیان سے نہ عثمان کی بیعت میں کوئی لطمہ پیدا ہوتا ہے ۔ نہ علیؑ کی فضیلت میں کوئی نقص عائد ہوتا ہے ۔ دلیل یہ ہے کہ جب سب نے بلا مخالفت عثمان کی بیعت اختیار کر لی تو ظاہر ہے کہ وہ اس پر راضی تھے ۔ اور اجتہاد عبدالرحمن کو راجح بصواب جانتے تھے ۔ بعد خلفائے راشدین کے ان صحابہ کی فضیلت ہے جس کی بابت حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گواہی دی ہے کہ وہ اہل بہشت سے ہیں ۔ ان کو عشرہ مبشرہ کہتے ہیں ۔ یہ دس ہیں ۔ چار خلفائے راشدین اور چھ دوسرے جن کے اسم گرامی یہ ہیں :- سعد وقاص ، عبد الرحمن بن عوف ، ابو عبیدہ بن الجراح ، سعید ، طلحہ ، زبیر رضی اللہ عنہم پھر طبقات صحابہ میں اہل بدر کا مرتبہ ہے ۔ ان کے بعد اہل بیت الرضوان کا ۔ پھر عام مہاجرین عام انصار سے فاضل تر ہیں ۔ پھر دین میں خداوندان سابقہ سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے دو مرتبہ ہجرت کی ۔ اقل حبشہ کی طرف ۔ پھر مدینہ کی طرف ۔ اور اصحاب معتبر سے وہ لوگ ہیں جن کو رسول اللہ کی صحبت کا شرف

اور فضل و علم دونوں حاصل ہے۔ ان حضرات کے مراتب سے واقفیت خصوص  
خدا و تدان علم و بصیرت کو بہت مفید ہے، معہذا دین میں یہ ضرور نہیں کہ ہم  
ان کے درجات اور باہمی تفاضل کو تفصیلاً معلوم کریں۔ ان سے صرف محبت  
و احترام رکھنا چاہئے تاکہ یہ حضرات رسول اللہ کے شرف صحبت سے مشرف  
ہوئے ہیں۔ اور سابقین فی الاسلام ہیں۔ پس ان کے مراتب کی تمیز ایسی ضروری  
نہیں۔ جیسے خلفائے راشدین کے مراتب کی تمیز ضروری ہے۔ خلفائے اربع  
کے مراتب کی تمیز اس لئے ضروری ہے، کہ مصالح دینی و دنیوی ان کی ذات  
سے متعلق ہیں۔ اور بڑی بات یہ ہے کہ اس سے باطل فرقوں کی اندرونی حالت  
اور خباثت معلوم ہوتی ہے کہ وہ اصحاب ثلثہ کے بے شمار فضائل سے چشم  
پوشی کر کے صرف جناب علیؑ کی فضیلت کے رنگ لگاتے ہیں۔ اور ان کی نسبت  
بنی بنائی پھوٹی اور دُرکار کھانیاں سناتے ہیں۔ جو اہل ہوش کے لئے موجب  
خندہ ہیں۔ اور بے وقوفوں کے لئے باعث ابتلائے فتنہ ہے۔

## علی العموم تمام صحابہؓ کی تعظیم کرنا چاہئے

سچے مسلمان کا آئین دین اور طریق اسلام یہ ہوتا چاہئے کہ علی العموم  
تمام صحابہؓ کو اکرام کی تعظیم و تکریم کریں۔ اور کسی کی نسبت طعن و تشنیع روا نہ  
رکھیں۔ اور کسی حال میں کسی کی ملامت جائز نہ سمجھیں کہ حضرت رسول خداؐ  
اس فتنہ سے تخذیر فرمایا ہے کہ میرے اصحابؓ کے بارہ میں خدا سے ڈرو۔ ان  
کو میرے بعد نشانہ نہ بناؤ۔ قسم اُس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان  
ہے۔ اگر تم میں سے کوئی شخص (خدا کی راہ میں) کوہ احد کے برابر زر خرچ کرے  
تو صحابہؓ کے ایک مد طعام خرچ کرنے کے ثواب کے برابر نہیں پہنچ سکتا۔ او  
نہ نصف مد کے خرچ کرنے کے ثواب کو، حدیث مذکور یہ ہے۔ اللہ اللہ فی  
اصحابی لا تتخذن وھم من بعدی عرضاً فوالذی نفس محمد  
بیدہ لو اف احدکم انفق مثل احد ذهباً ما ادرك مد  
احدھم ولا نصفہ انفقھم فی سبیل اللہ۔ اور شیطان طریق



ہوا دعصیت سے لوگوں کو تصور میں ڈالتا ہے کہ صحابہ کی باہمی خصوصیت صرف طلب دنیا کے لئے تھی۔ کیونکہ انہوں نے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنی سیرت کو بدل دیا۔ اور باہم منازعت کی۔ حتیٰ کہ خوں ریزی تک نوبت پہنچی۔

پس اس موقع پر مسلمانوں کو یہ جاننا چاہئے کہ اصحاب انسان تھے، کچھ ملائکہ اور انبیاء تھے کہ غلطی سے معصوم رہتے۔ بلکہ اُن سے خطا ہو جانا ممکن ہے مگر عقداوند عالم نے اُن کو پیغمبر کی مصاحبت سے گرامی کیا تھا۔ اُن میں بڑی خوبی و سعادت یہ تھی کہ اگر سہواً اُن میں سے کوئی شخص خطا میں مبتلا ہو جاتا۔ تو فوراً اُس سے رجوع کرتا۔ اور گناہ پر کبھی مصر نہ ہوتا۔ اور یاد رکھو کہ اہل حق کا یہ مذہب ہے کہ بندہ صدور گناہ سے کافر نہیں ہوتا۔ اس کی دلیل ہم آگے بیان کریں گے۔ پھر جب کافر نہیں ہوتا تو مومن ہے۔ ایمان الوں کو زیبا نہیں کہ فساق اہل ایمان کو برا کہیں۔ پھر صحابہؓ کو کس طرح بُرا کہنا چاہئے کہ خدا نے عموم صحابہ کی ثنا فرمائی ہے۔ اور رسول اللہ نے اُن کی حرمت کی حفاظت کے لئے وصیت کی ہے۔ اور اُن کے پیچھے پڑنے سے سختی کے ساتھ منع اور زجر فرمایا۔ اور کہا ہے کہ میرے اصحاب سے کچھ ایسی باتیں ظاہر ہوں گی جن کا ذکر خوب نہیں ہے۔ تم اُن کو برائیوں سے یاد نہ کرو۔ کہ خدا میری صحبت کی برکت سے اُن کی تمام ذلات اور لغزشیات معاف فرمائے گا۔ اس باب میں احادیث کثیرہ وارد ہیں۔

## علی کی محبت کا نشان درست

علمائے کرام کا تشدد اس باب میں صرف اس غرض سے ہے کہ لوگ عام صحابہ کو بُرا کہنے سے ڈریں۔ اور مگر اہی و غواہیت میں نہ پڑیں۔ اور اس لئے صحابہ کی محبت و تعظیم کی جانب تخریص و ترغیب کی جاتی ہے کہ فرقہ روافض سے کوئی بد بخت ایسا نہیں جو عموم صحابہ کی شان میں کلمات معاندانہ زبان سے نہ نکالتا ہو۔ یہ لوگ جناب علی کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں

اور حقیقت میں سب سے بڑے مخالف اُن کے یہی بد سجت ہیں۔ علیؑ کی محبت کا نشان درست یہ ہے کہ صحابہ کا اقتدار میں آدھریاقتی مسلمانوں میں اُن کے مخالف نہ ہوں۔ اور جناب علیؑ نے فرمایا اخیاننا یغوا علیہنا ہمارے بھائی ہمارے مخالف ہو گئے۔ اور آپؑ نے ابن حرموں قاتل زبیرؓ کی نسبت فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول خداؐ سے سنا ہے کہ قاتل زبیر رضی اللہ عنہ کا دوزخی ہے۔

## مخالفین علی رضی اللہ عنہ پر طعن و رست نہیں

حرب جمل کے آخر روز میں جناب علیؑ صفوں کے درمیان کھڑے ہو کر دیکھتے تھے کہ کون کون مائے گئے۔ جب آپؑ کی نظر حضرت طلحہؓ پر پڑی کہ خاک پر پڑے ہیں۔ تو فرمایا اے ابامحمد تیرا خاک پر اس طرح پڑا ہونا مجھ پر سخت دشوار ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔ ما اعذر علی ابامحمد ما اعذر علی ابامحمد ان اراک معجداً لا فی بطون الا و دیتہ تحت نجوم السماء اشکوالی اللہ اعجزی یہ دونوں وہ مقدس صحابی ہیں جن کے ہشتی ہونے کی بشارت حضرت بنی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دی ہے۔ اور جناب علیؑ فرماتے تھے کہ میں طلحہؓ اور زبیرؓ ان اصحاب سے ہیں جن کی شان میں خداوند جلیل و علانے فرمایا۔ وَتَنْ غَنَا مَا رَفِیْ حُنْدٌ وَدِیْ حُنْدٌ مِنْ عِنْدِ عَلِیٍّ مَسْرُورٌ مُتَقَابِلِیْنِ اور صحیح طور پر معلوم ہوا ہے کہ حضرت علیؑ نے کسی شخص کو ان کے ساتھ مقاتلہ کرنے کے لئے نہیں بھیجا تھا۔ اور نہ اُن کے قتل پر آپؑ رضی تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپؑ نے ان کے حق میں سب سے زیادہ کفار کی کوری کو روانہ رکھا۔ ان کے مال کو مباح نہیں کیا۔ اور جب انہوں نے فتح پائی اور ہتھیار ڈال دیئے تو اُن میں سے کسی کو بھی قتل نہیں کیا۔ اور نیز ان کا تعاقب نہ کیا۔ اگرچہ ان کا مقاتلہ علیؑ کے ساتھ ثابت ہے۔ لیکن وہ مسلمان تھے، ان کی جنگ دو قسم سے خارج نہ تھی۔ یا تو مجتہد تھے کہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے اس جنگ میں صلح



امت متصور کی اور وہ اس اجتہاد میں مخطی تھے۔ یا ایسے مسلمان تھے کہ انہوں نے از روئے غرضت الحاح کے امام کے مقابلہ میں شمشیر نکالی۔ اور ان کو حجاب اور خواہش ریاست و مغلوب کر دیا۔ لہذا اس خطا کے مرتکب ہوئے یا وہ اس حال سے واقف نہ تھے کہ علی امام بحق ہیں۔ اور ان کی اطاعت و متابعت ضروری ہے۔ پھر جب ہم نے انہیں مجتہد کیا تو اس سے ان پر طعن کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ مجتہد خطا پر ماخوذ نہیں ہوتا۔ (بلکہ مصیب ہونے کی حالت میں دوا چراؤ خطا کی حالت میں ایک اجر پاتا ہے) \*

اکثر علمائے اہل سنت نے ان صحابہ کو جو جناب علی سے آمادہ پیکار ہوئے۔ یا سیر ہوا اسی قبیل سے شمار کیا ہے۔ اور جناب طلحہ و زبیر و حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کو اس کے سوا تصور کرنا درست نہیں۔ کیونکہ یہ لوگ عموماً قرآن و حدیث میں جو صحابہ کی فضیلت و ثناء میں ناطق ہیں داخل ہیں۔ اور نیز ان کے حق میں اخبار خاصہ وارد ہیں جن سے مقابلہ دوسرے صحابہ کے ان کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ حضرت زبیرؓ نے محاربہ علیؓ سے خود اجتناب کیا تھا۔ اور ابن جرمون نے ان کو ظلم سے قتل کیا تھا۔ اور طلحہؓ سے ثابت ہے کہ وہ آخر وقت میں اس لڑائی سے ناراض ہوئے۔ اور آخر رمن میں جب ان کی نظر حضرت علیؓ کے ایک دست پر پڑی تو آپؐ نے اُس سے کہا اپنا ہاتھ لاؤ کہ امیر المومنین علیؓ کی بیعت کروں۔ اُس نے ہاتھ دیا اور آپؐ نے بیعت کی۔ اور حضرت عائشہؓ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپؐ جب اقعہ جنگ محل کو یاد کرتے ہیں۔ تو اتنا روتے ہیں کہ آپؐ کی اور رضی مبارک تر ہو جاتی \*

## باغی بنیاد کے سبب دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا

اب یہ ہے وہ لوگ جو علیؓ کی فضیلت اور استحقاقِ امارت سے آگاہ نہ تھے۔ تو اس امر میں خود معذور ہیں۔ ہاں وہ لوگ جو دانا ہو کر ریاست کو حصول کے لئے اس جنگ میں شامل ہوئے وہ ضرور باغی ہوئے۔ مگر باغی بغاوت کو

سببِ ارثہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ اور جب حالت بغاوت میں اُس کے مال میں تصرف روا نہیں۔ تو بطریق اولیٰ بدیع کے توبہ کا اُس سے امکان رکھتا ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ اپنے گزشتہ لوگوں کو خیر کے ساتھ یاد کیا کرو۔ وہ اپنے کئے کو پہنچ گئے۔ یا ایسی نسبت ہے جو ہر ایک مسلمان کے ساتھ خواہ نیک ہو یا بد تعلق رکھتی ہے۔ باوجود اس ہستی کے یہ کیونکر روا ہو سکتا ہے کہ بعض اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بُرائی سے یاد کیا جائے۔ تیز آپ نے فرمایا۔ اللہ اللہ فی اصحابی اور عام مسلمانوں کے حق میں فرمایا۔ لاتنکروا موتاکم الا بخیر فانھم افیضنوا الی ما قد موآ آپ نے یہ جو فرمایا کہ وہ اپنے کردار کے بدلے کو پہنچ گئے۔ یہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ وہ اگر نیک کردار تھے تو تمہاری بدگوئی انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اور اگر بد کردار تھے تو اپنے عمل کو پہنچ گئے تمہارا برا کہنا انہیں کیا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ تو تمہاری بدگوئی بے فائدہ ہے۔

پس اگر عمر ابن العاص اور امیر معاویہ اُن کے امثال کا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی اور آپ کے شرف صحبت سے مشرف تھے کوئی شخص بسبب محاربہ علی رضی اللہ عنہ کے احترام نہ کرے تو زبانِ بدیہی اُن کے حق میں دراز نہ کرے۔ کیونکہ جب عام مسلمانوں کو برا کہنے کی مخالفت ہے۔ تو یہ بزرگوار اُن سے تو کسی طرح کم نہ تھے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ اس آیہ کریمہ پر عمل کریں۔ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَرَكَعُهَا مَا كَسَبَتْهُمْ وَلَا تَسْلَوْنَ عَنْهَا نَكَالًا اِيعَمَلُونَ اس امت کا عمل اُن کے ساتھ کیا گزرا ہوا۔ تمہارا عمل تمہارے ساتھ ہے۔ اور ان کے اعمال کے متعلق تم سے کوئی سوال نہ ہوگا۔ (صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ) اور یہ یقین جانیں کہ اُن کی برائی کرنے سے حضرت علی کی شان و فضیلت میں کوئی مزیت نہیں ہوتی۔ اور نہ حضرت علی روافض کی ان بیہودہ حرکت



سے خوش ہوتے ہیں) ۱۰

جناب علیؑ اپنے فضائل کثیرہ اور کمالات عاریدہ کے لحاظ سے متعصبین  
بے دین کے تعصب سے مستغنی ہیں۔ ان میں جو فضائل ہیں مثلاً علم و حکمت -  
سابقہ فی الاسلام - ہجرت و نصرت رسول اللہؐ بہ شہ شیر اور اپنی قوم پر تشدد  
برائے دین اور قرابت و اختصاص بہ موافقات رسول علیہ السلام اور اختیار ازار  
بہر مناکحت سیدۃ النساء اور نفوذ بابتشار نسل رسول خدا از صلب مے وغیرہ  
وغیرہ یہ تمام کافی و دانی ہیں۔ فرموا ان اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ اولادہ  
اجمعین ۱۱

## حضرت فاطمہؑ اور خدیجہؑ اور عائشہؑ کی فضیلت

اور اعتقاد رکھیں کہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا اولاد رسول میں  
سب سے افضل ہیں۔ اور رسول اللہؐ کی گواہی کے موافق زنان عالم کی سردار ہیں  
اور وہ اور ان کی والدہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ تمام زبان عالم  
سے برتر اور مستثنیٰ ہیں۔ پھر یہ بھی اعتقاد رکھیں کہ آنحضرتؐ کی تمام ازواج  
مطہرات صالحات و طاہرات ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصاحبت کے لئے اختیار کیا ہے۔ اور حضرت  
خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد فضیلت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا  
کا رتبہ ہے۔ اور صحابہؓ کی عورتوں کے بارہ میں باعتبار مراتب صحابہؓ کے  
اعتقاد رکھیں۔ اور اعتقاد رکھیں کہ صحابہؓ اور ان کی ازواج سے کسی وقت  
میں فسق و فجور روا نہیں۔ فرموا ان اللہ تعالیٰ علی سائر الصحابۃ  
والصحابات والتابعین رحمہم باحسان الی یوم الدین ۱۲

# پانچویں فصل

فرقہائے اسلام کے اور نیز اس کے بیان میں کہ بندہ  
گناہ سے کافر نہیں ہوتا۔ اور اُس بدعت کے بیان میں جو  
موجب کفر ہے

جناب نبی کریم علیہ النبیۃ والسلام نے فرمایا کہ عنقریب میری امت تہتر  
فرقوں میں منقسم ہوگی۔ وہ سب وزخی ہوں گے۔ لیکن سواد اعظم صحابہؓ نے عرض کی  
یا رسول اللہ سواد اعظم کون ہے۔ فرمایا وہ جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔  
حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ سَتَقَرُّنَّ اُمَّتِي عَلٰی شَلَاثٍ وَسَعِيْنِ رَقَّةٍ  
كَلْهَمٍ فِي النَّارِ اَلَا سَوَادُ الْاَعْظَمِ قَالُوا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قِيَمْنَا  
السَّوَادُ الْاَعْظَمُ قَالَ مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاصْحَابِي بَعْضُ مِتْكَلْمِيْنِ  
اور دوسرے اہل علم نے اس حدیث کی بناء پر گمراہ فرقوں کا حصہ و احصا بھی  
کیا ہے۔ لیکن یہ بات تکلف سے خالی نہیں۔ اس لئے کہ اگر تمام مشہور فرقوں  
کے نام گنائے جائیں۔ تو تعداد میں تہتر نہیں ہوتے۔ اور صرف چند تہتر  
و متعارف فرقے گنے جاسکتے ہیں۔ جیسے خوارج و روافض و معتزلی وغیرہ۔  
اور ان تینوں فرقوں کی شاخیں شمار کی جائیں۔ تو مذکورہ تعداد سے بڑھ جاتے  
ہیں۔ پھر ان کے سوا کرامیہ کے بارہ گروہ ہیں۔ بخاریہ کے تین گروہ اور مرجیہ  
کے پانچ گروہ اور اگر دوسرے فرقوں کے افراد گنے جائیں۔ تو بہت زیادہ ہوتے  
ہیں۔ تو قول درست مبنی پر احتیاط یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ  
وسلم نے اس حدیث میں فرقہ ہائے امت کے افتراق کو کسی وقت خاص کے ساتھ



موقت و معین نہیں کیا ہے۔ احتمال ہے کہ بعض ان فرقہ ہائے ضلال سے ابھی تک پیدا نہ ہوئے ہوں۔ اور آئندہ پیدا ہوں۔ اور ان فرقوں کے قسامی ان کو مقتدا ان کے نام سے منسوب ہیں۔ یعنی ہر ایک فرقہ اپنا نام اپنے مقتدا کی نسبت سے مشہور کرتا ہے۔ اور ان میں اعتبار ان کے اصول مذہب کے موافق ہے کہ جو فرقہ اصل مذہب میں بائید و یکر موافق ہیں۔ ان سب کو ملا کر ایک فرقہ سمجھا جاتا ہے۔

جب ہم ان موجودہ فرقہ ہائے ضلال کے عقائد پر نظر کرتے ہیں۔ تو ان میں ہر ایک فرقہ کو ایسے اعتقاد پر پاتے ہیں جو خلاف اعتقاد قرن اول کے ہے جس مراد صحابہ کرام کا اعتقاد ہے۔ یا انہوں نے ایسے عقائد احداث کئے ہیں جو کتب و سنت کی رو سے مستقیم نہیں ہیں۔ اسی سبب ہم ان فرقوں کو فرقہ ہائے ضلال کہتے ہیں۔

## فرقہ خوارج

فرقہ ضلال میں سب سے پہلے فرقہ خوارج کا ظاہر ہوا۔ خلافت المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ فرقہ حضرت علیؑ کا مخالف تھا اور دلیل یہ پیش کرتا تھا کہ اگر علی خلافت کو اپنا حق جانتے تھے۔ تو دوسرے کو حکم کس واسطے کیا۔ کہ اُس حکم نے علی کو امامت و خلافت سے باہر کیا۔ اور اگر حکم جائز تھا۔ تو علی کو کس واسطے مثل حکام کے امامت سے باہر کیا۔ اُس نے خود اپنے کو علیحدہ نہیں کیا۔ اور اگر حکم باطل تھا تو باطل کو کیوں اختیار کیا۔ ان بے حاصل شبہات کے سبب یہ فرقہ جناب علی سے الگ ہو گیا۔ انہوں نے دونوں گروہ (معاویہ علی) کی تضلیل کی۔ جو صفین میں حاضر تھے۔ اس فرقہ کو حکم کہتے ہیں۔ اور پیشوا ان کا عبداللہ بن وہب بکرمی۔ اور یزید عاصم مختاری ہے۔ بعد اُس کے قدر یہ پیدا ہوا

لے چنانچہ فرقہ کتاب ہذا میں ہم فرقہ ائمہ اسلام کا حال بالتفصیل بیان کر رہے۔ اور سچ بات یہ ہے کہ لفظ قتر سے فرقہ ائمہ اسلام کا حصہ مقصود نہیں ہے۔ بلکہ مراد کثرت ہے چنانچہ واقعات سے ظاہر ہے ۱۲ +

اور پہلا شخص جس نے قدر کے متعلق گفتگو کی۔ وہ معبد جنسی ہے۔ بصرہ کا رہنے والا  
اُس کے بعد فرقہ روافض کا ظہور ہوا۔ جس نے حضرت ابو بکرؓ کی امامت میں طعن کیا  
اور صحابہ کی تفصیل پر آمادہ ہوئے، جناب علیؓ کے زمانہ میں یہ مذہب نہیں تھا۔  
اس وقت کچھ لوگ تھے جو خود کو شیعیان علی کہتے تھے، پھر علیؓ کے بعد روافض  
پیدا ہو گئے۔ اور تابعین کے زمانہ میں معتزلہ پیدا ہوئے۔ ان کا پہلا شخص  
واصل عطاء زوال اصحاب حسن بصریؒ سے ہے۔

## صاحب کبیرہ کافر نہیں ہوتا

اہل سنت و خوارج کے درمیان اس مسئلہ میں خلاف ہے کہ خوارج  
مسلمان صاحب کبیرہ کو کافر کہتے ہیں۔ اور اہل سنت مومن۔ مگر معتزلہ ان کو زوال  
فروں سے علیحدہ ہو کر تیسری بات کہتے ہیں۔ وہ یہ کہ صاحب کبیرہ نہ کافر ہے  
اور نہ مومن۔ بلکہ اُس کو کفر و ایمان کے مابین ایک درجہ حاصل ہوا ہے۔ اس بات  
حضرت حسن بصریؒ نے اس کو (واصل عطاء زوال کو) اپنے حلقہ سے باہر کیا  
اور فرمایا۔ اعتزل عننا یعنی واصل ہم سے الگ ہو جا۔ اسی سبب اُس کو معتزلہ  
کہتے ہیں۔ پھر عمر و عبید اس مسئلہ میں اُس کا ہتھیال اور مددگار ہو گیا۔

## تکفیر کے اسباب و داعی

یہ تمام فرقے اپنے اپنے مذہب کی نصرت و یاری میں کوشش کرنے لگی  
اور وقتاً فوقتاً اسلام میں شبہات اٹھانے لگے۔ اور باہمی اختلاف بڑھتا گیا  
حتیٰ کہ ایک دوسرے کی تفصیل و تکفیر کرنے لگے۔ علمائے سلف ان فرقہ صاف کی  
تفسیر رد نہیں رکھتے۔ اور بعض مثل خوارج و روافض و معتزلہ کی تکفیر کرتے  
ہیں۔ لیکن اصول دین کے اعتبار سے مستقیم یہ بات ہے کہ اگر یہ فرقے ظاہر  
کتا ب سنت ثابتہ کی مخالفت کرتے ہوں۔ یا اجماع امت کے منکر ہوں۔ تو  
ان کی تکفیر میں مطلق پس پیش نہ کرنا چاہیے۔ اور بعض علما جو مطلقاً نفی تکفیر  
کرتے ہیں۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے مستحق امتنی



عَلٰی ثَلَاثٍ وَ سَبْعِينَ فَرَسًا كَتَبَتْ هِيَ كَرَبِ جَنَابِ رَسُولِ خَدِصَلٰى اَللّٰهُ  
 عَلَيْهِ اَلْوَاسْمُ نَمَامُ فَرَقُوْنَ كِي بَابُ لَفْظِ اَمْنِيْ اِسْتِعْمَالِ كِيَا۔ تَوَا اُنْ كِي تَكْفِيْرُ رَوَا  
 نَبِيْسُ هُ۔ جَوَابُ يَ هُ كِه اُنْ كُو اِنْبِيْ اَمْتِ اِفْتِرَاقُ كِه قَبْلُ كِه لِحَاظُ سَ جِيَا  
 كِه حَدِيْثُ تَوْبَانِ مِيْسُ هُ كِه لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَلْحَقَ قِبَاثِلُ مِيْنِ اَمْتِيْ بِاَلْمَشْرِكِيْنَ  
 وَ حَتّٰى تَعْبُدَ قِبَاثِلُ مِيْنِ اَمْتِيْ لَا وَثَانَ يَعْنِيْ قِيَامَتُ تَلْعَمُ هُ هُوْگِيْ جَنِيْبُكُ مِيْرِيْ اَمْتُ كِه بَعْضُ  
 قِبَاثِلُ مَشْرِكِيْنَ سَ نَهْ جَالِيْسُ۔ اَوْ جَبْ تَكُ مِيْرِيْ اَمْتُ كِي بَعْضُ قِبَاثِلُ مِيْتُ پَرَسْتُ نَهْ جَالِيْسُ۔ اَوْ  
 ظَاهِرُ هُ كِه مَشْرِكِيْنَ اَوْ مِيْتُ پَرَسْتُوں كُو رَسُولُ خَدَا كِي اَمْتُ كِه نَبِيْسُ كِه سَكْتِ۔ تَو مَعْلُوْمُ هُوْ كِه  
 مَشْرِكُ اَوْ مِيْتُ پَرَسْتُ هُونِ كِه پِيْلِ اُنْبِيْسُ لَفْظِ اَمْتُ سَ يَاوُ كِيَا گِيَا هُ۔  
 اَوْ اِگَرِ يَهِيْ تَسْلِيْمُ كِيَا جَاوُ كِه بَعْدُ اِفْتِرَاقُ كِه هِي اُنْ پَر لَفْظِ اَمْتُ كَا اِطْلَاقُ هُوَا  
 هُ۔ تَو اِسْ صَوْرَتُ مِيْسُ يَهِيْ يَ لَازِمُ نَبِيْسُ آتَا۔ كِه عَمَلُ كُفْرِ كِه سَبَبُ اُنْ كِي تَكْفِيْرُ نَهْ  
 كِي جَاوُ۔ دُو سَكْرِيْ كِه اَمْتُ كَا اِطْلَاقُ كِيُو وَ جُو هُ سَ هُوْتَا هُ۔ اِلْهِيْسِيْ قَوْمُ  
 جَوَا كِيْ نَمَانِ مِيْسُ اِيَكِيْ دِيْنُ پَر هُوْ يَا اِيَكُ پَنْجِيْمِيْرُ كِه زَمَانِ مِيْسُ هُو۔ مَشْرُطُكِيَا اِسْ پَنْجِيْمِيْرُ  
 كِي دَعْوَتُ آوِيْ هُو۔ لَفْظِ اَمْتُ اِسْتِعْمَالُ كِيَا جَا سَكْتَا هُ۔

اِگَرِ كَمَا جَلَسُ كِه جَبْ جَنَابُ عَلِيْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سَ خَوَارِجُ كِه كُفْرُ كِي بَابُ  
 سَوَالُ كِيَا گِيَا تَو اُپَنُ جَوَابُ يَا مِيْنِ الْكُفْرِ فَرَسًا وَ يَعْنِيْ وَ هُ لُوْگُ كُفْرُ سَ  
 بَحَا سَكْتِ مِيْسُ۔ يَ رَسُولُ جَنَابُ عَلِيْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سَ بِطَرِيقُ مَعْتَبَرُ ثَابِتُ هُ۔ پَحْرُ پُوْجَا گِيَا  
 كِيَا يَ لُوْگُ مُتَافِقُ مِيْسُ۔ فَرَمَا يَا مُتَافِقُ خَدَا كُو كَمُ يَا دُكْرَتِ مِيْسُ۔ اَوْ يَ بَهْتُ زِيَادُ  
 يَا دُكْرَتِ مِيْسُ۔ اِنَّ الْغَوَافِقِيْنَ لَا يَبْدُوْنَ كُرُوْنَ اللّٰهُ اَكْبَرُ قَلِيْلًا وَ هُوْلَا عِيْ  
 يَبْدُوْنَ كُرُوْنَ اللّٰهُ كَيْثِيْرًا (اِسْ سَ ثَابِتُ هُوْتَا هُ كِه جَنَابُ عَلِيْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سَ خَوَارِجُ  
 كِي تَكْفِيْرُ نَبِيْسُ كِي)۔

جَوَابُ يَ هُ كِه ثَابِتُ جَنَابُ عَلِيْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سَ كُو خَوَارِجُ كِه عَقَا ئِدُ فَاْسَدُ هُ سَ اَوْقَتُ  
 تَكْمُ اَكَا هِيْ نَهْ هُوْگِيْ۔ يَا اَسْ قَتُ اُنْ كِه عَقَا ئِدُ يَيسُ بُرُ سَ نَهْ هُونُگِ جَنُ سَ  
 اُنْ كِي تَكْفِيْرُ لَازِمُ آوُ۔ اِسْ اِسْطُ كِه خَوَارِجُ اِبْتِدَا مِيْسُ جَنَابُ عَلِيْ سَ اِسْ جِيَا  
 سَ جَدَا هُوْتِ تَقِيْ كِه وَ هُ عَلِيْ دُعا دِيْ كِه دَرْمِيَانُ تَحْكُمُ كُو پَسَنْدُ نَبِيْسُ كَرْتِ تَقِيْ  
 اِسِيْ جَا اِسْطُ اَنُوں نِ عَلِيْ دُعا دِيْ وُئُوں كَا تَخْطِيْبُ كِيَا۔ يَعْنِيْ دُو نُوں كُو خَطَا كَا

بتایا۔ بلکہ جتنے لوگ جنگ صفین میں شریک تھے۔ سب کو برا کہا۔ اتنی بات کی اشاعت ہونا تھی کہ علیؑ و معاویہ دونوں طرف کے لوگ خواجہ کے ہتھیال ہو گئے اور اس طرح جب ان کی جمعیت کو استحکام ہو گیا۔ تو انہوں نے بے تحاشہ علیؑ و معاویہؓ، عائشہؓ، طلحہؓ، زبیرؓ اور تمام ان اصحاب کو جو جنگ جمل و صفین میں شامل ہوئے سب کی تکفیر کی۔ یہ نہ جانا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے جو مسلمان کسی بھائی مسلمان کی تکفیر کرتا ہے تو دونوں میں سے کسی ایک پر ضرور کفر واقع ہوتا ہے یعنی اگر اس کا قول درست نہ تھا۔ تو وہ خود کافر ہو گیا۔ کہ اس نے ایک ایسے شخص کو جو حق پر تھا۔ کافر کہا۔

### نصریہ اور کیسانیہ

یہ ازاں طائفہ نافع ازرق اور نجد ہروی پیدا ہوئے۔ انہوں نے اس پر اور چند بدعتیں زیادہ کیں۔ اور مسلمانوں کے جان و مال کا استحلال کیا جو ہر اس کتاب و سنت کے خلاف ہے۔ پھر غلاطروافض سے ایک فرقہ علیؑ کی ربوبیت کا قائل و معتقد ہو گیا۔ اس کا نام عابیان اور علی الہیان ہے۔ پھر ایک فرقہ کیسانیہ ہوا۔ جو خدا پرندامت ویشیانی کو روارکھتا ہے پھر معتزلہ میں ایک فرقہ ہزلیہ نام کا مشہور ہوا۔ جو پیر و ابوالہزیل علیؑ کا ہے۔ اس کا قول ہے کہ مقدورات خدا تعالیٰ کی انتہا اور حد ہے۔ اور نعیم و عذاب جنت و دوزخ فی الحال موجود نہیں۔ آخر میں موجود ہو گا۔ پس ان فرقوں کی تکفیر میں کیونکر توقف ہو سکتا ہے۔

### نصریہ نظامیہ

ایک فرقہ نظامیہ نام کا ہے۔ جو اس امر کا معتقد ہے کہ خدا تعالیٰ عالم جزئیات نہیں۔ اور اس مسلم کی اور بھی ضلالتیں اس فرقہ سے مروی ہیں۔ ایسے فرقہ کی تکفیر میں کسی عالم کو تردد نہیں ہو سکتا۔ پس علمائے سلف نے



جو بعض فرقہ مانے ضالہ کی تکفیر میں تردد کیا ہے۔ شاید اُس وقت ان فرقوں کے عقائد تکفیر تک پہنچے ہونگے۔ ان کے بعد انہی فرقوں میں وقتاً فوقتاً بدعت و مخالفت کی ترقی ہوتی گئی۔ کہ اُن کے عقائد تکفیر کی حد کو پہنچ گئے تو اُس وقت ان کی تکفیر بھی ضروری ہوئی تاکہ عام اہل اسلام علمائے کرام کی عدم تکفیر کے فتوؤں کو دیکھ کر انہیں مرہ اسلام سے نہ سمجھنے لگیں۔ اور اس دھوکے میں رہ کر ان کے دام فریب میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ یا علمائے سلف کی عدم تکفیر کا یہ سبب ہو کہ وہ کلمہ گویوں کی تکفیر کو نامناسب سمجھتے ہوں۔ اور اس سے محتاط رہتے ہوں۔

## کُلُّهُمْ فِي النَّارِ کی توضیح

اب یہ وہ لوگ جو نصوص قرآنیہ اور حدیث سنت نبویہ کی الٹی دلیل کرتے ہیں کہ جن کا وہ الفاظ احتمال رکھتے ہیں۔ لیکن وہ تاویل ظاہر معنی کے خلاف ہے۔ تو ایسے لوگوں کا حال اہل کبار جیسا ہے۔ اور ان کی تکفیر روا نہیں ہے۔ پھر اگر قائل کہے کہ حدیث میں کُلُّهُمْ فِي النَّارِ کا حکم موجود ہے۔ اور ان کا ناری ہونا اُن کے کفر پر دلالت کرتا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان کہ وہ سب دوزخی ہیں۔ اُن کے کافر ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ کیونکہ اُن میں اکثر ایسے لوگ ہیں جو اعمال صالحہ میں سعی و بلیغ کرتے رہے ہیں۔ جس کو سبب انہیں عذاب دوزخ سے نجات پانے کی امید قوی ہے۔ حدیث کا مفہوم بتاتا ہے کہ اس سے بعض فرقہ مانے ضالہ کے قریب دوزخ ہونے کے معنی لینا زیادہ مناسب ہے۔ فارسی میں جب کہتے ہیں کہ ”قلاں در آتش است“ تو اس کے معنی یہ نہیں کہ آگ کی مصیبت بالکل اُس سے ملتی جلتی ہے۔ یہی معنی ہیں کہ کُلُّهُمْ فِي النَّارِ کے بابہ کہ اُن کے یہ الفاظ اُن کی انتہا درجہ کی گمراہی کی طرف دلالت کرتے ہیں اور اُن کی نجات کو موہوم سا بتاتے ہیں۔ پیش ثابت ہوا کہ جو فرقے اپنے عقائد فاسدہ میں اس درجہ پاجی اور بدرویہ ہیں کہ قرآن و حدیث کی صریح مخالفت کرتے ہیں۔ تو ان کے دوزخی ہونے میں اور اُن کی تکفیر میں کوئی کلام نہیں۔ پھر بھی اُن کے

مخلد فی النار ہونے کا قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ آیت اِنَّ الْاِنْسَانَ  
 لَا يَعْزُبُ عَنْ يَشْرِكٍ بِهِ شَيْئًا وَ يَعْزُبُ مَا دُونَ ذَالِكِ لَعَلَّ يَشَاءُ  
 کی امید مغفرت کو باقی رکھتی ہے۔ اور جو فرقے ایسے ہیں جن میں بدعات کا اس حد  
 شیعہ نہیں ہے۔ جو صریحاً مخالف کتاب و سنت ہو۔ بلکہ وہ قرآن و حدیث کے  
 تاویلی معنی کرتے ہیں۔ تو اس لحاظ سے کہ وہ اہل سنت و الجماعت کے معنوں سے  
 الگ معنی کرتے ہیں۔ وہ گمراہ ضرور ہیں۔ مگر ان کی گمراہی مثل اہل کبار کے ہر اگر  
 نوبہ کر کے مرے تو دنیا سے متغور گئے۔ ورنہ مردود و مطرود ہے۔

## فرقائے ضالہ مخلد فی النار نہیں

اس کے مانند ایک حدیث عرفائے قبائل کے باب میں وارد ہے (عرفائے قبائل پڑھا  
 اور پیشکاران وہیہ کو کہتے ہیں) وَ كَيْسَرُ الْعُرَفَاءُ فِي النَّارِ تو اس سے تمام عرفاء کی بابت  
 دوزخی ہونے کا حکم نہیں کر سکتے۔ پھر اگر کہا جائے کہ جب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ و السلام  
 نے جملہ گمراہ فرقوں کی بابت دوزخی ہوئے کا حکم کیا ہے تو تم بعض کی تخصیص کس  
 جہت سے کرتے ہو کہ ان میں بعض کی تکفیر کرتے ہو۔ اور بعض کی عدم تکفیر روار کہتے  
 ہو۔ جواب یہ ہے کہ ہم نے اس حکم کو اصول دین سے معلوم کیا جو اوپر مذکور ہوا۔ اور  
 آنحضرت نے جو فرمایا كُلُّهُمْ فِي النَّارِ اور سب کو ایک ہی سلسلہ میں داخل کیا۔ یہ  
 اس امر کی دلیل نہیں کہ سب کا حکم یکساں ہے۔ جب یہ جائز ہے کہ صاحب کبیر آتش دوزخ  
 میں جلیں گا۔ اور کافر بھی۔ اس واسطے سب کو ایک ساک میں کھینچا۔ لیکن فرق یہ ہے  
 کہ ایک مخلد فی النار ہے (یعنی کافر) اور ایک وہ جو بعد مغرب ہونے کے دوزخ  
 سے رستگاری حاصل کر لے گا۔ (یعنی صاحب کبیر) اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک بادشاہ  
 نے ایک جماعت کو گرفتار کر کے ان میں سے بعض کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ اور بعض کو  
 صرف تعزیر فرما کر چھوڑ دیا۔ لوگوں نے یہ سمجھ کر کہا کہ بادشاہ سب سے ناراض ہوا اور  
 سب کو عقوبت فرمائی۔ یہ ہے حکم فرقائے ضالہ کا مطابق کتاب و سنت کے۔ و  
 اِنَّهُ اَعْلَمُ بِالْمُؤْمِنِينَ



# چھٹی فصل

## گناہ گاران اُمت کے بیان میں

مذہب اہل حق کا یہ ہے کہ صاحب کبیرہ بسبب گناہ کے کافر نہیں ہوتا ہے کیونکہ ایمان و کفر دونوں دل کی صفتیں ہیں۔ اور اُن میں سے کسی ایک کا محو ہونا بدو ثبوت دوسرے کے محال ہے۔ یعنی ایمان دل سے محو نہیں ہو سکتا۔ جب تک دل میں کفر کا ہونا ثابت نہ ہو۔ اس طرح کفر کا محو ہونا بدو وجود و ثبوت ایمان کے غیر ممکن ہے۔ تو جب گناہ اُٹل جواچ ہے۔ اور ایمان صفت دل تو جواچ کے عمل سے دل کی صفت کیونکر محو ہو سکتی ہے۔ جس طرح کافر اگر بظاہر نماز و روزہ وغیرہ کا پابند ہو اور دل سے اسلام کا معتقد نہ ہو۔ تو اس کو کبھی مومن نہیں کہہ سکتے، اسی طرح مومن اگرچہ جواچ سے عمل بد کرتا ہے۔ مگر جب تک اُس کا دل توحید و رسالت کا معتقد ہے۔ وہ ہرگز کافر نہیں ہو سکتا۔

## صاحب کبیرہ کی تکفیر مذہب خوارج کا ہے

گناہ کے سبب بندہ کی تکفیر کرنا یہ مذہب خوارج کا ہے۔ اور معتزلہ کا مذہب یہ کہ مرتکب کبیرہ نہ کافر ہے اور نہ مومن مگر اصحاب کبار کے حق میں خداوندی النار وہ بھی جائز رکھتے ہیں۔ علمائے اہل سنت فرماتے ہیں کہ صاحب کبیرہ سے بسبب گناہ کبیرہ اسلام ایمان دور نہیں ہو سکتا۔ اور اُن کے حق میں مخلوق فی النار رہے نہیں جب کہ کسی مومن سے فسق سرزد ہوتا ہے۔ تو اس فعل کی نسبت سے اس کا نام مسلمان فاسق رکھ لیا جاتا ہے۔ اسلام کو اس سے الگ نہیں کرتے۔ اور دلیل یہ ہے کہ علمائے اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر قتل کے کفارہ میں بندہ فاسق کو آزاد کیا جائے۔ تو شرعاً جائز ہے۔ اور نفس قرآن ہے۔ جس سے یہ

رَقَبَةً مُّؤْمِنَةً پس اگر ایمان و فسق میں منافات ہوتی۔ تو اجماع اُمرت کبھی بندہ فاسق کے آزاد کرنے پر منعقد نہ ہوتا۔

یہ اعتقاد رکھنا بھی ناجائز ہے کہ صاحب کبیرہ بعد گناہ کے ہمیشہ دوزخ میں رہیگا۔ کیونکہ نص قرآن سے ثابت ہے کہ شرک کے سوا تمام گناہ معاف کئے جاسکتے ہیں۔ اور اُن کا معاف کرنا خدا کی مشیت و مرضی پر موقوف ہے۔ چنانچہ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ مَنْ يُشْرِكْ بِهٖ شَيْئًا وَيَغْفِرُ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کا استثنا فرمایا۔ اور مادون اس کے سب کو اپنی مشیت کے حوالہ کیا۔ اس بیان کی توثیق اُن احادیث صحاح سے بھی ہوتی ہے۔ جن میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شفاعت کو اہل کبار کے لئے فرمایا ہے۔ شَفَاعَتِيْ لَاصِلِ الْكِبَارِ مَنْ اَمَنَ اور فرمایا ہے کہ ہر وہ شخص جس کے دل میں الٰہی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو دوزخ سے باہر آئیگا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ سوائے اہل شرک کے ہمیشہ کوئی بھی دوزخ میں نہ رہے گا۔ علمائے اُمت کے درمیان یہ حدیث روشن ہے اور اگرچہ اس کے افراد میں تو اترا نہیں پایا جاتا۔ مگر اُس کی جنس میں تو اثر ثابت ہے پس جب حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو مبین قرآن ہے اس طرح ثابت ہوا تو اب اس مسئلہ میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا۔ معترضہ اس آیت وَمَنْ يَقْتُلْ مُّؤْمِنًا مُّتَعَمِدًاۙ قَدْ كُفِّرَ بَدْنًاۙ فَجَٰلِدًاۙ وَبِغَيْرِهَا

۱۔ اور مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث صحیحہ وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ لکل نبی دعوةٌ مُّستقبِلَةٌ فتجعل کل نبی دعوةً وَاختِباۃً دعوتی شفاعۃً لا متی یوم القیمة فَهٰی نَاسِلَةٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنْ مَّاتٍ مِنْ اُمَّتِیْ لَا یُشْرِكُ بِاللّٰهِ ہر نبی کی ایک دعا ضرور مقبول ہوتی ہے۔ تو ہر نبی اپنی دعا میں جلدی کر چکا ہے۔ البتہ میں نے اپنی دعا شفاعت امت کے متعلق چھپا رکھی ہے تو وہ انشاء اللہ میری امت میں سے ہر ایسے شخص کو پہنچے گی۔ جو ایسی حالت میں مر گیا ہو کہ اُس نے خدا کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کیا ہو، اس سے بھی ثابت ہے کہ گناہ گار اُن اُمت اگرچہ اصحاب کبار سے ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے ضرور رہی بخشے جائیں گے۔ ۱۲۰





پر دلالت کرتی ہے۔ اور حدیث صحیحہ میں اراد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت میں سب کے زیادہ مفلس وہ ہے جو قیامت میں وزرہ، نماز و زکوٰۃ وغیرہ اعمال صالحہ لیکر آئے گا۔ اور ایک ایسا شخص بھی رد ادخواہ کی صورت میں، اُس کے ساتھ ہوگا۔ جس کو اُس نے گال دی ہوگی۔ اور قذف کیا ہوگا۔ اور اُس کا مال کھایا ہوگا۔ اور خو نریزی کی ہوگی۔ اور اس کو مارا ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ مظلوم کی بدیاں اُس کو دے دیگا۔ اور ظالم کی نیکیاں مظلوم کو عطا فرمائے گا۔ یہ حدیث اس پایہ کی ہے کہ علمائے نقل کے درمیان اس حدیث کی صحت میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ گناہان کبیرہ عمل نیک کو برباد نہیں کرتے۔ اس واسطے کہ حصو علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مفلس مذکور نماز و روزہ نیک اعمال اپنے ساتھ لے کر قیامت میں آئے گا۔ اور اُس کے ساتھ ایسا شخص بھی ہوگا۔ جس پر اُس نے مذکورہ بالا مظالم کئے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ مظلوم گناہان کبیرہ ہیں۔ پس اگر گناہ کیا تو اسے نیک عمل برباد ہو جاتے تو اُس کی نیکیاں باقی نہیں رہتیں۔ پھر مظلوم کو کیا دیا جاتا ہے۔ اور قرآن کریم میں جس جگہ جبط عمل کا ذکر ہے۔ تو اُس سے مراد کافر ہیں۔ اور حدیث میں جو جبط عمل کی امتا اہل ایمان کی طرف کی گئی ہے۔ جیسا کہ مَنْ تَبَعَ لَكَ الصَّلَاةُ الْعَصْرُ تو مراد اس سے یہ نہیں ہے کہ اُس کے نیک عمل برباد و جبط ہو جائیں گے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر وہ نماز عصر کو نہ چھوٹا تو اُس کا ثواب اس کو بہت کچھ پہنچتا۔ اب جب اُس نے ایسا نہیں کیا تو وہ ثواب سے محروم رہا۔ گویا وہ ایسے شخص کی مانند ہو گیا۔ جس کے عمل ناچیز ہو گئے ہوں۔ اس حدیث کی تاویل سولے اس کے نہیں ہو سکتی۔ اسی تاویل سے دوسرے اصول قائم ہوتے ہیں۔

## مرتد کے باب میں علما کا اختلاف

مرتد کے باب میں جو علمائے اسلام کا اختلاف ہے کہ اُس کے عمل، مرتد ہوتے ہی جبط ہوتے ہیں۔ یا اُس قنہ جب نہ ارتداد کی حالت میں مرجع ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحت مسئلہ یوں ہے کہ اگر عباداً باللہ کوئی



مسلمان مرتد ہو جائے۔ اور پھر اسلام لائے۔ تو اُس کے وہ نیک عمل جو اُس نے قبلِ رَدِّت کے حالتِ اسلام میں کئے ہیں۔ ضبط ہو جاتے ہیں۔ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسا نہیں ہے۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَسْتَلِدْ مِنْكُمْ صَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرًا قَدْ وَلِيَ لَكَ حَبِطٌ اَعْمَالُ هُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ اِسْ آیت میں ضبطِ اعمال کو مَوْت کے ساتھ مشروط فرمایا ہے۔ آیت کے معنی یہ ہیں کہ تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے۔ اور اسی ارتداد کی حالت میں مر جائے تو وہ کافر ہے۔ پس وہ ان لوگوں سے ہے جن کے اعمال دنیا و آخرت میں ضبط ہو چکے ہیں۔

ان ہر دو امامین کے خلاف کا ثمرہ یہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص حالتِ اسلام میں حج بجا لایا۔ پھر مرتد ہو گیا اُس کے بعد پھر ایمان لایا۔ اور اُس کو استطاعت حج ادا کرنے کی ہے۔ تو اُس پر حج کرنا فرض ہو جائے گا۔ اُس واسطے کہ اُس کا پہلا حج بوجہ ارتداد کے ضبط ہو گیا۔ اگر گناہ کبیرہ محبطِ اعمال ہوتا۔ تو عنائے اسلام سے مرتد کے باب میں یہ مسئلہ منقول نہ تھا۔ جیسا کہ قولِ خوارج کا نتیجہ ہے۔ جو گناہ کے سبب بندہ کو کافر کہتے ہیں اور معتزلہ نہ اُس کو کافر کہتے ہیں نہ مومن بلکہ درمیان میں ایک منزلت اور واسطہ قائم کرتے ہیں۔ ہم نے ان دونوں فرقوں کے تاویلات کی تردید کر دی۔ وہ کہ گناہ کبیرہ محبطِ عمل نہیں۔ اور یہ کہ بندہ بسبب گناہ کے کافر نہیں ہوتا۔ بلکہ مومن رہتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ مومن فاسق کہہ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بندوں کی دو ہی قسمیں کی ہیں۔ چنانچہ فرمایا هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَيَمُتُكُمْ كَافِرًا وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ وَاللَّهُ يَبَيِّنُ لَكُمْ بَصِيصًا يَعْنِي اَللّٰهُكِي وہ ذاتِ پاک ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر تم میں سے بعض کافر ہیں۔ اور بعض مومن۔ اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔

# ساتویں فصل

## چند بدعتوں کے بیان میں مع انہی جواب کے

اہل حق کا مذہب ہے کہ اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ خدا پر بندوں کی اصلاح و بہبود پر نگاہ رکھنا واجب ہے، ہم کہتے ہیں کہ واجب کسی کو واجب کرنے والے کی طرف سے ہوا کرتا ہے۔ تو خدا سے مافوق اور بزرگتر ایسا کون قادر ہے جو خدا پر کسی چیز کو واجب کرے؟ و سہ یہ کہ نیک واجب پر واجب علیہ کو ملا امت یا عقوبت ہوتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ پر ایسا کون قادر ہے جو نیک واجب پر ملا امت کرے۔ پھر اُس کی ذات پاک اس سے منزہ و متعالی ہے کہ وہ مستحق ملا امت و عقوبت ہو، تعالیٰ شانہ علو کبیر۔ حقیقت یہ ہے کہ اُس پر کوئی چیز واجب نہیں۔ وہ مالک مختار ہے۔ اپنے بندوں کے حق میں اُس نے جو چاہا کیا۔ کسی کو مجال نہیں کہ اس کے متعلق اُس سے سوال کرے کہ تو نے کیوں کیا۔ اور کیا کیا۔ (لَا یَسْأَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُوَ یَسْأَلُ لَوْنِ لَہِ)

اس قول کی بنا پر معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ نیک کو ثواب اور بد کو عذاب دینا خدا پر واجب ہے۔ مگر ہمارے نزدیک سہ سے خدا تعالیٰ کی ذات پر کچھ واجب نہیں ہے۔ چنانچہ بیان ہوا۔ لیکن حدیث شریف میں جو اس قسم کے الفاظ آئے ہیں۔ حَقٌّ عَلَیَّ اللہ اور مَا حَقَّ الْعِبَادِ عَلَیَّ اللہ تو یہ الفاظ مَآذِل ہیں۔ اُن کی تاویل صفات ربوبیت کے مناسب مطابق کرنا چاہئے۔ چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ اوپر کے الفاظ میں خدا پر حق ہونے کے یہ معنی ہیں کہ یہ انجراح وعدہ میں مبالغہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ وعدہ کی و قاء اللہ کے نزدیک ایسی ہے۔ جیسے تمہارے نزدیک کسی امر واجب کا بجا لانا۔ اور یہ جو فرمایا حَقَّ الْعِبَادِ عَلَیَّ اللہ یعنی جب بندہ اللہ تعالیٰ

لہ خدا کے فعل کا اُس سے سوال نہ ہوگا۔ اور لوگوں سے اُن کے افعال کے متعلق پوچھا جائیگا۔



حکم کے مطابق کام کرنا ہے۔ تو مستوجب ثواب ہوتا ہے۔ لہذا اس ثواب کو جزائے حق کہہ  
ہے۔ لفظ حق سے یاد کیا۔ اسی طرح جسے ناکر کو مکر سے اور جسے خداع اور بہتہ زنا کو لفظ  
خداع اور بہتہ زنا سے حالانکہ ان الفاظ میں سے کسی ایک کو خدا پر اطلاق کرنا رو نہیں  
مگر اسی طریق پر جس کے موافق قرآن ناطق ہے۔ وَیَمْكُرُونَ وَیَكْمُرُ اللّٰهُ  
اور یُخَادِعُونَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ اور اللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ  
پس ان دلائل سے ثابت ہے کہ خدا پر جزائے محسن اور سزائے مستہبی و مذمت واجب  
نہیں ہے۔ ہاں اس نے وعدہ فرمایا ہے کہ جو نیک کاموں کی جزا عطا فرمائیگا  
اور اس کا وعدہ سوائے صدق کے نہیں ہونا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِیفُ الْمِیْعَادَ  
اسی طرح بدکار لوگ اپنی سزائے اعمال کو ضرور پہنچیں گے۔ کیونکہ وہ جسم و لطف کے  
قابل نہیں۔ اس دلیل سے کہ خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ میں اُن کی مغفرت نہ کروں گا  
ہے گنہگار ان اہل ایمان تو اُن سے عذاب کی تخفیف اور اُس سے عجاویر عقدا  
و شرمگاز ہے۔ اس بارہ میں یہ دلیل کافی ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ مَنْ  
یُشْرِكْ بِہِ شَیْئًا وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذَٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ مَوْسِرِیْہِ اَیَّتِ  
قُلْ یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِہُمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ  
رَّحْمَۃِ اللّٰهِ اور یہ ظاہر ہے کہ مراد عبادِ دی سے اہل ایمان ہیں۔ حال معنی یہ ہیں کہ  
میرے اُن بندوں سے جو اپنی جاتوں پر اسراف کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ خدا کی رحمت  
سے ناامید نہ ہوں۔

نیز اس باب میں عادیث کثرت سے وارد ہیں۔ اور اُن کے معنی اس قدر صاف  
ہیں کہ اُن میں کسی تردد و تاویل کی گنجائش نہیں۔ یہ تو شرع کی رو سے ہے۔ رہا  
عقلاً اُس کا مستحسن و پسندیدہ ہونا تو وہ ظاہر ہے کہ جب بنارہ موجد ہے اور توحید  
و رسالت کا معتقد و معترف اور یہی بات یعنی خدا اور رسول پر ایمان لانا اہل طاعت  
ہے۔ اب وہ خدا کی وحدانیت اور پیغمبر کی رسالت، روزِ آخرت، بعثت بعد الموت  
وغیرہ ضروریات دین کا تو دل سے معتقد ہے۔ لیکن دوسرے عبادات شرعی اتباع

لے بیشک اللہ اُس شخص کی مغفرت نہیں کریگا جس نے کہی چیز کو اُس کا شریک بنایا۔ اور اُس کے  
سوا جس کو چاہے بخش دے۔

ادامہ و احتراز نواہی میں اُس سے متابعت ہو۔ اور شہوت کی موتی سبب یعنی نفل اہل  
 اُس پر غلبہ پا کر اس کو پابندی احکام خداوندی سے باز رکھتی ہے پس ایسے شخص کے  
 گناہوں سے تجاوز اور اُس سے تخفیف عذاب نقصان سے کم سے ہے اور وہ ہر  
 حالت میں محمود ہے جب تک اصل ایمان اُس کے دل میں بسخ ہے۔ اس لئے کہ عذاب  
 میں تخفیف تو بابت غلبہ سے ہے اور نہ بعید طریق حکمت سے ۔

## مسئلہ تحسین و تقیح

(معتزلہ کے خلاف اہل حق کا ایک مسئلہ یہ ہے) کہ تحسین و تقیح میں عقل کو  
 کوئی دخل نہیں۔ نیک کام وہی ہے جس کی تحسین شرع کرے۔ اسی طرح بدوہ ہے۔  
 جس کی تقیح شریعت کرے عقل کو بد و ن لاالت شرع کے خطر و ایاحت کی  
 شناخت میں کوئی دلیل نہیں۔ کیونکہ اگر عقل بدار تحسین و تقیح ہوتی تو اللہ تعالیٰ  
 عقل کی مخالفت پر عذاب کرتا۔ اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت پر عذاب صلیبی نہ  
 ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ تَبْدُعَ الرَّسُولَ الْكَافِرَ  
 یعنی ہم کسی پر عذاب نہیں کرتے جب تک اُس پر رسول نہ بھیج دیں۔ اور معرفت  
 صانع اور حدیث عالم کی بوجہ حسن بجز طریق انبیاء کے حاصل نہیں ہو سکتی اس لئے  
 کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ فرعون ہے اور بدو فرعون کے اصل کا پتہ مشکل ہے  
 لہذا اسما و صفات احکام باری تعالیٰ انبیاء ہی کے توسط سے بندوں کو پہنچتے  
 ہیں۔ اور جو کچھ بندوں پر اوامر و نواہی کی قسم واجب ہے۔ وہ بھی انبیاء ہی  
 کے توسط سے ہاں عقل حجت الہی ہے کہ اُس کے سبب بندوں پر تکلیف وارد ہوتی  
 ہے اور اُس کے نہ ہونے کی حالت میں تکلیف بھی اٹھالی جاتی ہے۔ اور یہی عقل  
 شریعت کی تحسین کی ہوئی چیز کے نیک سمجھنے اور تقیح کی ہوئی چیز کے بد سمجھنے  
 میں ایک ذریعہ اور آلہ ہے۔ اگر صرف عقل کی تحسین و تقیح پر مدار کار ہوتا۔ تو کمالا  
 عقل اس بات کو کیونکر پسند کرتی کہ وہی کی خاطر اس باب کو قتل کر دیا جائے  
 یا صرف ایک تیار یا اُس سے کم مقدار چیز کے چرنے میں چور کے ہاتھ کا رٹ  
 دے جائیں ۔



## سوال منکر و کبر

ایک مسئلہ یہ ہے کہ منکر و کبر کا سوال اور عذاب قبر حق ہے چنانچہ احادیث صحاح سے ثابت ہے۔ اکثر معتزلہ اس کے منکر ہیں۔ اور شبہات وارد کرتے ہیں اس مسئلہ کے باب میں ان کے شبہات کا جواب دینا ہم غلامتِ قہمکتے ہیں۔ اس لئے کہ جو شخص مسلمان ہے۔ وہ ان تمام باتوں کا معتقد و معترف ہے جو تنوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے اس کو پہنچی ہیں۔ عذاب گور کے متعلق یہ بیت کافی ہے۔

النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ۔ اس کے سوا دوسری آیات بھی ہیں جن سے بطریق تاویل عذاب گور کا اثبات ہوتا ہے جس میں کسی قسم کے شبہ کو گنجائش نہیں۔ ایسا ہی منکر و کبر کے سوال کے ثبوت میں احادیث وارد ہیں۔ نیز اس کا علم ائمہ سابقہ سے مستفیض ہے۔ یا اخبار تو اتر کہ اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ اس سے کبھی انکار کر سکتا ہے جس کو اپنی عقل جزئی پر اخبار انبیاء سے زیادہ وثوق ہو۔

## جنت و دوزخ موجود و مخلوق ہے

ایک مسئلہ یہ ہے کہ جنت و دوزخ مخلوق اور موجود و معد ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ جزائے وقت جنت و دوزخ پیدا کی جائے گی۔ اس باب میں معتزلہ پر نصوص قرآن و احادیث صحاح حوحد تو اتر کو پہنچتی ہیں۔ حجت ہیں۔ چنانچہ فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ نے وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الْكَافِرِينَ۔ اور اس میں سے جو چاہو کھاؤ۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اس بیت میں مراد جنت سے وہ باغ ہے جہاں ہم آدم و حوا اور ابلیس رہتے تھے۔ نہ جنت و دوزخ۔ جو ایسا ہے کہ قرآن شریف میں آدم کی جنت کا ذکر متعدد جگہ آیا ہے۔ اور ہر جگہ اس جنت کو الف و لام سے یاد کیا گیا ہے۔ اور یہ ٹھیک نہیں کہ جو چیز معبود نہ ہو۔ اس کو الف و لام سے یاد کر لیں پس ثابت ہوگا کہ مراد اس سے جنت معبود ہی ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ نے حضرت

آدم کو دیا۔ اِن کو دیا۔ اِن لَکَ اَنْ لَا تَجْمَعُ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰی وَاِنَّكَ لَا تَنْظُمُنَّاهُ فِيْهَا وَلَا تَضْحٰی اور ظاہر ہے کہ یہ صفات اس جہان کی بقا میں نہیں پائی جاتیں۔

اگر کوئی شخص نہ سمجھے کہ وہ آدم ابو البشر نہیں تھے بلکہ دوسرے آدم تھے جس سے جدت مذکورہ میں فرمائی سرزد ہوئی۔ تو یہ بات خلاف اجماع کے ہے نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَعْلٰتُ لِمُتَّقِيْنَ تَوْحِيْدٍ مِّنْهُ مَعْدُوْمٌ ہے اُس کی نسبت کیسے کہہ سکتے ہیں کہ تیار کی گئی ہے۔

تیسرے یہ کہ قرآن میں ہے وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اٰخِرٰی عِندَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی عِندَ هَا حِثِّ الْمَاوِلِحٰی پس یہاں نہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سدرۃ المنتہی کے پاس شے معدوم کو دیکھا ہو۔ یا وجود اس کے کہ ان آیات میں کوئی اشتباہ نہیں ہے۔ تاہم احادیث و صحاح سے اُس کی اور بھی توثیق ہوتی ہے۔ جس کی مخالفت ضلالت و گمراہی کا ہے چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے۔ عُرِضَتْ عَلٰی الْجَنَّةِ وَالنَّارِ اَرْجَتْ وَ دَفَنُ مَعْدُوْمٍ ہوتی تو آپؐ فرما نہا مستقیم نہیں ہوتا۔ ایک جگہ فرمایا دخلت الجنة وکما آپ شے معدوم میں داخل ہوئے۔ ایک جگہ فرمایا اشتکت النار الی ذبہا ودفن نے اپنے پروردگار سے شکایت کی۔ اگر دَفَنُ مَعْدُوْمٍ ہوتی۔ تو شکایت کس طرح کرتی۔ ایک جگہ فرمایا فَاِذْ نَاجَا بِنَفْسَيْهِ نَفْسٌ فِي السَّاعَةِ وَذَالِكَ اَشَدُّ مِمَّا تَجِدُ ذُنْ فِي الْكَرْمِ مَجْسِيْرٌ وَ نَفْسٌ فِي الْهَيْدِ وَذَالِكَ اَشَدُّ مِمَّا تَجِدُ ذُنْ فِي الْحِجْرِ یعنی اللہ تعالیٰ نے دَفَنُ کو رسال میں، دو سانس لینے کی اجازت دی۔ ایک تو موسم سرما میں اور یہ زیادہ سخت ہے۔ اُس سے کہ تم سردی میں پاتے ہو۔ اور ایک سانس موسم گرما میں۔ اور یہ زیادہ سخت ہے۔ اُس سے کہ تم گرمیوں میں محسوس کرتے ہو۔ اگر یہ بیان اس حدیث میں اس صفت کے ساتھ نہیں ہوتا۔ تو اس باب میں جمارع

لہ تحقیق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس (جبریل) کو دوسری مرتبہ دیکھا۔ مَلَّاهُ اَنْفَی کے نزدیک اُس کے نزدیک ہفت المادھی ہے۔



اگرست کافی ہے۔

مشترک شفا است

ایک مسئلہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت اہل کبار  
کے حق میں ثابت و جائز ہے۔ اور آپ نے وعدہ فرمایا ہے کہ میری شفاعت ہر ایسے  
شخص کو پہنچے گی جس نے خدا کے ساتھ شریک نہ کیا ہو۔ اور جس شخص کے حق میں منقرض  
جائز ہے۔ اُس کے حق میں شفاعت بھی جائز ہے۔ اور ہم اس بات کو اوپر بیان کر چکے  
ہیں کہ اہل کبار و ائمرہ ایمان سے خارج نہیں ہے۔ اور ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی  
معفرت کرے۔ اور اگر ان کو عذاب کرے تو وہ عذاب مخلص نہ ہو۔ بلکہ وہ دوزخ سے  
نجات پائیں۔ یا جو دیکر وہ گناہوں پر مصر تھے۔ اور قرآن میں اراد ہے مَنْ ذَا الَّذِي  
يَشْفَعُ عِنْدَ اٰلٰهٍ اِذْ يَدْعُوْهُمْ لَا تَخْلُجْنَ فَاِنَّهُمْ لَكَاذِبٌ يَّكُوْنُوْنَ۔ وہ اہل شرک  
کی شفاعت ہے۔ چنانچہ ان کی بابت فرمایا فَمَا تَدْفَعُ لَهُمْ شَفَاعَتَكَ  
السَّارِفِيْنَ اُنْ كِي شَفَاعَتِ كِي لَفِي اِس لَفِي كِي کہ وہ دنیا سے حالت کفر میں  
گئے ہیں۔ اور یہی اصل ہے۔

اثبات شفاعت کی ان لوگوں کے حق میں جو دنیا سے باایمان گئے ہیں۔  
حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ نے فرمایا کہ شفاعت خدا کی کتاب میں مبینہ روایت  
ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی ﴿مَا تَدْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّاكِرِينَ﴾ کہ ان کو نہ ٹھکرتا  
کرنے والوں کی شفاعت نفع نہ دیگی۔ شفاعت کی حدیث کو کبار صحابہ نے روایت  
کیا ہے جن میں خطمائے رشیدین، عقبہ ابن عامر، ابوسعید خدری، ابو ہریرہ، ابوالثخنم  
عوف ابن مالک، الشعمی، مقداد بن معدیکب، ادرعہ اللہ ابن الحداد، رضی اللہ عنہم  
جمعین شامل ہیں۔

نیز حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما نے  
حضرت رسول کریم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا شفاعتی لاہل الکبائر  
من امتی ان واسئل واسئحہ اور اتفاق قرن اول کے بعد اثبات شفاعت  
کے خلاف (مفتزلہ) کو کوئی متکبر نہیں رہا۔ خصوص اس صورت میں کہ منکرین

شفا عت اس بات کے مستفید ہیں کہ عقل جس امر کی تخمین کرے۔ وہ حسن ہے۔ اور عقل جس بات کی تفتیح کرے۔ وہ قبح ہے۔ یعنی مدار تخمین و تفتیح عقل ہی ہے۔ پھر شفا عت کیونکر ناجائز ہو سکتی ہے۔ کیونکہ عقل خود اس بات کو پسند کرتی ہے کہ اگر مومن صادق طاعت گزار توحید و رسالت اپنے گناہوں میں لفظاً اہواً فصوص مند خدا کے پاس آئے۔ تو چونکہ اہل طاعت یعنی ایمان اس میں موجود ہے پس اس کو گناہوں سے درگزر ہی پسندیدہ ہے۔ اور اس کا بخلا فی النار ہونا کسی صورت میں عقل کے نزدیک مستحسن نہیں۔

## مسئلہ اثبات کرامت

ایک مسئلہ اثبات کرامت کا ہے۔ نیک و صالح بندگان خدا کے حق میں۔ اور اس کی حقیقت تسبیل حال مکلف ہے (یعنی مکلف صالح کو افعال خارق عادت کو ذریعہ اپنے کام میں آسانی اور سهولت ہوتی ہے) ایسے خارق عادات کے ذریعہ کہ مثل اس کے معهود اور معمول خلاف نہ ہو۔ جیسے ہوا پر اڑنا۔ پانی پر چلنا۔ ایسے مقامات پر بے تکلف نکل جانا جو دروازہ یا منفذ نہ رکھتے ہوں۔ تھوڑے وقت میں مسافت دور و دراز کا طے کرنا۔ ضرورت کے وقت کھائے پینے کی چیزیں غائب ہونا کرنا۔ سیاح حیوانات وحشی اور موزیات کو مسخر کرنا۔ یہ اور ان کی نسبت دوسری چیزیں تمام خوارق و عادات سے ہیں۔ معتزلہ اور اکثر متکلمین اس کے خلاف ہیں اور ایسی باتوں کو جائز نہیں کہتے، اور اس پر پیشہ دار کرتے ہیں کہ کرامت کا جواز صاحبین کے حق میں مضمی ہوتا ہے۔ التباس معجزات اور دلیل نبوت کو پھر کرامت و معجزہ میں فرق دیکھ کر یہ کہہ سکتی ہے۔ پس اگر غیر انبیاء سے ایسی باتیں دیکھی جائیں۔ تو وہ شیشم بندی اور شعبہ سے زیادہ وقت نہیں کھتیں۔ لیکن صالح بندوں سے جو کرامت صادر ہوتی ہے۔ وہ صرف علیہ جو خدا تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ اور اس کی اجابت از ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے پانی برسا وغیرہ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اثبات کرامت عام لوگوں کے حق میں روا

۱۔ اس بحث کو ہم نے اسی کتاب کے مسئلہ میں بڑی مشروح و مبطلے بیان کیا ہے۔ دیکھ صفحہ ۱۱



نہیں کہتے، یعنی یہ نہیں کہتے کہ نیک و صالح و طالح صادق و کاذب سب سے کرامت کا صادر جائز ہے تاکہ اس سے کوئی شبہ یا غلطو پدیا ہو، اور عالمی کون حجت کرے۔ بلکہ ہم صدور کرامت ایسے بندوں کے حق میں ثابت کرتے ہیں۔ جو برگزیدگان جناب الہی ہیں اور جن کی ولایت اتباع غیبی اور کمال متابعت شریعت انبیا علیہم السلام سے مشبوت کو پہنچی ہے۔ ایسے ولی مکرّم سے افعال حسّاس و عادات کا صادر ہونا اس کی تمامی بزرگواری اور نیز اس امر کی کامل دلیل ہے کہ وہ پورے طور پر شریعت انبیا کا تابع اور ارشاد و تلقین کا اہل اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا مستثنیٰ و مؤید ہے۔ اس صوت میں ملی موصوفت میطیع شریعت و نبوت حقیقت میں نبی کے معجزات کا مؤید اور مصدق ہو جاتا ہے نہ مدافع و مناقض۔

ایک بات یہ ہے کہ کرامت ایک ایسا امر ہے جو بر سبیل حجت و ارادت صادر نہیں ہوتا۔ اور معجزہ بر سبیل حجت و برہان نبوت بروقت متحدی صادر ہوتا ہے اور دعویٰ نبوت کے بعد پیش کیا جاتا ہے۔

اثبات کرامت کی دلیل ایک تو حضرت مریم علیہ السلام کا قصہ ہے جو قرآن کریم میں مذکور ہے قَدْ نَافِلْ عَلَیْہَا ذَکْرًا مَحْجَبًا وَحَبَدًا عِزًّا مَا رُفِقًا قَالَ یَا مَرْیَمُ إِنَّ لَکِ ہٰذَا نَافِلٌ هٰذَا نَافِلٌ هُوَ مِنْ عِزِّ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ یعنی جب کہ یا حضرت مریم کے پاس جو محراب میں تھیں آئے۔ اور ان کے پاس رزق رکھا ہوا دیکھا۔ تو چچا اے مریم تمہارے پاس یہ کہاں سے آیا۔ مریم نے کہا اللہ کے پاس سے بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے۔ بے حساب رزق دیتا ہے۔ تو جب ایک عورت ذات سے ایک نبی مرسل کے حضور ایسی کرامت ظاہر ہو کہ انہیں غیر کے طعام و فواکھ پہنچیں۔ یا وجوہ دیکھ کسی شخص کو ان نام پہنچنے کی کوئی دلیل نہ ہو۔ اور پیغمبر اس کو دیکھ کر تعجب کرے۔ اور آگاہ نہ ہو کہ یہ کہاں سے پہنچا تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اس پیغمبر کے کسی برگزیدہ حق سے اس قسم کی کرامت ظاہر ہو۔

دوسری دلیل حضرت سلیمان علیہ السلام کے صاحب (حضرت آصف برقیہ) کا قصہ ہے کہ انہوں نے کہا میں پاک چھپکانے کے پہلے تمہارے سامنے تخت بقیس کو لا کر حاضر کر دوں گا۔ اور ایسا ہی ہوا جنانچہ قرآن کریم میں مذکور ہے قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ

تیسری دلیل قصہ اصحاب کف کی ہے۔ جو چند عجائب واقعات پر شامل ہے۔ اور وہ بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔ (دیکھو سورہ کف) ۱۰۔ اس باب میں اے عابدِ مولیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کے زمانہ مبارک میں اور نیز آپ کے بعد اتنی کرامات ظہور میں آئی ہیں کہ اگر ہم ان سب کو نقل کریں تو کتاب میں خاص ضخامت پیدا ہو۔ ان میں سے ایک حدیث عبادِ بشر اور سیدِ حصری کی ہے کہ شبِ تاریک میں ان کی عصا ایسی ہو گئی جس کے سہارے وہ اپنے گھرنے پہنچ گئے۔ اور اسی طرح حدیث طفیل موسیٰ کی کہ روشنی سے سحر زانو تک معلق تھی اسی طرح ام امین کی حدیث میں ہے کہ وہ ہجرت کر رہی تھیں۔ رستہ میں جب ان پر تاریکی غالب ہوئی تو ان کے لئے آسمان سے ایک ڈل پانی کا بھرا ہوا پیچہ آیا اور انہیں جرعہ جرعہ پانی پلاتا رہا۔ جب وہ سیر ہو گئیں تو ڈل اٹھ لیا گیا۔ اسی کی مثل ام شریک کے بھی مروی ہے ۱۱۔

حضرت ابو بکرؓ کا قصہ مروی ہے کہ آپ نے اپنی وفات کے وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا۔ هُمَا اخْرُكَا وَ اخْتَارِكَا حَالَتُكَ اُس وقت حضرت عائشہ کی ایک ہی بہن تھیں۔ اور ان کی والدہ حاملہ تھیں۔ انہیں حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد رکھ لی ہوئی ۱۲۔

حضرت عمرؓ کا قصہ ہے کہ ایک شخص ساریہؓ می تھا وند میں میر لشکر تھا۔ اور حضرت عمرؓ مدینہ میں تھے کہ آپ نے یکایک فرمایا یا ساریہؓ جبَلُ الجبلِ اتنی فستا بعیدہ سے حضرت ساریہؓ نے اس آواز کو سنا۔ اور دشمن کا کیمین لگائے ہوئے

۱۰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان دونوں واقعات کو ہم بالتفصیل حکم میں بیان کر دیا ہے۔  
دیکھو حکم صفحہ کتاب ہذا ۱۱۔



پیار کی آٹو میں بیٹھا تھا۔ اس آواز کو سنتے ہی سرخ لگا لیا۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریائے نیل کو ایک قہقہہ لکھا۔ جس کی عبارت یہ تھی۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ من عید اللہ عمرا میر المؤمنین الی نیل مصر انا بعد ان کنت تجری بامرک فاجتس اجاجتہ لنا نیک وان کان العزیز الجبار اجرالک بلطفہ وقتد سرتہ فاجر ما جری والستلام علی من اتبع الهدی آپ نے فرمایا اس کو نیل میں ڈال دیں۔

حضرت علی الحصرمی کی حدیث بھی اس قسم کی ہے کہ انہوں نے لشکر اسلام کو دریا میں ڈال دیا۔ اور عجبی جو بھاگ رہے تھے ان کا تاقب کیا۔ آپ نے گھوڑے کو پانی میں ڈالتے ہوئے فرمایا کہ کسی کی کوئی چیز پانی میں گر جائے تو مجھے اطلاع دے۔ ایک شخص نے کہا کہ میرا کاسہ چوبین گر پڑا ہے چنانچہ آپ نے نیزہ کی نوک سے اس کا پیالہ مکال دیا۔

حضرت خالد سیف اللہ رضی اللہ عنہ کے حالات میں بطریق صحت نقل ہے کہ آپ نے سم سنا (وہ زہر جو فوراً ہلاک کرے) تناول کیا۔ لیکن بفضل خدا آپ پر اس کا مطلق اثر نہیں ہوا۔ غرض صحابہ تابعین اور صحابہ اُمت سے اس قسم کے اکثر کرامات ظاہر ہوئی ہیں۔ جن کا احصار دشوار ہے بعد ازاں اُمت نے ان کو جمع بھی کیا ہے۔ پھر بھی بہت سے واقعات نقل و درج سے لگتے ہیں۔ باوجود ان دلائل و براہین کے کہ اُمت سے انکار کرنا سوائے خدا کے اور خواری ہر دو جہان کے اور کیا ہے۔ نصوذاً بآئدہ۔

## معدوم شے نہیں ہے

ایک مسئلہ یہ ہے کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ معدوم شے ہے۔ اہل حق کا یہ مسئلہ کہ معدوم کوئی چیز نہیں۔ معتزلہ اپنے قول سے بہت سے شبہات وارد کرتے ہیں ہمیں ان سب کو نقل کرنے کی حاجت نہیں۔ ان کا جواب صرف یہی کافی ہے کہ ہم کہتے ہیں خدا کا قدم میں منفرد ہونا دلائل قاطعہ اور حجج ساطعہ سے ثابت ہے

اور تمہارے قول سے لازم آتا ہے کہ خدا کے ساتھ کوئی اور شے بھی ہوگی۔ اس سے عالم کا قدم لازم آتا ہے۔ اور یہ باطل محض ہے۔ معتزلہ اس آیت سے تمسک کرتے ہیں کہ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَا ارَدْنَاهُ اَنْ نَّقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ جواب یہ ہے کہ اس کو شے اس واسطے کہا کہ آئندہ شے ہوگی۔ گویا تقریر آیت کو اس طرح ہے اِنَّمَا قَوْلُنَا اِذَا ارَدْنَاهُ اَنْ نَّقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ شے اس سے کہ آئندہ شے ہوگی اور اس قسم کی دوسری آیات تفہیم خلق کے لئے اس طرح آئی ہے کہ مجازاً اس کو لفظ شے سے یاد کیا تاکہ سمجھ میں آجائے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہ فرمایا ہے کہ معدوم شے نہیں ہے چنانچہ قَدْ خَلَقْنَاكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُنْ شَيْئًا اور فرمایا۔ اَوْ لَاحِظْ كَسْرَ الْاِنْسَانِ اِنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُنْ شَيْئًا اگر کہا جائے یہ تو ایسی چیز سے خبر دی ہو جو اس سے پہلے نہ تھی۔ جیسے فرمایا اِهْلُ اَقْصَى الْاَرْضِ نَاسٌ حِينَ مِنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا جواب یہ ہے کہ بغیر وجود دلیل کے نص کو حقیقت سے مجاز کی طرف لے جانا کوئی قاعدہ نہیں ہے۔ یہاں نہ تو کوئی دلیل موجود ہے۔ اور نہ مجاز پر کوئی عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ تمہارا تمسک بزدلیل مجاز پر ہے اس لئے کہ ظاہر آیات متعارض ہوتی ہیں۔ اور تمہارے تمسک پر مجاز سے عالم کا قدم لازم آتا ہے۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے اس علم سے کہ فلاں شے زمانہ آئندہ میں ہوگی۔ اس شے کا ہونا لازم آتا ہو تو ماننا پڑے گا کہ خدا کی اس دانست سے کہ فلاں جسم زمانہ آئندہ میں وجود میں آئے گا۔ تو اس کی صحت کا ہونا لازم آئے۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے۔ جس کو کوئی ذی عقل نسیم نہیں کرے گا۔ پس ثابت ہوا کہ معدوم کوئی شے نہیں ہے اور کسی چیز کو شے اسی وقت کہہ سکتے ہیں۔ جب وہ وجود میں آجائے۔ قبل وجود کے معدوم کو ہرگز شے نہیں کہہ سکتے۔



# آٹھویں فصل

جواز و اثبات نسخ آیات میں اور بعض مسائل و افض

کی تردید میں

نسخ سے مراد یہ ہے کہ پہلے حکم کو دوسرے حکم کے ذریعہ اٹھا دیا جائے اور نسخ  
 بابتا ہے ہوتا ہے یا سنت کے اور سوائے انبیاء علیہم السلام کے نسخ کسی دوسرے کے  
 بیان سے نہیں ہو سکتا نسخ کوئی جدیدیات نہیں ہے بلکہ آدم علیہ السلام سے حضرت  
 خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ تک تمام شریعتوں میں نسخ پایا جاتا ہے اسی طرح  
 پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں نسخ موجود ہے۔ پھر یہ بھی یاد رکھو کہ نسخ  
 احکام جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بقا کے ساتھ مشروط تھا۔ آپ کی وفات  
 کے بعد مرتفع ہو گیا۔ انقراض عالم تک (یعنی اب قیامت تک خدا اور رسول کے حکم  
 میں نسخ نہیں ہو سکتا۔ یہ اس لئے کہ نبوت آپ کے بعد ممکن نہیں۔ اور جب نبی کا ہونا  
 امکان نہیں رکھتا۔ تو نسخ بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ نبی ہی کے خبر و بیان سے ہو سکتا  
 تھا۔ دوسرے یہ کہ آنحضرت کی شریعت مکمل اور کامل شریعت ہے۔ اور قیامت تک تمام  
 زمانوں اور حالتوں اور ملکوں کے موافق۔ پس جب نسخ کی ضرورت ہی نہیں۔ تو نسخ کیونکر  
 ہو سکتا ہے۔ لہذا آنحضرت کی وفات کے بعد نسخ بالکلیمہ ناجائز اور غیر ممکن ہے) اس  
 واسطے کہ آپ کے بعد کوئی شریعت نہیں ہوگی۔ نسخ کے منکر یہودی ہیں۔ اور منع نسخ  
 میں ان کے مذاہب مختلف ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک مکرہ بالاسخ جائز اور مشرعاً  
 مستحسن اور از روئے عقل بھی درست ہے۔

جواز نسخ کے دلائل

جواز نسخ میں یہ دلائل کافی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم

کیا تھا کہ اپنی بیٹی کا نکاح اپنے بیٹے کے ساتھ کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا رہا۔ بعد ازاں  
 ممنوع ہو گیا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم کو فرمایا کہ اپنے بیٹے کو قربان کر یہ بھی اُس کے  
 بعد منع ہو گیا۔ اسی طرح دو توحہرین جمع کرنا حضرت یعقوب کی شریعت میں جائز تھا  
 مگر موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں حرام ہو گیا۔ اور نیز حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت  
 میں چرنے والے حیوانات مباح تھے۔ اور حضرت یعقوب نے اونٹ کا گوشت اپنے اوپر  
 حرام کر لیا تھا۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اکثر حیوانات حرام ہو گئے۔ یہ  
 تمام بیان طریق شرع سے اُن پر حجت ہے۔ لیکن یہودی موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی  
 نسخ کے معتقد نہیں۔ کیونکہ وہ اس امر کے قائل ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد  
 کوئی جدید شریعت ہی نہیں۔ بلکہ انہیں کی شریعت کو کامل شریعت اور اس کے احکام  
 کو تاقیامت باقی و جاری سمجھتے ہیں۔ حالانکہ تورات وغیرہ کتب بقدر کثرت ثابت ہے  
 موسیٰ علیہ السلام نے کبھی اپنی شریعت کو آخر شریعت اور خود کو آخر انبیاء نہیں کہا ہے۔  
 بلکہ انہوں نے اپنے بعد کے آنے والے انبیاء کی خصوص جناب نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم  
 کے بعد آہ وسلم کے مبعوث ہونے کی بشارت دی ہے۔ جیسا کہ ہم باب گذشتہ میں بیان  
 کر چکے ہیں۔ اہل ایمان نے نسخ کا ثبوت کتاب سنت سے کیا ہے۔ اور اس کو عقلاً مستحسن  
 جانا ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ جس طرح کسی حکم کا اثبات حکیم سے بر حسب مصلحت پایا جاتا  
 ہے۔ اسی طرح اس حکم کا اٹھا دینا بھی حکیم کی مصلحت پر مبنی سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ  
 طبیب کسی مریض کو ایک وقت کسی دوا کے استعمال کی ہدایت کرتا ہے۔ پھر دوسرے  
 وقت اُس کے استعمال سے منع کرتا ہے۔ اور بجائے اُس کے کوئی دوسری دوا استعمال  
 کرانا ہے۔ اُس کے دونوں حکم مصلحت کے موافق اور مریض کی طبیعت کے مطابق سمجھے  
 جاتے ہیں۔ یہ تغیر صرف تغیر حالت بیمار کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ورنہ طبیب اپنے قاعدہ  
 پر ہے (یہی وجہ نسخ احکام کی سمجھنا چاہئے)۔

## بدا کی حقیقت

اگر منکر شخص اعتراض کرے کہ اس معنی کا اثبات خداوند عل و عل کے خیر میں  
 مغضی ہوتا ہے۔ بدا کو اور بد احق تعالیٰ پر روا نہیں ہے۔ جواب یہ کہ بدا اُس چیز سے



بیان تو فصیح کو کہتے ہیں۔ جو پوشیدہ ہو یا تلافی ہو۔ خطائے گزشتہ کی اور نسخ کہتے ہیں۔ اختلاف حکم کو موافق اختلاف وقت اور زمانہ کے۔ اُس کی مثال بندوں کے احوال میں جیسے صحت و مرض فقر و غنا اور عافیت و بلا اور حیات و ممات کی ہے۔ اور دوسری مثال اختلاف احوال عالم میں موجود ہے۔ جیسے ایجاد و فنا تو ان میں سے جب کسی بات میں بد لازم نہیں آتا۔ تو نسخ کی صورت میں کیونکر خدا پر بد لازم آ سکتا ہے۔

ان کی جہالت سے تعجب ہے کہ نسخ کے صرف اس وجہ سے قائل نہیں کہ اُن کے زعم میں اس سے خدا پر بد لازم آتا ہے۔ اور خود ان میں کا ایک فرقہ جس کو کیسا نبیہ کہتے ہیں۔ خدا پر بد اجاز رکھتا ہے۔ تعالیٰ اللہ عَمَّا يَقُولُونَ الظَّالِمُونَ هَلُمُّوا کِبْرًا یٰ اَبَتِ کَیْسٍ مَا تَنْسِیْ بِرَحْمَتِیْ نَحْنُ الَّذِیْنَ لَا یُغْنِیْ عَنْکَ کِبَرُکَ مِنْ شَیْءٍ سَمِعْنَا بِکَ لَمَّا کَانَ مِنْکَ الْاَوَّلُ الْاَوَّلُ وَرَاٰی اللّٰهُ تَعَالٰی قَبُوْلَ خَوَادِّ سَمِزَہ ہے۔ اور صفت حادث سے اُس کا انتصاف درست نہیں۔ حق یہ ہے کہ اُن کا دشیمہ کا قول بد ا کے باب میں یہودیوں کے قول سے بھی جو باب نسخ میں ہے۔ بدتر ہے۔

## رفض کا قول کہ پیغامبر مشرک سے پیدا نہیں ہوتا

اباطیل و رفض سے ایک بات یہ ہے کہ کہتے ہیں۔ وہ نہیں ہے کہ پیغامبر کسی مشرک سے پیدا ہو۔ یا مشرک پیغامبر سے پیدا ہو۔ حالانکہ قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ موجود ہے۔ کہ اُن کے باپ آذرت تراش تھے، (لیکن جو بعض مفسرین نے پدر ابراہیم علیہ السلام کا نام تارخ لکھا ہے۔ اور ذکر اُن کا چچا کہا ہے۔ تو واضح ہو کہ تارخ کا مومن ہونا بھی کسی تفسیر سے ثابت نہیں۔ مطلب یہ دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے)۔

نیز حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ کہ اُن کا باپ غیر اہل میں مر گیا۔ غرض یہ دونوں واقعات (اور نیز اُن کے سوا) اس امر کے مبین اور واضح کرنے والے ہیں کہ رفض کا یہ قول کہ پیغامبر کا مشرک سے اور مشرک سے پیغامبر کا پیدا ہونا ممکن نہیں۔ (حالانکہ نوح پیغامبر تھے۔ اور اُن کا بیٹا کنعان کا فر تھا یہ بھی قرآن کریم سے ثابت ہے)۔

اور یہ جو کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں ناقلاً من نوح علیہ السلام... فرمایا اِنَّكَ اِنْ تَدَّ رَهْمَ لَيُصْنِفُوْا اَعْبَادَكَ وَكَأَيِّدُ وَاَكْلًا فَاجْزَا كَهَارًا یعنی نوح نے کہا یہ شک اگر تو ان کو چھوڑ دے گا۔ تو وہ میرے بندوں کو گمراہ کریں گے۔ اور اُن سے پیدا نہ ہونگے۔ مگر کافرید کار۔ کہتے ہیں کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ کافر سوائے کافر سے سامان سے وجود میں نہیں آتا۔ نوان کی دلیل فاسد ہے کیونکہ اس کا حکم تخصیص قوم نوح کے ساتھ ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کے ہلاک کا حکم کیا تھا۔ اور وحی کی تھی کہ میری قوم سے سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے۔ دوسرا کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ چنانچہ فرمایا وَادْخُلِ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ اٰمَنَ مِنْ قَبْلُ اَمِنْ حضرت نوحؑ نے اس آیت سے معلوم کیا کہ جو لوگ پیدا ہوں گے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ کیونکہ اُن کے فرزند بھی قوم نوح سے تھے۔ پس حضرت نوح کا یہ کہنا کہ اُن سے کافر ہی پیدا ہونگے۔ اس قصہ کی بنا پر تھا۔ جس کی اطلاع اُن کو علم غیب کے ذریعہ پہنچی تھی۔

## شیعہ کے قول کا ایک اور طرح سے ابطال

پھر ہم کہتے ہیں کہ اس تاویل کی بھی حاجت نہیں ہے۔ یہ وافض کا قول ظاہر نصوص کے بھی منافی ہے۔ اور حکم نص سے ثابت ہے کہ انبیا کا کافروں سے پیدا ہونا جائز ہے۔ اور ماں باپ کا کفر اُن کی عصمت میں قاصر نہیں ہوتا۔ اُن کا یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ انبیا کا نسب نکاح جائزہ کی صحبت و عیب سے پاک ہوتا ہے۔ اور نکاح کفار کا درست ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ عورت مرد جب دونوں مسلمان ہو جاتے ہیں۔ تو پھر تجدید نکاح کی حاجت نہیں ہوتی۔ اور دہنی نکاح سابقہ قائم رہتا ہے۔ الا اس حالت میں کہ محوسی ہو۔ اور اُس نے ذیات محارم نکاح کیا ہو۔ تو ان میں تفریق کر دینا چاہئے۔ اور جانتا چاہئے کہ انبیاء کے نسب میں شائبہ فساد نہیں پایا جاتا۔ اور نہ مظنہ خلل واقع ہے۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اثرات قبائل اور خیارتی آدم سے منتخب کیا ہے۔ اور



ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہترین امت میں سے ہیں۔ باقی ظاہر شرف نفس اور کرم اخلاق، اور طہارت عمل اور شجاعت اور وجاہت کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت اہل کافہ انام سے برگزیدہ و منتخب کیا ہے۔ اور عہد آدم سے ہمارے اس مائتہ تک ایسے بزرگ حضرات جو مومن سے متولد ہوں خواہ کافر سے نسب میں خلل ہونے کی وجہ سے مستکف ہے ہیں۔ اور خدا نے ان کو اس قسم کے معائنات پاک صاف کیا ہے کیونکہ یہ ایسا تفسیہ ہے جو اصل سے فرع میں ہر ایت کرتا ہے۔ اور اس کا عیب اول سے آخر تک ہوتا ہے پس انبیاء کو اس سے میرا جانا چاہئے لیکن کفر و ایمان کسی شخص کا اس کے صاحب سے نفع نہ رکھتا ہے نہ تو کسی شخص کا ایمان دوسرے سے ہر ایت کرتا ہے نہ کفر یہ

## کیا والدین آنحضرت کی وفات کفر پر مہولی؟

اور نہ یہ خیال حق کا یہ ہے کہ مادر و پدر آنحضرت کے کفر پر تھے۔ اور یہ

۱۔ چنانچہ شرع فقہ اکبر میں ملا علی قاری بعد نقل عبارت والد ارسل اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاۃنا علی الکفر یعنی آنحضرت کے ان باب نے کفر پر وفات پائی لکھتے ہیں کہ یہ عبارت دو ہے اس شخص کا جس نے کہا کہ والدین آنحضرت کے ایمان پر مرے یا ان کی موت تو کفر پر ہوئی۔ لیکن پھر قرآن نے ان کو نہ دیا پس ان کی وفات ایمان پر ہوئی۔ پھر ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ میں نے اس کے ثبوت و تائید میں ایک مجدد رشتہ لکھا ہے۔ اور اس میں جلال الدین سیوطی کے رسالہ کی جس میں اس نے والدین آنحضرت کا ایمان پر مرنا ثابت کیا ہے تردید کی ہے۔ اور ان لوگوں کی بھی تردید کی ہے۔ جو کہتے ہیں کہ امام عظیم کی وفات کے لائق نہیں تھا کہ والدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابت ایسا لکھنے کیونکہ اس میں اسوات و حبیب ہیں کہتا ہوں کہ یہ مسئلہ علمائے متاخرین میں مختلف طور پر مانا جاتا ہے۔

جنسہ والدین آنحضرت کے ایمان کے قابل ہیں۔ اور بعض ان کی وفات کفر پر ہونے کے معتقد ہیں پھر ایک گروہ علماء کا ایسا ہے کہ جو اس قسم کی بحث کو بے ادبی خیال کرتا ہے بلکہ دوسرے سے اس قدر کبر کو جس میں والدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کفر پر ہونے کا ذکر ہے۔ امام عظیم کی تصنیف میں لکھا اور یہاں اس کے وہ فقہ اکبر جو بروایت ابو یوسف و یحییٰ بن یوسف و امام عظیم کی تصنیف بتاتا ہے سب علماء معتقدین تو وہ سب کے سب اس بات کے قائل ہیں کہ ان کی وفات حالت کفر میں ہوئی۔ لیکن فقیر مترجم جناب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین رضی اللہ عنہما کی بابت یہ سوچوں کہ انہیں نہیں رکھتا۔ اور سب اختلاف قائلوں کے ان کے واقعات اور کفر و ایمان کی بحث کو یہ لکھ چھوڑ دیتا ہے کہ خدا اور رسول ہی ان کے حالات کو خوب جانتے ہیں۔

بات نقل درست ہے۔ ان میں سے ایک حدیث عیاض بن حمار مجالیسی کی ہے وہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی نَظَرَ اِلٰی اَهْلِ الْاَرْضِ فَفِيْهِمْ عَرَبِيْهٖمْ وَعَجَمِيْهٖمْ اَكَلًا يُّقَالُ اَوْ اَهْلًا لِّسَابٍ اَوْ مَرَادُ بَقَا سِے وہ لوگ ہیں نصاریٰ سے جو طریق حق پرستقیم تھے اور یہ ظاہر ہے کہ آنحضرت کی بعثت کے وقت کہیں اس طائفے سے سوائے درقہ بن نوفل کو کوئی نہیں تھا۔ اور قبل اس کے اہل مکہ سے زید بن عدوی تھا۔ جو قریش کے خلاف تھا۔ باقی تمام میت پرستی اور عبادت اصنام پر مجتمع تھے۔ چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے  
هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِيْ اَكْثَرِ مِّمِّنْ رَّسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَکٰفِرٰی  
یعنی اللہ پاک ایسا ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہیں میں سے ایک رسول مبعوث کیا۔ جو ان پر اللہ کی آیتیں پڑھتا اور انہیں پاک کرتا۔ اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم کرتا ہے۔ اور اگر قبل اس کے یہ لوگ صریح کفر ہی میں تھے۔

اور ان میں سے ایک حدیث ابن ابی ملیکہ کی ہے کہ جب اُس نے آنحضرت سے پوچھا میرا باپ کہاں ہے تو آپ نے فرمایا دوزخ میں پھر عرض کیا این ابوک یعنی آپ کا باپ کہاں ہے۔ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْکَ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمْ مَرَّتْ بِقَبْرِ کَافِرٍ فَنَسَّوْا بِالنَّارِ اِسْمَیْ فَرَمٰی اَمِّنْ کَافِرٌ کَیْ تَرٰکَ رَکْبَہٗ۔ تو اُس کو آتش دوزخ کی خبر دی۔ اور حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت اپنی ماں کی قبر کی زیارت کو گئے۔ اور روئے ایسا کہ جو آپ کے گرداگرد تھے۔ اُن کو بھی رُلایا پھر فرمایا میں نے خدا سے اپنی ماں کے استغفار کے لئے اجازت چاہی۔ مگر مجھے اجازت نہیں دی گئی۔ اور حدیث درست ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں زَارَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ قَبْرَ اُمِّ فِکَا وَابْلِیْ مِنْ حَوْلِہٖ فَقَالَ اَسْتَاذْتُ رَیْقَیْ عَنْ اُمِّیْ اِنْ اَسْتَخْفَرْتُ لَهَا فَلَمْ یُوْذَنْ لِیْ جِبْ نَقْلٌ دَرَسْتُ سِے قرآن بعد قرین درمیان امت کے یقیناً درست و مشہور ہے۔ تو اس کی مخالفت سوائے ضلالت کے نہیں۔ اور سوائے اس کے کہ مسلمانوں میں فتنہ پھیلا یا جائے۔ اور نیز یہی مخالفین ابو طالب کے باب میں غلو کرتے ہیں۔ اور باوجود اس کے کہ ان کا کفر ثابت ہو چکا ہے (حضرت رسول خدا



یو طالب علم کو

کے فرمائے حضرت علیؑ کی شہادت اور علمائے سلف اور آئمہ دین کے بیان متواتر  
(سے) ردِ انقضائے کہتے ہیں کہ ابوطالبؑ مومن تھے۔ جو لوگ ان کو کافر کہتے ہیں جھوٹے  
ہیں۔ اور وہ اہل بیت سے تعصبِ عداوت رکھتے ہیں۔ وغیرہ الٰک +

حدیث صحیح میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اہل  
اہل النار عذاب ابی طالب وہو متفل نعلین یقلی منها دماغہ  
یعنی اس کے ہلکا عذاب ابی طالب کا ہے۔ وہ آگ کے جوتے پہنے ہوئے ہے جس کی  
گرمی سے اس کا دماغ کھوٹتا ہے۔ اور آنحضرت نے فرمایا تھا یا عمر قل لا الہ  
الا اللہ کلمۃ احاج بہا عندک فابی ان یقول لا الہ الا اللہ یعنی اے  
حجاج لا الہ الا اللہ کہہ دے کہ میں اس کلمہ کے ذریعہ تیری جانب سے خدا پر عبت کروں۔ تو  
ابی طالب نے لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کیا۔ اور مرتے وقت کہا میں اپنے باپ  
علیہ السلام کے دین پر مڑتا ہوں اور حدیث میں ہے کہ جب ابی طالب نے وفات پائی  
تو حضرت علیؑ آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے۔ اور کہنے لگے یا رسول اللہ ان عملک  
الصالح قد مات یعنی آپ کا گمراہ چچا مر گیا۔ آپ نے فرمایا اذہب فواراک یعنی جاؤ  
اُس کو دفن کر دو۔ اور آئمہ مجتہدین خصوصاً جناب ابو حنیفہ اور شافعی رضی اللہ عنہما  
نے جواز دفن کا فرق کے باب میں دفن ابی طالب پر تسک کیا ہے۔ اور اس مسئلہ میں

۱۔ کھلا ہے کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو آنحضرت علیہ السلام ان کے پاس گئے۔ دیکھا کہ ابوہریرہ اور چند لوگ بیٹھے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے چچا کلہر شہادت پڑھ دو کہ میرے پاس تمہاری مصفرت طلب کرنے کی ایک بیل ہو۔ ابوہریرہ نے کہا کیا عبدالمطلب کے منہ سے پھرے جانے ہو او بار بار یہی کہتا رہا۔ حتیٰ کہ ابوطالب نے آخری وقت میں کہا کہ میں اپنے چچا عبدالمطلب کی کلمت پڑھتا ہوں۔ اور لا الہ الا اللہ تھیں پڑھا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم میں تمہارے لئے استغفار کرتا رہنچا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكْفِيَ وَلَوْ كَانُوا أُولَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ بَدَدٍ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْحَجَرِ يَوْمَئِذٍ خِزْيٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا۔ اگرچہ وہ اہل قرابت ہوں جیسا کہ یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ دورِ خمیوں سے ہیں۔ یعنی ان کی موت کفر پر ہوئی ہے۔ اور وارث ہے کہ جب آنحضرت نے ابوطالب پر ایمان بخش گیا۔ انہ انہوں نے کفر کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لَكِنَّكَ اَنْتَ هَادٍ لِّلْبَاطِلِ لَعَلَّكَ تَمْنُو۔ رواہ البخاری و مسلم ج ۱۲

بھی کہ کافر کی میراث مسلمان کو نہیں پہنچتی۔ حدیث ابو طالب سے استدلال کیا ہے کہ ابو طالب کے چار بیٹے تھے۔ طالب عقیل، جعفر اور علیؑ ابو طالب کی میراث طالب عقیل کو پہنچی جو باپ کے طریق پر کافر تھے۔ اور جعفر و علیؑ کو نہیں پہنچی کہ یہ دونوں مسلمان تھے۔ ابو طالب کا کفر امت میں حد تو اتناڑ کو پہنچ گیا ہے۔ اگر کوئی جاہل عناد و تعصب کی راہ سے ابو طالب کے ایمان کا دعویٰ کرے تو اس کے قول کو رد و اجابہ اور اہل اسلام پر واجب ہے کہ وہ نقل مذکورہ کے مطابق ایمان اعتقاد رکھیں۔

متن کی زوید

روافض کی بدعتا سے ایک نکاح منقض ہے۔ اس کی صحت یہ ہے کہ ایک شخص ایک مقدار زر کے عوض میں کسی عورت کے ساتھ میعاد ہی نکاح کرتا ہے۔ اور عورت مقررہ زر کے عوض میں اپنے نفس کو مثلاً دس روز یا کم مدت کے لئے مرد کی تفویض میں دیتی ہے۔ اس قسم کا نکاح ابتداء سے اسلام میں مباح تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ آنحضرتؐ اکثر غزوات کے لئے جاتے اور سرایا بھیجتے تھے۔ اور لوگ احکام جاہلیت کی طرف راغب تھے۔ ایسے وقت میں ہوا و شہوت پر صبر کرنا اور داعیہ شہوت کی مقاومت اُن سے دشوار تھی۔ لہذا منقض کی رخصت ہوئی۔ اس کو زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ متعدد حرام فرمایا گیا۔ اور چونکہ اس کا علم قرآن سے مستفیض نہ تھا۔ اگر کسی سے خلاف اس کے سرزد ہوا۔ تو

۱۔ متد کی حرمت قرآن کریم کی متعدد آیات سے ثابت ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ آیت ہے جو صاف طہر پر متد کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔ وَالَّذِينَ يُغْرِقُونَ بِحُكْمٍ وَأَوْفَاءً  
أَوْ مَأْكَدًا أَيْمَانَهُمْ فَمَا تَتَّخِذُهُمْ عَلَيْهِمْ غَلِيبٌ إِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ بِذُنُوبِهِمْ  
کرتے ہیں۔ مگر اپنی بی بیوں اور لونڈیوں پر تو (ان میں) ان کو کوئی الزام نہیں۔ ابن ابی ہلیکہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رض سے متد کی بابت پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ حرام ہے۔ اور میرے اور ان کے درمیان قرآن حاکم ہے۔ پھر یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ جو اس کے سوا خواہش کئے، تو وہ حد سے گذر گیا۔ اس کو ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور حاکم نے بعد تصحیح تخریج کی (رد منثور) ۴  
قاسم ابن محمد سے متد کا مسئلہ پوچھا گیا۔ تو فرمایا کہ حرام ہے۔ اور میں تو اس کی حرمت کو  
مستخرج قرآن سے دیکھتا ہوں۔ پھر یہی آیت پڑھی۔ عبد الرزاق و ابو داؤد نے اپنے نسخ میں اس کی تخریج  
کی۔ (رد) متد کے متعلق ایک دوسرے اور فضیلت سے بحث کے لئے دیکھو مکتبہ صفحہ۔



اس کی یہی سبب تھا۔ بعد اس کے صحابہؓ جمہور سے اجماع حاصل ہوا کہ نکاح منہ حرام ہے۔ جہلائے دین کہتے ہیں کہ منہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حرام کیا ہے۔ اور منہ حضرت علی کے مذہب میں حلال ہے۔ اس کا خلاف عمداً حضرت عمرؓ نے کیا۔ ورنہ منہ حج اور منہ نکاح میں کوئی خلاف نہیں ہے۔ عجب یہ ہے کہ روایت حدیث نہی سے ایک حضرت علی بھی ہیں۔ چنانچہ اُن سے یہ حدیث مروی ہے۔ **ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالہ و سئل عن متعہ النساء ولحوم الحمر الاھلیة ذمن۔** خبیبرؓ آنحضرتؐ نے عورتوں سے منہ کرنے اور اہلی گدھوں کے گوشت کھانے سے زبان خبیبر میں منع فرمایا ہے۔ تو گویا روافض کا اس مسئلہ میں خلاف کرنا محض اہل حق سے عناد ہے۔ جس طرح موزہ پر مسح کرنے میں انہوں نے دائئہ اہل حق کی مخالفت کی ہے کہ موزہ پر مسح کرنے کا ثبوت بھی حضرت علیؓ سے مروی ہے۔ اور اس کے جواز پر اجماع امت ہو گیا ہے۔ روافض عدم جواز مسح کی نسبت بھی مثل جواز منہ کے حضرت علیؓ کی طرف کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے یہ دونوں عقائد خلاف احادیث نبویہ اور اجماع امت مرحومہ کے ہیں۔

## تقیہ کی تردید

ان کے عقائد فاسدہ سے ایک تقیہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی محترم ہو۔ یا اس کی زبان سے ڈرتا ہو تو اس کے لئے روا ہے کہ تقیہ کرے یعنی جو بات اُس کے دل میں ہے۔ اُس کا خلاف زبان سے ظاہر کرے۔ اور کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی اطاعت بھی اسی قسم سے تھی۔ اور اسی بنا پر کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی فضیلت میں جو کچھ فرمایا۔ وہ بھی اسی

لے منہ الحج کے دو معنی ہیں، ایک یہ معنی متع یعنی فائدہ مند ہونے کے معنی عمرہ کرنا حج کے ساتھ ایک سفر حج کے مہینوں میں بغیر اس کے کہ گھر کو لوٹے یہ جائز ہے۔ دوسرے معنی میں حج کرنا عمرہ کے ساتھ اور احرام حج سے نکلنا۔ عمرہ کے افعال کے ساتھ بے عقد تو منہ الحج بالاجماع حرام ہے ۱۲ مخدہ ۱۰۰

۱۱ اس حدیث کے متعلق ہم نے پوری بحث تامل میں کی ہے۔ دیکھو صفحہ

قسم سے یعنی ازراہ تقیہ تھا کہ آپ اُن میں سے ایسے نہ تھے۔ اور اُن کی زبان سے  
ڈرنے تھے۔

اگرچہ اس لائق قول کا فساد کسی عاقل سے پوشیدہ نہیں ہے لیکن ہم اس  
خیال سے کہ بے علم لوگ ان کے فریب میں نہ آجائیں۔ اس کا جواب یہ ماننا سب سے بہتر  
ہے۔ وہ فساد اس عقیدہ کی سی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَاقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا** ایمان والو خدا سے ڈرو۔ اور سچی اور  
درست بات کہو۔ پس اُن کا تقیہ اس کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ وہ جھوٹ اور  
خلاف مافی الضمیر کے اظہار کی اجازت دیتا ہے۔ حالانکہ خدا اپنے بندوں کو اس سے  
منع فرماتا ہے۔

روافض اس آیت **إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاتُوا** سے استدلال  
کر کے تقیہ کو درست کہتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو دوستی  
کفار سے منع فرمایا ہے۔ اور کلمہ ہے کہ مشرکین کی موالات سے باطن و ظاہر میں مجتنب  
رہو۔ لیکن حالت میں کہ ایسا کرنے سے تمہاری جان معرض خطر میں ہو۔ اور اظہار عداوت  
سے ہلاک جان متیقین ہو۔ تو ایسی حالتوں میں مجبوراً اُن سے مدارات و تمنع کی  
باتیں کرو۔ اور اگر یہ کلمہ کفر کہنے پر زبردستی واکراہ کریں۔ اور قتل کرنے یا دوسرا  
سخت عذاب پہنچانے پر آمادہ ہوں۔ تو اس صورت میں اگر کلمہ کفر صرف زبان سے  
نکل جائے۔ تو مضائقہ نہیں ہے۔ پھر اگر مضیغہ طویل والے خدا کے پیچھے بندے  
ہلاک جان اور تحسُّلِ ایذا پر بھی کلمہ حق اور اظہارِ ایمان سے خاموش نہ رہیں۔ تو یہ یا وہ  
پسندیدہ ہے۔ اس کے یہی معنی نہیں کہ بے ضرورت کلی ہر ایک جزئی مصاحبت کیلئے  
جھوٹ بکنا شروع کر دیں۔ اور فضول تقیہ اپنے لئے واجب کر لیں۔ اور وہ بھی اہل امت  
کے ساتھ۔

تقیہ کی صورت جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔ وہ رافضیوں کے تقیہ سے  
بالکل جُدا ہے یعنی وہ غیر مذلت والوں اور مشرکین سے بصورتِ خوف ہلاک جان واقع  
ہوتا ہے۔ اور یہ اپنے ہی مذہب والوں اور کلمہ گویوں کے ساتھ بے ضرورت کلی ایک  
جزئی مصاحبت کی بنا پر ہر موقع و محل پر خلاف مافی الضمیر کیا کرتے ہیں۔ اس قسم کا



تقیہ ہر مذہب بننا پسندیدہ ہے خصوصاً مذہب اسلام میں نہایت مذموم اور بدتر ہے  
آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے لوگوں کو جو دل کے خلاف باتیں کیا کرتے ہیں  
بدترین مردم فرمایا ہے ۰

## تقیہ کے باب میں ایک اعتراض کی تردید

اگر اعتراض کیا جائے کہ تم حضرت عائشہؓ سے دایت کرتے ہو کہ ایک  
آدمی آیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو آپؐ  
اس کی نسبت فرمایا بئس اخو العشیرۃؓ پھر جبہ شخص اندر آیا تو آنحضرت ۲  
اُس کے ساتھ کٹا وہ رُوئی اور نرم باتوں سے پیش آئے حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جبہ  
شخص چلا گیا۔ تو میں نے آپؐ سے پوچھا۔ یا رسول اللہ جبہ باہر دروازہ کے تھا۔ تو آپؐ  
اُس کی نسبت ایسا فرمایا تھا۔ مگر جب اندر آیا تو آپؐ نے نرمی ولینت و کٹا وہ رُوئی کا  
اظہار کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ شس الناس من یقیہ الناس اتقاء فاحشۃ یعنی  
بدترین لوگوں کا وہ ہے جس سے لوگ ڈریں بُرے طور پر ڈرنا ۰

جواب یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے جو اول فرمایا وہ اس لئے تھا کہ عائشہ صدیقہ کو  
معلوم ہو جائے کہ بد لوگوں سے سازگاری بھی ٹھیک نہیں۔ یہ قسم اٹھاؤ وغیرہم سے تھا۔  
آنحضرتؐ نے جس طرح اُس کی نسبت بئس العشیرۃؓ فرمایا تھا۔ اگر اُس کے اندر آنے  
پر اس کی نسبت نعم العشیرۃؓ فرماتے تو البتہ تمہارے لئے حجت ہوتا۔ لیکن بد آدمی  
کے ساتھ مدارات کا کرنا تمہارے واسطے کوئی حجت نہیں ہو سکتا۔ یہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ  
والسلام کا خلق کریم تھا۔ کہ بد لوگوں کے ساتھ بھی خلق و مدارات سے پیش آتے تھے  
ہاں ظاہر میں کسی شخص سے محبت کرنا اور باطن میں اُس سے دلی عداوت رکھنا۔ اور دل  
سے مخالف ہونا۔ اور زبان سے موافق ہونا اور اپنے اعتقاد کی حقیقت کو پوشیدہ  
رکھنا اور ہر ایک شخص سے کہنا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ باتیں طریق دینداری سے وہ  
ہیں۔ اور صفات منافق سے مشابہ ہیں۔ یہ تو عام مسلمانوں کے لئے بھی جائز نہیں بھلا  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسا ہونا کہاں مکان رکھتا ہے کہ آپؐ بدر کو  
نیک مرد کہیں اور جو قابل مذمت ہے۔ اُسی کی طرح سرائی فرمادیں اللہ تعالیٰ نے

سچے رسول علیہ السلام کو اس لئے بیعت کیا تھا کہ وہ کامل کو ناقص سے جدا  
جدا کریں۔ اور خیر کو شر سے الگ شناخت کرائیں۔ اگر یہ بات روا ہوتی تو کوئی شخص عادل  
و ناسق کے درمیان فرق نہیں کر سکتا۔ اور خیر و شر میں تمیز ناممکن ہو جاتی۔ اور ایسا  
اعتقاد رکھنا کب دہا ہے کہ آنحضرت کا باطن بخلاف ظاہر تھا۔ آپ کی یہ شان تھی کہ  
اگر کوئی بات دل کے خلاف ہوتی تو اٹھنا بھی روا نہیں رکھتے کہ آنحضرت سے اشارہ کرتے  
چنانچہ فتح مکہ کے روز جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عبداللہ ابن مسعود ابن ابی سرح  
کو لائے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ ہاتھ بڑھائیے کہ عبداللہ آپ سے بیعت کرے حضرت  
عثمان نے دوبار ایسا ہی کہا۔ لیکن آنحضرت نے ہاتھ اُس کی طرف نہیں بڑھایا جب  
تیسری بار عرض کیا تو آپ نے ہاتھ دیا اور بیعت لے لی۔

یہ عبداللہ ابن مسعود وہ شخص تھا کہ اسلام لا کر مرتد ہو گیا تھا۔ اور مکہ میں آکر  
اہل شرک سے مل گیا تھا۔ فتح مکہ کے روز آنحضرت نے فرما دیا تھا کہ اگر عبداللہ عن  
کعبہ کو بھی پکڑ کر شیعہ لائے تو اس کو نہ چھوڑو۔ اور مثل کر لالو۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ  
نے بالحلح اس کی بیعت کی سفارش کی تو آپ نے بعد بیعت لینے کے فرمایا۔ تم میں  
سے ایک شخص بھی صاحبِ فتنہ نہ تھا کہ جب میں اُس کی بیعت سے امتناع کر رہا تھا۔ تو  
اٹھ کر اس کی گردن مار دیتا۔ لوگوں نے عرض کیا اے حضور آپ نے آنحضرت سے اشارہ  
کیوں نہیں فرما دیا۔ آپ نے فرمایا مَا كَانَ لِشَيْءٍ أَنْ يَكُونَ لَهُ خَائِنَةٌ الْأَعْيُنُ  
نہیں ہے کسی نبی کے لئے یہ کہ وہ جائز رکھے۔ آنکھوں کی چوری کو رقیقہ کے ثبوت  
سے بڑی عرض اہل تشیع کی بہ زعم خود ابطالِ خلافتِ خلفائے ثلاثہ ہے۔ یعنی یہ کہ خلفائے  
ثلاثہ کی خلافت حق پر نہیں تھی۔ اور جناب علیؑ نے جو ان سے جھگڑا نہیں کیا۔ اور تیسرا  
جو ہمیں برسِ مان کے موافق ہے۔ تو یہ جناب امیر کا رقیقہ تھا۔ باطن میں وہ خلفاء ثلاثہ  
کی خلافت کے منکر تھے۔ بلکہ شیعہ کہتے ہیں کہ جناب رسولؐ خدا بھی خلفائے ثلاثہ سے  
ڈرتے اور رقیقہ کرتے تھے نعوذ باللہ من ہذا الھفوات اگرچہ شیعہوں کے  
ان خیالات و اہمیت کی تردید تمام بڑی بڑی کتابوں مثلاً از الماتہ الخلفاء اور صواعق  
محرقة اور تحفہ اشاعہ شریہ اور آیاتِ مینات میں کامل اور پورے طور پر ہو چکی ہے  
اور اب بھی ہم ہر طرح اُن کے خرافات کے رد کرنے کو موجود ہیں۔ لیکن یہاں صرف ہم اتنا



ہی کہتے ہیں کہ اگر حضرت امیر المومنین اس اللہ الغالب تقیہ کو جائز رکھتے تو آج تک اُن کی کسی بات اور کسی کلام و کتاب کا اعتبار نہ ہوتا۔ اور نہ کسی کو اُن کے ساتھ اختلاف ہوتا۔ پھر اس قدر حریفِ قتال کی بھی نوبت نہ آتی (جو امیر معاویہ اور اُن کے درمیان واقع ہوئی)۔ کیونکہ اس وقت وہ اپنی استحقاقِ خلافت کے لئے جنگ کے آمادہ ہو گئے، اور اگر یہی طریقہ عام مسلمانوں میں رائج ہوتا۔ تو عالمِ اسلام کی بڑی اعتباری عالم میں آشکارا ہو جاتی۔ اور احکامِ شرعی کا کوئی بھی حکم جو دوسروں سے مروجی ماننے کے قابل نہ ہوتا۔ انہیں وجوہات سے تقیہ محض باطل (اور موضوعاتِ شیعہ سے ہے)۔

## نویں فصل

### روح کے بیان میں

جاننا چاہئے کہ اہل تہذیب کی ایک جماعت قدیم روح پر اصرار کرتی ہے اور اس باب میں ان کا عقیدہ عقائدِ نصاریٰ سے فاسد تر ہے۔ کیونکہ نصاریٰ قدیم کی اصنافِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب کرتے ہیں۔ انہوں نے جب دیکھا کہ ان بعض افعال ایسے صادر ہوتے ہیں۔ جو امکانِ بشریت سے خارج ہے تو ان کی نسبت خدا کے بیٹے ہونے کی جانب کی۔ اور کہا کہ عیسیٰ خدا کی جانب سے ایک روح کی صورت میں نمودار ہوئے پس وہ روح خداوندی ٹھہرے تو خدا اُن کے حق میں باطل ہے یہ سمجھے کہ ہم روح کو کس بنا پر قدیم کہتے ہیں۔ جب ماریتِ حدوث اُس میں ظاہر ہیں۔ مثلاً روح کا اتصالِ بدن سے۔ اور اس کا تعدد بہ تعدادِ اجسام مختلفہ اور قبولِ حواد وغیرہ۔ جب یہ لوگ اپنے کو گروہِ مسلمین سے شمار کرتے ہیں۔ تو ہم بھی مناسبت سے کہیں کہ اُن کا جواب کتابِ سنت سے دیا جائے۔

روح حادث ہے

تائیدِ قدم کو اس سے شبہ ہوا ہے۔ وَیَسْتَفْتُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ قُلِ الزُّوْرُ  
مِنْ أَمْرِ سَرَاجٍ کہتے ہیں کہ خدا کا امر سوائے قدیم کے نہیں ہو سکتا۔ اور جب روح  
اُس کا امر ہے تو اُس کا قدیم ہونا ظاہر۔ جو اب یہ ہے کہ جو امر قدیم ہے وہ خدا کا قول  
ہے۔ اور اُس کا کلام اور علما کا اجماع ہے کہ روح انسانی خدا کا کلام نہیں۔ پس  
اُن کا قدیم ہونا باطل اظہار یہ ہے کہ اس آیت میں مراد روح سے قرآن کریم ہے۔  
اور وحی جو انبیاء پر نازل ہوتی ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا۔ وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا  
إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا اور فرمایا یٰلَیْقَی السُّرُورُ مِّنْ أَمْرِی عَلٰی مَنْ لِّیْشَآءُ  
مِّنْ عِبَادِیْ اور اس تاویل کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کے  
بعد قرآن کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْ أَوْحَيْنَا  
یعنی اگر ہم چاہیں تو جو ہم نے تمہاری طرف وحی کی ہے۔ اس کو لے جا دیں ۔

پھر اگر اس آیت میں مراد روح سے یہی روح لی جائے جس میں تنازع واقع ہے۔ تو مراد اس امر سے مامور ہوگا کہ خدا کے حکم سے جاری ہوا۔ چنانچہ اہل عرب ہاں کو کہتے ہیں امر اللہ یعنی خدا کے حکم سے پانی برستا ہے۔ اور حدیث میں آیا ہے جنگ حنین میں جب صحابہؓ پر ہزیمت پڑی تو ایو ننادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر کہا ما بال الناس لوگوں کا کیا حال ہے یعنی یہ کیوں بھاگے جاتے ہیں حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ امر اللہ یہ بھی خدا کا حکم ہے کہ اسی کے حکم سے ہزیمت واقع ہوئی ہے۔ اور معمول عربیہ کہ جب کوئی عجیب بات صنعت الہی کی ملاحظہ کرتے ہیں۔ تو کہتے ہیں امر اللہ یعنی یہ صفت خدا کا کام اور اُس کی بدائع فطرت سے ہے۔

تمہاری دانش اس کے پایاں کار کو نہیں پہنچ سکتی۔ اسی اسطر فرمایا۔ وَمَا أُذِيتُمْ  
مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ط یعنی اور نہیں دئے گئے تم علم سر مگر قضا۔ پس اس طرح اس آیت  
وَتِلْكَ السُّرُورُ مِّنْ أَمْرِ رَبِّكَ کے معنی لینے چاہئیں کہ روح مامور خدا ہے۔ تمہاری  
عقل و ذہانت اس کی حقیقت کو نہیں معلوم کر سکتی ایہ بات یہی ہے کہ یہاں نے مطلق  
روح کا لفظ فرمایا ہے۔ اور اس کی تعریف نہیں کی۔ تو کس طرح سمجھا جائے کہ روح  
یعنی جبرائیل علیہ السلام قدیم ہیں۔ اس اسطر کے خدا تعالیٰ نے جس طرح جبرائیل کو روح فرمایا  
نَزَّلَ بِهِ الرُّوحَ الْأَمِينِ اور فارسلنا الیہا روحاً۔ اسی طرح دوسرے



فرشتوں کی نسبت فرمایا ذوات ارواح اس طلاق میں سب فرشتے داخل ہیں۔ پھر اگر روح جسدی کو قدیم کہیں تو چاہئے کہ روح کا فراور روح مومن کے درمیان کوئی فرق نہ ہو۔ اور یہ بھی لازم آتا ہے کہ کافر کی روح معذب نہ ہو۔ اور نیز کافر کی روح کو غیبت کہنا جائز نہ ہو اور یہ کہنا بھی درست نہ ہو کہ فلاں شخص کی روح کو ملک الموت نے قبض کیا۔ کیونکہ قدیم مقبوض نہیں ہوتا۔

## روح کے حدیث پر شرعی دلائل

روح کے حدیث پر شرعی جتنوں سے ایک تو قول رسول ہے کہ آپ نے فرمایا اَلارواحُ جندٌ مجتدٌ یعنی روحیں جمع کئے گئے لشکر ہیں۔ اور جمع کی ہوئی چیز قدیم نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ مجموعہ مقبور ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ جمع و تفرق صفات محدثات سے ہے۔ اور پر دالی حدیث درست اور صحیح ہے۔ اور اہل حدیث اس کی صحت پر متفق ہیں ایک دوسری حدیث میں ہے خلق اللہ الارواح قبل الہا جساد بالفی عام یعنی اللہ تعالیٰ نے روحوں کو جسموں سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا ہے (تو اس سے یہی ظاہر ہے کہ روح قدیم نہیں۔ کیونکہ مخلوق محدث ہوتا ہے)۔

دوسرا شبہ ان کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح کو آدم کے جسد میں ڈالنے کے بعد ملائکہ کو سجدہ کا حکم دیا۔ اور سجدہ کو نفع روح سے مشروط فرمایا۔ فَإِذَا سَقَىٰ نَفْسُكَ وَنَفَحَتْ فِيهِ مِنْ رُوحِي اور روح کی اضافت اپنی جانب کی۔ اور جو محدثات ہوتا ہے وہ سجدہ کا مستحق نہیں ہوتا۔ (تو لازم آیا کہ روح قدیم ہو)۔

جواب یہ ہے کہ یہ سجدہ آدم کے لئے نہیں تھا۔ بلکہ خدا کے لئے تھا۔ اور آدم بمنزلہ کعبہ و بیت المقدس کے تھے۔ اور بعض علما فرماتے ہیں کہ وہ سجدہ تکرم تھا۔ نہ سجدہ عبادت لیکن پہلی وجہ تو یہ ہے۔ چنانچہ حدیث میں اراد ہے کہ فرزند ان آدم جب سجدہ کرتے ہیں تو ابلیس ایک جانب کھڑا ہو کر روتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ خدا نے فرزند آدم کو سجدہ کا حکم کیا تو وہ سجدہ کر کے جنتی ہو گیا۔ اور خدا نے مجھے سجدہ کا حکم کیا تو میں نے انکار کیا اور انکار کی وجہ سے دوزخی ہو گیا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ امر ابن آدم بالسجود فسیبک فله الجنة وامسّت بالسجود فابیدت فلی النار۔

اگر کوئی سائل سوال کرے کہ جب آدم مبتزلہ قبیلہ کے تھے۔ تو ابلیس کے لئے  
 وجہ نمازعت کیا تھی۔ جو ایسی ہے کہ ابلیس نے عرف اس لئے حسد کیا کہ خدا نے تشخص  
 کے لئے آدم کو کرامت عطا فرمائی وہ سجدہ حقیقت آدم کو نہ تھا۔ آدم کو اس میں یہ بزرگی  
 حاصل ہوئی کہ خدا نے اپنے سجدہ کے لئے انہیں قید نہ کیا۔ اور قبلہ کو محض اس لئے بہت  
 جہات پر فضیلت ہے کہ خدا نے اس کو اپنی عبادت کے لئے مخصوص فرمایا ہے۔ اور اگر  
 تمہارے قول کے موافق ہوتا تو ابلیس سجدہ آدم سے نفرت و انکار نہ کرتا۔ اور اپنی اصل  
 کے لحاظ سے آدم پر مناصرت کرنا ہوا یہ نہ کہتا۔ اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ  
 وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے  
 اور آدم کو مٹی سے۔ اور نیز خداوند تعالیٰ آدم کے حق میں نہ فرماتا وَعَصَىٰ اٰدَمَ رَبُّكَ  
 فَغَوٰی یعنی اور نافرمانی کی آدم نے اپنے رب کی پس آدم بے راہ ہو گیا۔

اس مسئلہ کے دلائل اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ اس مختصر میں اُن کا ہتھیار  
 ہو سکے۔ اور اہل ایمان کے نزدیک یہ مسئلہ اس قدر روشن اور مسلمہ ہے کہ ہمیں اس کے  
 بیان کو طول دینے کی ضرورت بھی نہیں۔ بلکہ یہ خود ایسی تخصیص بات ہے کہ جو ذکر و  
 بیان کی احتیاج نہیں رکھتی۔ اگر ہمیں یہ خطرہ نہ ہوتا کہ بے دین لوگ اس میں لایعنے  
 شبہات پیدا کر کے عوام مسلمانوں کے فریب میں لانے اور دھوکا دینے کے درپے  
 ہونگے۔ تو ہرگز اس بحث میں نہ پڑتے۔

روح کے مسئلہ میں چند فریق مذاہب کے درجہ کو پہنچ گئے ہیں۔ ان میں ایک  
 فرقہ جلیلیوں کا ہے جس کی بنا محض الحاد پر ہے۔ اور بصیر النظر اشخاص پر اس کا فساد  
 و بطلان ظاہر ہے۔ اس اسطرح کہ جو چیز جسم میں حلول کرتی ہے وہ بوجہ من الوجہ اس  
 کی تابع ہوتی ہے۔ یا اس کی متابعت کرتی ہے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ قدیم بوجہ  
 من الوجہ تابع محذات کا ہو۔ اور یہ بھی ہے کہ جو چیز جسم میں حلول کرتی ہے۔ وہ  
 محدود و منتہا ہوتی اور یہ صفات محذات سے ہے۔

حلولی اس عقیدہ کی نسبت اہل تصوف کی جانب کرتے ہیں۔ جو محض غلط ہے  
 صوفیاء اگر ام جن کو سعادت معرفت ہوتی ہے۔ اور جو نیا بیع حکمت اور خزانہ اسرار  
 کتابت سنت ہوتے ہیں۔ وہ ہرگز ہرگز ایسی بیہودہ باتوں کے قائل و معتقد نہیں۔ بیجا



فرقہ حلولیہ کا ایک پوشیدہ فریب اور عوام کے دامن زدیر میں لانے کا ایک طریق ہے کہ اپنے عقیدہ ناستودہ کو صوفیہ کرام سے منسوب کرتے ہیں۔ ولو فرضنا اگر کوئی صوفی ایسا کلمہ منہ سے نکالے جو شعر حلول ہو۔ اور وہ کسی دوسری زبان اور معنی کا احتمال رکھتا ہو۔ تو ایسے صوفی کو زمرہ اہل اسلام سے خارج سمجھنا چاہئے۔ اور گروہ صوفیہ صافیہ سے اس کو ہرگز شمار نہ کرنا چاہئے۔

## روح کے متعلق بعض متکلمین کی باتیں

ہاں بعض متکلمین اہل تصوف نے چند باتیں ایسی کی ہیں جو نصاریٰ کے لاہوت اور ناسوت والے مسائل سے مشابہت تامہ رکھتی ہیں۔ تو حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ کلام رستی کے خلاف ہے۔ اگر وہ کہتے ہیں۔ تو وہ بھی گروہ نصاریٰ سے ہیں نہ عجمت مسلمین سے اور یہ فرقہ اس امت میں زیادہ تر فرقہ شطاحیہ کی جانب سے شائع ہوا ہے۔ نیز ان داعضان بے سرو سامان سے جو احادیث متشابہات اور اقوال مشتمل کرام کو غلبہ احوال میں ان سے صادر ہوئے ہیں۔ پورے طور پر نہیں سمجھتے۔ اور ان کی تاویلات بحسب شرع شریف نہیں جانتے۔ پھر ایسی احادیث اور اقوال غامضہ سے اپنے خیال فاسد کے موافق استدلال کر کے خلاف شرع باتیں بتاتے۔ اور عوام اہل اسلام اور نیک نشین فرقائے ناقد ازس کو خوش کرتے ہیں۔ انہیں تو مسلمانوں کی مصلحت سے آگاہی ہوتی ہے۔ اور نہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس فرقہ کا سیلاب سلام کی عداوت میں کیا کچھ خرابی دیتا ہی رہا کرے گا۔ بلکہ بلا خوف فرمائے قیامت جہلا کی تشبیہ خاطر کے لئے بے سرو پاتیں اور بے بنیاد قصص اور حکایات دوزخ کار بیان کر دیتے ہیں۔

احادیث متشابہات میں سے ایک یہ ہے فاذا اجبتہ کنت سمع الذی یسمع و یبصر الذی یدبصر بہ و یدارہ الذی یدبش بہ و درجلہ الذی یمشی بھا معنی یہ ہیں کہ جب میں کسی بندہ کو دوست رکھتا ہوں تو میں اس کی شنوائی بینائی داد و ستد اور آمد و رفت میں اس کا معین و مددگار ہو جاتا ہوں۔ وہ میری توفیق کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا۔ میں اس کے ہر کام میں اس کے موافق ہو جاتا ہوں۔ اس کے سوائے اس حدیث کے دوسرے معنی آتا

مگر اسی وضاحت ہے۔ کیونکہ حلول و اتحاد خدا سے منفی ہے۔ اور بیانات و دلائل و براہین سے ثابت ہو چکی ہے۔ دوسری اس قسم کی احادیث کو بھی اسی طرح سمجھنا چاہئے۔

## اقوال بزرگان کی تاویل

بعض اقوال بھی ایسے ہیں۔ جو مظنہ غتہ و ضلالت ہیں۔ اور ان کی نسبت بزرگان دین کی جانب ناحق کر دی جاتی ہے۔ کہ ان کے اعتقادات کی توثیق ہو۔ درحقیقت اقوال مذکورہ ان کے نہیں ہوتے۔ یہ صرف ہوا پرستوں اور جہال فقیروں کا افتراء محض ہے۔ جیسا لیس فی الحجبۃ سواى اللہ یعنی میرے جیہ میں سوائے اللہ کے نہیں۔ اس قول کو حضرت یازید بطامی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔ درحقیقت نہ قول ان کا ہے اور نہ ان کے کمالات سے اس قسم کے قول کی توقع کی جاتی ہے۔ اور اگر ان کا قول ہو تو اس کی تاویل یوں کرنا چاہئے کہ میری تمام ذات خدا کی محبت پر ہے۔ اور میرے جیہ میں جو گوشت و پوست ہے۔ وہ سبھی اکی طرف سے ہے۔ پس یہی اکیلا خدا عبادت کے قابل ہے۔ اُس کے سوا کوئی بھی عبادت کی قابلیت نہیں رکھتا۔ پس میں اپنے تمام گوشت و پوست اور مویج و کالبد سے اسی ایک کی عبادت میں مشغول ہوں۔ اور اُسی ایک کو معبود یقین کرتا ہوں) ایسے معنی کرنے سے نقص قواعد شریعت نہیں ہوتا۔ اور یہی درست ہے۔ اور مثل اُس کے دوسرے نقل کردہ اقوال کی تاویل کی جائے۔ تو یقیناً ضلالت و گمراہی ہے۔ پس جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے۔ اور اس حال نظر آئیں۔ تو اہل اسلام کو چاہئے کہ ان کی باتوں سے اپنے کان بہرے کر لیں۔ اور خود کو حتی الامکان ان سے دُور رکھیں۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بعض ہوا پرست اس قسم کی گفتگو کرتے ہیں۔ اور ایسے واہبی شعر پڑھتے پھرتے ہیں۔ گویا خود کو اُسی حال میں دکھانا چاہتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں کو بالکل گمراہ (اور گمراہ کنندہ) سمجھنا چاہئے۔ لیکن اگر وہ اشعار بزرگوں سے منقول ہیں۔ تو ان کے معنی شرع شریف کے موافق نہ ہوں گے۔ اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہوا پرست صوفی خلاف شرع اشعار کو پڑھتے



اور اُن کو بزرگانِ دین کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ تو با تحقیق اُن کا قائل ہونا ضرور نہیں۔ بات یہ ہے کہ جب ہمارے پاس کتابِ سنت موجود ہے۔ تو ہمیں اُس کے حقائق و اہمیات اور مخرجات موضوعہ اہلِ بدعت و ہدو پر توجہ کرنا کیا ضرور ہے۔ خواہ وہ کہیں سے پہنچیں۔ اور کسی کے نام سے منسوب ہوں۔

## حقیقتِ رُوح

اب ہم پھر حقیقت کا اعادہ کرتے ہیں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رُوح ایک ایسی چیز ہے۔ جو اجسام مختلفہ میں منتشر ہے۔ جس طرح آفتاب کی شعاع ایک۔ ہی ہوتی ہے۔ اور تمام اطراف و اکنافِ عالم میں پھیلی۔ پھلتی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ متجزی و تبعیض ہے کہ چند چیزوں سے مرکب ہو۔ نہ صرف ایک چیز سے۔ اور جو ایک چیز سے ہے۔ اُس سے تقسامِ عدد ممکن نہیں۔ اور بعض اہلِ اسلام کا قول ہے کہ رُوح قسمت پذیر اور متجزی نہیں ہے۔ مگر علمائے سلف اس کے خلاف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر جو ہر رُوح حقیقی کے غیر متجزی ہونے کو جائز رکھیں تو اُس سے جنابِ باری کر ساتھ مشارکت پائی جانے کا احتمال ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ پاک ذاتِ غیرِ حال اور غیر متجزی ہے۔ پس اعتقاد رکھنا چاہئے کہ ہر ایک شے محدث کے لئے متجزی و عزو ہے اور بعض اہلِ اسلام رُوح کے مسئلہ میں حیران ہیں۔ اور اُس کی ماہیت کے بیان کرنے میں توقف کرتے ہیں۔ لیکن اہلِ حق یہ تمام اس امر پر متفق ہیں کہ رُوح محدث ہے۔ اُس میں قدیم ہونے کی کوئی بات نہیں۔ اور اس لئے بھی کہ ذات و صفات باری تعالیٰ کے ساتھ تمام چیزیں محدث ہیں۔ تاہم ماہیتِ رُوح میں توقف پسندیدہ ہے۔ اور اُس کی بحث میں بڑا نامناسب، اس لئے کہ بندہ ماہیتِ رُوح کی دریافت کیلئے محکف نہیں ہے۔ اور جب اس باب میں شارعِ علیہ السلام سے نصِ علی وارد نہیں ہوئی۔ تو اُس کے استنباط میں لائل و اجتہاد سے کام لینے کی کیا ضرورت ہے۔ ماہیتِ رُوح کے باب میں ہم نے جو کچھ کہا ہے۔ اُس میں سے کسی پر بھی قطع نہ کرنا چاہئے۔ اگر بعض اقوالِ موافق ملتِ اسلام کیوں نہ ہوں۔ لیکن مختار یہ ہے کہ رُوح ایک جوہرِ جسمانی نورانی ہے۔ جو قالبِ انسانی میں ڈالی جاتی ہے۔ (وہ نظر نہیں آتی ہاں) خدا کو

جب منظر رہو گا۔ اس کو دکھا بھی دے گا ۔

ہم نے دو حدیثوں میں یہی معنی پائے ہیں۔ ایک حدیث حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ آدمی مرتے وقت نظر کو تیز اور بلند کرتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا یہ اس لئے ہے کہ اُس کی بصر اُس کی جان کا تعاقب کرتی ہے حدیث کو الفاظ یہ ہیں۔ العترة والا انسان اذا مات شخص بصره قتالو بلی یا رسول اللہ قال فذا الیک حیث یتبع بصره نفسہ رواہ مسلم حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ آنحضرتؐ ابو سلمہؓ کے پاس آئے۔ اس حال میں کہ اُس کی آنکھیں فراخ ہو گئیں۔ اور حالت بدل گئی تھی۔ فرمایا جب فوج قبض کی جاتی ہے تو آنکھیں فوج کے پیچھے جاتی ہیں دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی ابی سلمہ وقد شق بصره فقال ان الروح اذا قبض تبع بصره۔ اس حدیث کے متعلق مجھے ایک شخص سے مناظرہ کا اتفاق پڑا۔ وہ کہتا تھا کہ اُس کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ (شق بصرہ کے معنی ہیں) کیونکہ جب جان جاتی رہی۔ تو اُس کے پیچھے بنیائی جاتی ہے۔ پس آنکھوں کے کھلا رہنے میں فائدہ کیلئے۔ اور مسلم کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں بھی وہی معنی ہیں۔ یعنی آنکھوں کا فراخ ہونا۔ کیونکہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ بات بطور تنبیہ کے فرمائی تھی۔ اگر آپ کی یہ مراد ہوتی کہ جان کے پیچھے بنیائی بھی جاتی ہے۔ تو تنبیہ کی کیا حاجت تھی۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ فصوص عقل۔ اور حاضرین بارگاہ رسالت جو اہل بصیرت اور صاحبان فہم و درایت ہیں ۔

## فنا کا حکم رُوح پر جاری ہے

رُوح کے باب میں یہ یقین رکھنا بھی واجب ہے کہ وہ کالید سے جدا ہو کر اوراکات سے محروم نہیں ہوتی۔ بلکہ اُس کے اوراکات قائم و یاقی ہوتے ہیں۔ اور وہ کلام حق کو سننتی اور مخاطبات ملکی کو مفہوم کرتی ہے۔ پتا نہی یہ بات بدلائل قرآن و حدیث ثابت ہے۔ اُن میں سے ایک حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی

رُوح کے اوراکات بعد از گشت قائم رہتے ہیں۔



ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے مجھ کو بتلایا۔ ان اللہ کلہم ایتا ک  
کفاحًا۔ اور حدیث اصحابِ معونہ کی کہ قرآن شریف اُن کے حق میں نازل ہوا۔  
بلغوا قلوبنا انما القینا ربنا رضی عنا وادعنا ہمارے قوم کو یہ پیغام پہنچا  
دو کہ ہم اپنے پروردگار سے ملے۔ اس حال میں کہ وہ ہم سے راضی ہوا۔ اور اُس نے  
ہم کو راضی کیا۔ سوا اس کے اور بھی احادیث ہیں کہ اُن کا ایراد اس مختصر میں متعذر  
رہے۔

## تناسخ کی بحث

اور اعتقاد رکھنا چاہئے کہ فنا اور موت رُوح پر جائز ہے۔ اور یہ کہ حشر  
اجساد کے وقت ہر ایک رُوح اپنے اس کالبد میں اعادہ کرے گی۔ جو اس کو دنیا  
میں حاصل تھا۔ یہ مسئلہ اہل تناسخ کے خلاف ہے۔ اُن کے نزدیک بحث کے یہ معنی  
ہیں کہ مکلفین کی رُوحیں اجسام مختلفہ میں انتقال کرتی ہیں۔ نیک لوگوں کی رُوحیں  
اچھے کالبدوں میں۔ اور بد لوگوں کی رُوحیں بُرے کالبدوں میں۔ اور اُن کا اعتقاد  
ہے کہ ثواب پانے والی رُوح تندرست تو انگر اور آرام و عیش و آرام والے جسم میں  
منتقل ہوتی ہیں۔ اور عذاب اٹھانے والی رُوح مستندہ در ماندہ اور بغل و جاجتمہ بدن  
میں رحتی کہ بعض کی رُوحیں۔ گتے۔ بلی۔ سور۔ گدھے وغیرہ کے قالب میں انتقال  
کرتی ہیں، اور تناسخوں کا دعویٰ ہے کہ وہ مسئلہ تناسخ کا ثبوت قرآن میں پاتے  
ہیں۔ چنانچہ اپنی بے دلیل میں یہ آیات پیش کرتے ہیں۔ فِیْ آتِیْ صُورٍ مَّا شَاءَ  
رَّکَّبَتْ یعنی خدا نے جس صورت میں چاہا۔ تجھے ترکیب دیدیا۔ وَنُنْشِکُکُمْ فِیْ  
مَآکَلٍ مَّعْلُومٍ اور ہم تم کو پیدا کرتے ہیں اُس چیز میں جس کو تم نہیں جانتے  
وَمَا مِنْ دَآئِبَةٍ فِیْ الْعَذَابِ وَلَا تَظُنُّوْا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنَّ  
اَمْنًا لَّکُمْ یعنی اور زمین پر کوئی جاندار نہیں۔ اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے بازوؤں  
سے اُڑتا ہے۔ مگر مخلوق اور گروہ ہیں مثل تمہارے۔

اور نیز اس حدیث سے استدلال ہیں اِنَّ اَدْوَا سَ الشُّہَدَاءِ فِی  
اَجْوَا فِ الطَّیْرِ اَلَا خَضِرٍ یعنی بیشک شہیدوں کی رُوحیں سرسبز پرندوں کے

پولوں میں ہیں۔ اور اس کے سوا اور بھی استدلال ہے۔ جن سب کا فساد و بطلان اہل  
نظر سے پوشیدہ نہیں۔ پہلی آیت کے معنی ہیں کہ خدا نے سیاہ و سفید و راز و کوتاہ کا اٹھ  
ناقص وغیرہ جس صورت میں چاہا بندہ کو ترکیب دے دیا۔ اس سے تسامح کہاں ثابت  
ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فی آیت صُورَاتِ کے معنی ہیں کہ گدھا، تباہیل وغیرہ  
جس صورت میں چاہا۔ خدا نے روح کو داخل کر دیا۔ یہ ایسے معنی ہیں۔ جو اس آیت کے  
بالکل تعلق نہیں رکھتے۔ کیونکہ بعثت بعد الموت کے تمام معتقدوں کا اس امر پر  
اتفاق ہے کہ انسان جس کا لبد میں مرا ہے۔ اُسی کا لبد میں اٹھایا جائے گا۔  
ایک بات یہ ہے کہ بعثت سے مراد تسامح ہوتا۔ تو اُس کا ایک معین اور خاص وقت  
مقرر ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بحش کے لئے ایک خاص وقت اور ایک خاص  
دن مقرر ہے۔ چنانچہ یہ آیت اس امر کی دال ہے۔ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا هُمْ  
بِلَوْنٍ آخَرٍ رَئِبٍ فِيهِ۔ یعنی کیا حال ہوگا۔ جب ہم اُن سب کو قیامت کے لئے  
بلائیں گے۔ دوسری جگہ فرمایا دَوْ قَدْ يَثُ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ  
لَا يُظْلَمُونَ۔ یعنی ہر شخص کو اُس کے اعمال کی جزا پوری دی جائے گی۔  
اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے۔

## اہل تسامح کی تردید

تسامحوں کی دوسری اور تیسری نقل کردہ آیت کے معنی ہیں کہ پرندہ و  
جندہ کوئی حیوان ہو۔ وہ حیوانیت میں تمہاری مانند ہیں۔ اور تمہاری طرح رزق  
کے محتاج۔ اس کے معنی نہیں کہ وہ تمہاری طرح کے آدمی ہیں۔ یہی حدیث  
مذکورہ تو اُس کا یہ مطلب ہے کہ شہد اکی رُوحیں مرغان سبز سے متعلق ہیں۔ جس طرح  
فرشتوں کا تعلق انسانی صورتوں سے ہے۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام بصورت  
آدمی متصور ہوتے ہیں۔ اسی طرح شہد اکی ارواح بامرحق مصور بصورت مرغان سبز  
ہیں۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ عام رُوحوں کو لذات جسمانی کی تمناء کی ضرورت  
نہیں ہوتی۔ لیکن چونکہ شہید کو اللہ ایک کرامت خاص عطا فرمائی ہے۔ اس سبب سے  
اُن کو حصول لذت کے لئے مرغان سبز کے اجواف کی ضرورت ہوتی۔ کہ وہ آستانہ



ذریعہ لذاتِ جنت سے متمتع ہوں۔ اور نیز اس باعث مرغانِ سبز کی عزت ہوئی کہ وہ آستانہ ارجح شہدا ہوں۔

معلوم رہے کہ یہ تمام باتیں جو ارجح شہدا کے باب میں بیان ہوئیں۔ بہشت کے متعلق ہیں۔ اور اہلِ تناسخ کا دعویٰ دنیا میں تبدیلِ قالب کے متعلق ہے۔ پس اُن کا استدلال اس حدیث سے ٹھیک نہیں۔ یہ اور جو سمجھ ہم فصلِ بعثت میں بیان کر آئے ہیں۔ سب کی سب تردید و ابطالِ تناسخ کے دلائل ہیں۔ اس کے بعد ہم اُن کو ایک اور جواب دیتے ہیں۔ وہ یہ کہ

اگر قبل اس کے ہمارا دنیا میں ہونا کوئی اہلِ رکھتا جس طرح مذہبِ تناسخ قائل ہے تو ہمیں اس بات سے ضرورِ واقفیت ہوتی کہ پہلے جہنم میں ہم فلاں جگہ رہنے اور فلاں کام کرتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ جیسا کہ ہم اپنی اس عمر کے گزشتہ حالات سے آگاہ ہیں۔ اور سب کو معلوم ہے کہ اگر کوئی شخص ساہائے دراز تک اپنا ملک چھوڑ کر کسی دوسرے ملک میں جا بیٹے تو پہلے ملک کے اکثر واقعات اُس کو یاد رہتے ہیں۔ پس اگر بقولِ تمہارے ہم اس کے پہلے بھی چند مرتبہ دنیا میں رہ چکے ہیں تو کیا سب سے کہہیں اُس جہنم کے حالات سے مطلق آگاہی نہیں۔ اس سے ثابت ہوگا کہ تمہارا قول محض غلط ہے۔ ہم اس سے پہلے کبھی اس دنیا میں نہیں آئے۔ اور سوائے ایک جہنم کے کبھی کسی انسان کے متعدد جہنم نہیں ہوتے۔ ایک روح کے لئے ایک ہی کالیدِ مخصوص ہے۔ وہ اپنے اس کالید سے نکل کر کبھی کسی کالید میں نہیں جاتی۔ بلکہ خدا نے رُوحوں کے مقامات اور قرار گاہیں مقرر کی ہیں۔ وہ تاقیامِ قیامت اپنی مقررہ جگہ میں رہیں گی۔ بات یہ ہے کہ اہلِ تناسخ کا اعتقاد بالکل خلافِ شرع اور مخالفِ عقل و عقل ہے۔ فلاسفہ بھی تناسخ کو محال سمجھتے ہیں۔ اور علمائے شریعت تو اس کے سخت مخالف ہیں۔

# دسویں فصل

چند ایسے مسائل کے بیان میں جن میں اہم  
اہل حق کو اختلاف ہے

پہلا مسئلہ ایمان سے کیا مراد ہے

علمائے اس بارہ میں اختلاف کیا ہے کہ ایمان مراد اعتقاد اور قول ہے یا اعتقاد قول اور اعمال تینوں سے جانتا چاہئے کہ حضرت امام ابو حنیفہ اور اکثر متکلمین اور بعض اصحاب شافعی کے نزدیک ایمان مراد اعتقاد و قول سے ہے جس کو تصدیق کہتے ہیں۔ اور نزدیک امام شافعی و جمہور اہل حدیث کے مراد ایمان سے اعتقاد و قول اور عمل تینوں میں معتزلہ کا بھی یہی قول ہے۔ پہلے گروہ کی دلیل ہے کہ ایمان لغت میں بمعنی تصدیق کے ہیں پس جب تک کوئی دلیل قاطع نہ ہو۔ اس میں کسی دوسرے کو غم کرنا ٹھیک نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ذی کئی مقام پر اعمال صالحہ کو ایمان پر عطف کیا ہے۔ چنانچہ ان الذین امنوا و عملوا الصالحات اور معطوف غیر معطوف علیہ کا ہوتا ہے۔ اور یہ آیت بھی اسی قبیل سے ہے لکن تکن امنن من قبل او کسبت فی ایمانہا خلیفۃ یعنی وہ نہ تو اس کے پہلے ایمان لایا۔ اور نہ اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک کام کیا۔

اس حدیث رقد القیس کی ہے جو بخاری نے بن عباس سے روایت کی ہے۔ اَبَدَ زُؤنَ مَا اَكَلِ يَمَانٍ بِاللّٰهِ وَخَدَّاهُ قَالُوا اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ اَخْلَعُ قَالَ شَهِادَةٌ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ وَ اَقَامَ الصَّلَاةَ وَ اَتَى بِالْحَقِوَّةِ وَ صِيَامَهُ رَمَضَانَ وَ اَنْ تَعْمَلُوْا مِنَ الْمَعْتَنَةِ اَلْحَمْدُ صَفْح ۳۱ مظاہر حق (ایمان کے متعلق ایک تفصیلی بحث تمہد ص ۷۷ دیکھو)



تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کی صفت اس طریق پر بیان کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا محل دل ہے چنانچہ کَتَبَ فِی قُلُوبِهِمُ الْاٰیْمَانَ اُوْرَدَ کَمَا یَدُ خُلِ الْاٰیْمَانُ فِی قُلُوبِهِمْ اور یہ دونوں آیات اس امر کی وال ہیں کہ ایمان اعمال دل سے ہے چنانچہ فرمایا۔ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْاٰیْمَانِ اُوْرَدَ لَوْ یُوْمِنُ مِنْ قُلُوبِهِمْ ❖

چوتھی دلیل یہ ہے کہ اگر عمل جزو ایمان ہوتا۔ تو چاہئے تھا کہ باوجود قدرت کے تارک اعمال مومن نہ ہوتا جس طرح تارک قول بمقتضائے قول مومن نہیں کہلایا جاتا ❖

پانچویں دلیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص سے تصدیق پائی گئی اور باوجود تصدیق کے وہ مرتکب کیا کرہ ہوا۔ تو بالاتفاق ہر دو فریق ایسا شخص مومن ہے۔ اَلَا عِنْدَ الْمُعْتَصِلِ لَئِنْ پھر اگر عمل داخل ایمان ہوتا تو ضرور تھا کہ اس کی نفیض کی موجودگی میں وہ مومن نہ ہوتا۔ جیسا کہ نفیض تصدیق کی موجودگی میں ثبوت ایمان نہیں ہوتا ❖ دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے وَمَا اَمْرٌ وَّ

اَلَا یُعْصِدُ وَاللّٰهُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنِ حُنَفَآءَ وَیَقِیْمُو الصَّلٰوۃَ دِیْنُ تَوَالِیْ کُوۡۃً وَذٰلِکَ الدِّیْنُ الْفَقِیْہَہُ اور نہیں حکم کئے گئے۔ مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ کی اس کے واسطے دین کو خالص کر کے مثل ابراہیم کے اولیائے کریں نماز کو اور یہی دین درست اور محکم ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب اللہ نے تمام مجموعہ آیت کو دین منہ بایا تو اعمال بھی دین میں داخل ہوئے۔ اس لئے کہ دین اسلام، چنانچہ فرمایا اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ یعنی بے شک دین نزدیک اللہ کے اسلام ہے۔ اور اسلام و ایمان واحد ہے۔ اس لئے کہ اگر اسلام و ایمان میں مغایرت ہوتی تو اسلام مقبول نہ ہوتا اور خدا فرماتا ہے۔ وَہُوَ الَّذِیْ یُعِیْذُکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَہُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ یعنی جو شخص اسلام کے سوا دوسرا دین اختیار کرے تو اُس سے قبول نہ کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں خوار و ذلیل ہونے والوں سے ہے۔ پس جب ایمان اسلام ہے۔ اور اسلام دین ہے تو اعمال بھی دین میں داخل ہوئے پس اعمال جزو ایمان ٹھیکے

اعمال بھی جزو ایمان ہیں یا نہیں۔

اُن کی دوسری دلیل حدیث وفد عبد القیس ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم جانتے ہو۔ ایمان کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا۔ اللہ ورسولہ اعلم یعنی خدا اور اُس کا رسول خوب جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا ایمان کتے ہیں۔ خدا کی وحدانیت اور پیغمبر کی رسالت کی شہادت مینے کو۔ اور اس کو کہ نماز زکوٰۃ اور صوم رمضان کو پابندی کے ساتھ ادا کیا جائے۔ اور غنیمتوں میں سے پانچواں حصہ خدا کے نام پر نکالا جائے۔ یہ حدیث دلیل ہے اس امر کی کہ اعمال داخل ایمان ہیں۔

## مخالفتین کے ایرادات کی جانچ

غرض دو توں فریق اپنے اپنے دلائل قرآن و حدیث سے پیش کرتے ہیں اور باہم ایک دوسرے پر شبہات وارد کرتے ہیں۔ اگر ہم اُن سب کا بیان کریں تو کئی عجلتیار ہوں۔ ہماری عرض اس مختصر میں اس بیان سے یہ ہے کہ حقیقت فریقین ظاہر ہو جائے۔ اور یہ روشن ہو جائے کہ اُن کے عالموں نے اپنے اقوال کی تائید میں جو کچھ لکھا ہے۔ طریق استنباط و استدلال سے لکھا۔ دلیل و حجت ہو مولیٰ دیا۔ بیشک اس قسم نہیں ہے کہ اُس سے ظاہر نصوص کی یا اجماع کی مخالفت لازم آئے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ ہر ایک گروہ نے ایک آئین کو اپنا متمسک بنا لیا ہے۔ اور دوسرے گروہ سے اسی بنا پر معارضہ کیا ہے۔ ان میں سے کسی کا قول ایسا نہیں جس سے کسی فرض کے چھوٹنے کا اندیشہ ہو۔ پس یہ یہ ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق کی تفصیل نہ کرے۔ اور ہر ایک اپنے متمسک کے موافق اقتداء کرتا جائے۔

## مصنف کا اعتقاد

اٹھارہ حق کی جہت سے مجھ پر بھی واجب ہوا کہ میں اس مسئلہ میں اپنے معتقد کو بیان کر دوں۔ مبادا کوئی کوتاہ نظر یہ گمان کرے کہ اس مسئلہ میں میرا ساکنت نہ ہو۔ طرقت سے حاشا کہ میں حب چاہ کے سبب اپنے اعتقاد کا کتمان کروں۔ اور حق بات کے پیچھے اغماض کروں۔ اس کتاب کی انتہائی تفصیل میں اعتقاد اہل سنت و اجماع است



کے باب میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ وہی اس نفیر کا اعتقاد ہے۔ اور اب کے کہ اس فصل میں اہل حق دونوں فریق کا اختلاف بیان کیا گیا ہے۔ چاہئے کہ یہاں بھی اپنا اپنا مسلک ظاہر کر دوں۔

میں نے جب ہر دو فریق پر نظر غائر کی۔ اور ہر ایک کی پیش کردہ آیات و احادیث میں تامل کیا۔ تو میں نے اس قول کی متابعت کو صواب جانا کہ ایمان قول اعتقاد کا نام ہے۔ یعنی دل کی تصدیق اور زبان کے استرار کو ایمان کہتے ہیں۔ اور اعمال جزو ایمان نہیں ہیں۔ اس واسطے کہ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کی مرویہ حدیث جو حدیث جبریل کے نام سے مشہور ہے۔ وہ اس کی مؤید ہے۔ حضرت جبریل امین نے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا مالا یمان یعنی ایمان کیا چیز ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا ان تو من بآذنه و ملاہ عتقہ و کتبہ و تم سلیم و الیومہ الآخر یعنی یہ کہ ایمان لافے تو اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور روز آخرت پر یہ حدیث اس باب میں نہایت قوی متمسک ہے۔ اس میں سائل و مصداق امین و وحی تنزیل ہیں۔ اور عجیب رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ و صحابہ جمعین اور اس حدیث کے راوی امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو از روئے علم و فہم و ضبط و احتیاط کے سب میں اعلیٰ مرتبہ رکھتے ہیں۔

## جمع و تطبیق

یہاں ایک بات ضروری ہے یعنی اس حدیث اور دوسری احادیث میں جو بنیاد ہر اُس کے خلاف ہیں۔ جمع و تطبیق اور وہ اس طرح ہے کہ میں کہتا ہوں ایمان کی اصل ہے۔ اور فروع اور ثمرات اور توابع و لواحق پس ہر ایک حدیث اپنے محل پر دلالت کرتی ہے۔ تو جانا چاہئے کہ جس حدیث میں اعمال و فعل بیان ہیں۔ اُس میں توابع اور لواحق ایمان کو جمع کیا گیا ہے۔ اور اس سے تاکید بلیغ منظور ہے تاکہ مسلمان کو معلوم ہو جائے کہ اگر وہ عمل کو ترک کر دیگا۔ تو حق ایمان بوجہ کامل اُس کے ذمہ سے ادا نہ ہو گا۔ اور آنحضرت علیہ السلام نے جو وفد سے فرمایا وہ بھی اسی قسم تھا

اور تواضع و لواحق ایمان کو اُس میں اُخل کر دیا کیونکہ یہ لوگ ایسے تھے جو ابھی اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ اور ان کو وقت نظر حاصل نہ تھی۔ اور درمیان اصول و فروع کے تفریح نہیں جانتے تھے۔ اور ان کی فہم ایمان کی حقیقت سے سمجھنے سے کوتاہ تھی۔ پس حضور نے سب کو ایک ہی سلک میں منساک کر دیا۔ یعنی ایمان کے تواضع کو بھی بیان کر دیا۔ اس تاویل کی صحت میں خود نبی کریم کا قول موجود ہے کہ آپ نے فرمایا۔ الحیاء شعبۂ من اکلیعنا یعنی حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حیا مسنی ایمان میں داخل نہیں کیونکہ حیا ایک امر جمعی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اس پر محمول کیا ہے۔ لیکن چونکہ بدی کے بچانے میں وہ بھی ایمان کی مشابہت رکھتی تھی۔ لہذا آپ نے اُس کو بھی ایمان کی ایک شاخ فرمایا۔

## دوسرا مسئلہ

### ایمان کے کم و بیش ہونے کی بحث

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ابو حنیفہ اور اُن کے اصحاب کے نزدیک ایمان کم و زیادہ نہیں ہوتا۔ لیکن امام شافعی اُن کے اصحاب اور اکثر اہل نظر اس کے خلاف ہیں۔ و دلول کی دلائل ظواہر مخصوص سے بہت ہیں۔ امام عظیم کا قول ہے کہ چونکہ عمل داخل ایمان نہیں ہے۔ پس مجرد تصدیق اقرار میں زیادتی و نقصان نہیں پایا جاسکتا۔ اگر آیات و احادیث اس قسم کی پائی جائیں جن سے ایمان میں زیادت و نقصان مفہوم ہو تو اُس کی تاویل مذکورہ طریقہ پر کرنا چاہئے۔ اور کہتے ہیں کہ زیادت و نقصان تواضع و لواحق میں ہو سکتا ہے۔ یا تکرار استمرار میں یا زیادتی یقین میں۔ اکثر اہل ملت اس مسئلہ میں ابو حنیفہ پر تشبیہ کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ گویا ہمارا ایمان مثل ایمان انبیاء و ملائکہ کے ہے جس میں زیادت و نقصان مقصور نہیں۔

اس مسئلہ کے متعلق میری فہم ناقص میں یہ آتا ہے کہ ابو حنیفہ کی نظر اس جانب ہے کہ جب تصدیق میں امکان زیادت تسلیم کر لیں تو نقصان کا ماننا بھی ضرور ہوگا۔ اور جب نقصان پایا گیا۔ تو ایمان ناقص ہوا۔ اور ایمان ناقص مقبول نہیں ہے



اس لئے نامِ اہلسنم کا قول ہے کہ جب کسی بندہ میں تصدیق و اقرار پایا جائے تو وہ مومن ہے۔ اور اُس کے ایمان میں نہ تو بیشی کی گنجائش ہے۔ اور نہ نقصان کی یہی قول مستقیم ہے۔ اور جو اس کے سوا ہے۔ وہ مراتب یقین اور درجات معرفت سے ہے (جس میں کم و بیش ممکن ہے یعنی معرفت اور یقین بعض میں زیادہ ہوتا ہے اور بعض میں) پھر ہم مثل ملائکہ و انبیاء کے کینہ نہ ہو سکتے ہیں۔ (کہ اُن کی معرفت و یقین بڑھا ہوا ہے) اس مسئلہ میں بطریقِ نظر نہ ازراہِ تقلید میرا یہی اعتقاد ہے۔ (اور میرا بھی یہی اعتقاد ہے) اور یہی مسلکِ اصولی اور مستقیم ہے (جو کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے)۔

## تیسرا مسئلہ استثناء

تیسرا مسئلہ استثناء کا ہے۔ یعنی اگر کوئی سوال کرے کہ تو مومن ہے؟ تو جواب میں استثناء اور کہے اَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا یعنی میں حقیقت میں مومن ہوں۔ یہی سبب امام ابوحنیفہ اور اُن کے اصحاب کا ہے۔ لیکن بعض سلف صالحین کہتے ہیں کہ اپنے ایمان میں قطع کرنا درست نہیں۔ بلکہ جواب میں کہنا چاہئے اَمَزْتُ بِاللهِ وَ مَلَائِكَتِهِ وَ كُتُبِهِ وَ رُسُلِهِ الخ اسی کے مثل حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اور یہی مذہب ہے جمہور اصحابِ حدیث کا اور حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ سے مذہب مشہور ہے کہ اپنے ایمان میں استثناء کرے۔ اور جواب میں کہے اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالٰی یعنی اگر خدا چاہے تو میں مومن ہوں۔ عبداللہ حللی بیان کرتے ہیں کہ ایمان میں استثناء داخل کرنا یہ متاخرین کا مختار طریقہ ہے (معلوم نہیں متاخرین سے اُن کی کیا مراد ہے کیونکہ ایمان میں قول استثناء اتباع سے منقول ہے) اور امام شافعیؒ سے مشہور حتیٰ کہ اُن کے اصحاب نے اس مسئلہ میں اعتدال سے بچاؤ کیا ہے۔ لیکن اگر دونوں فریق طریق انصاف کی نگہداشت کریں تو نہ حنفی و قول استثناء کو مذہبِ مہم خیال کریں۔ اور نہ شافعی ایمان میں قطع کرنے کو برا سمجھیں۔ اس لئے کہ اگر لفظِ دونوں فریق ایک دوسرے سے دور ہیں۔ لیکن مٹا کر قریب تر ہیں وہ یہ کہ جو لوگ ایمان میں قطع کرنے کو جائز کہتے ہیں اُن کی





بھی حال کا اعتبار ہو گا یعنی جس شخص میں بوقت سوال ایمان موجود ہو بہ نظر حال بلکہ ایمان میں قطع کرنا چاہئے۔ پھر بھی جو شخص غامت عاقبت سے ترسان ہو۔ وہ یہ کہہ دے کہ میں مومن ہوتا ہوں۔ اور خراسے درخواست کرتا ہوں کہ میرا خاتمہ نعمت ایمان پر کرے تو زیادہ اچھا ہو۔ اس میں داب داب کی بھی نکتہ اشتہ ہے۔ اور اعتراض معترض سے بھی نجات داندہ اعلم بالصواب ۛ

## چوتھا مسئلہ فقہی فی فضل میں یا بنی آدم

چوتھا مسئلہ یہ کہ علمائے اسلام کا اس میں اختلاف ہے کہ مطہران بنی آدم ملائکہ فضل میں بعض علماء فرماتے ہیں کہ فرستادگان خدا یعنی انبیاء علیہم السلام دُسل الملائکہ سے افضل ہیں۔ اور اولیائے بشر یعنی عامر مومنین افضل ہیں۔ اکثر اہل سنت و الجماعت کا مذہب میدان اسی قول کی جانب ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ملائکہ فضل میں بنی آدم سے۔ اور یہ قول اگرچہ معتزلہ اور بعض اُن اصبہ کا ہے جو اکثر مسائل میں فلاسفہ کی جانب جھکے ہوئے ہیں۔ لیکن بعض اہل ایمان بھی اُن سے اتفاق رکھتے ہیں۔ باوجودیکہ اُن کا مشرب کدورات بدعت سے بالکل مصفیٰ ہے۔ اس سبب سے ہم نے اس مسئلہ کو مطلقاً اہل بدعت کے اناہیل میں یاد نہیں کیا ہم اس مقام پر ہر ایک فریق کی حجت کو بطریق اختصار بیان کئے دیتے ہیں تاکہ امر حق صاف اور منقح ہو جائے۔ اور متابعت سلف صالحین کی حاصل ہو ۛ

پہلا گروہ ان آیات سے احتجاج کرتا ہے۔ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ أَوْرِذْنَا لِلْأَسْمَاءِ بِكَلِمَاتٍ مِّنَ السَّمْعِ وَالْإِذْنِ فَسَبَّحُوا لِلَّهِ الْبَاقِیَ وَجہ احتجاج یہ ہے کہ آدمؑ ایسے علم سے مہم ہوا کہ ملائکہ میں سے کوئی بھی اُس کا مستحق اور مستعد نہ تھا۔ اور یہ بات آدم کے لئے موجب تفضیل ہے۔ دوسرے یہ کہ خدا نے فرمایا آدم کو سجدہ کرو خواہ سجدہ خدمت ہو یا سجدہ تہنیت یا سجدہ حق تعالیٰ کے لئے ہو۔ اور آدمؑ اُس میں بمنزل قبلہ کے ہو بہر حال اُس سے آدمؑ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے ۛ

## منکر بن فضیل بنی آدم کے دلائل اور ان کی ابطال

دوسرا فریق جو اباً کہتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام بالاتفاق چنانچہ ایسے علوم سے مخصوص تھے۔ جن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام ناواقف تھے۔ پھر بھی بیات خضر کے لئے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت کا سبب نہ ہوئی۔ تو آدم کا علم الاسماء سے واقف ہونا۔ اور ان کا مسجد ملائکہ ہونا کیونکر ملائکہ پر موجب فضیلت ہو سکتا ہے ہم جو اباً کہتے ہیں کہ علم دراصل اس شخص کی فضیلت کی دلیل ہے جو اس کو جانتا ہے۔ اس شخص پر جو اس کو نہیں جانتا ہے۔ لیکن اگر علم مخصوص نہ جاننے والے کی فضیلت میں دوسری کوئی دلیل پائی جائے بسبب کسی دوسرے ابواب فضیلت کے تو نہیں کہہ سکتے کہ علم مخصوص جاننے والا محض اپنے اس علم کو سبب کسی ایسے شخص پر فضیلت رکھتا ہے۔ جو سوائے اس علم مخصوص کے تمام دوسرے علوم سے واقف ہے۔ اور جس کو دوسری موجبات تفضل بھی حاصل ہیں پس موسیٰ علیہ السلام کا شرف رسالت کی جہت سے تھا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام قصہ میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور ملائکہ فضیلت علم سے خالی تھے۔ نیز ہم کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام کے جس علم سے حضرت موسیٰ آگاہ نہ تھے۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بنی آدم سے کوئی بھی شخص اس علم خضر سے واقف نہ ہوگا۔ اور وہاں تو جو علم آدم علیہ السلام کو عطا ہوا اس سے کوئی فرشتہ آگاہ نہ تھا۔

اگر کہا جائے کہ آدم کو ملائکہ کا سجدہ کرنا بہت ابتلا و امتحان کے تھا۔ یہ موجب تفضل کس لئے کہا جاتا ہے۔ جو اب یہ کہ اگر یہ امر موجب تفضل نہ ہوتا تو ابلیس کہتا۔ اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ اور اگر آدم مستحق فضیلت خاص کا نہ تھا۔ تو جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَا مَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتَ بِيدَيَّ اُس وقت ابلیس نے کیوں کہا۔ هَذَا الَّذِي كَسَّ هَاتِهِ عَلَيَّ اب جب کہ ان وجوہات سے آدم کی فضیلت ملائکہ پر ثابت ہو گئی۔ تو قول تفضیل ملائکہ کا بشر پر باطل ہوا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ



وَلَوْ هَمَّ وَ الْاَلِ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ادر ملائکہ وغیرہ عالمین میں جہل  
ہیں۔ مگر جب کوئی مخصوص شخص اُس کے خلاف پائی جائے۔

ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اکثر جگہ کرامت سے یاد  
کیا۔ اور اُن کے لئے بہت مواعید مثل حُور و قصور اور ولدان و غلمان اور لباس  
و مشارب اور منازل و مطاعم وغیرہ کی قسم فرمائے کہ آخرت میں انہیں یہ چیزیں عطا  
ہوئیں۔ چنانچہ فرمایا قَدْ لَعَلَّمُوْا نَفْسُ مَا اُخْفِیْ لَكُمْ مِنْ قُرْآنِ عَنِیْنَ  
جَزَاءً بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ان مواعید میں سے ملائکہ کے لئے کوئی وعدہ  
نہیں فرمایا۔

پھر اگر اعتراض کیا جائے کہ ملائکہ کو جو قرب الہی حاصل ہے۔ وہ ان تمام  
نعمتوں سے بڑھتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ خدا نے مومنوں کے لئے فرمایا۔ قُلْ لِّکُمْ  
لَهُمُ النَّدٰی رَجَاۃُ الْعُلٰی اور سچ یہ ہے کہ بنی آدم لذاتِ روحانی اور حظوظِ ظہریہ  
میں بھی ملائکہ کے ہمعنان ہیں۔ اور لذاتِ جسمانی میں اُن سے مخصوص یہی بات خوب  
تفصل بنی آدم ہے۔

ایک یہ ہے جس سے مخالفین ملائکہ کی تفصیل پر استدلال کرتے ہیں۔  
لَنْ یَسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّکُوْنَ عَبْدًا لِیْہِ وَ کَلَّا الْمَلٰٓئِکَۃُ الْمُقَرَّبُوْنَ  
یعنی حضرت عیسیٰ خدا کا بندہ ہونے سے استنکاف اور انکار نہیں کرتے۔ اور نہ ملائکہ  
مقربین (انکار کرتے ہیں) کہتے ہیں کہ اس آیت سے ملائکہ کی فضیلت عیسیٰ پر ثابت  
ہوتی ہے۔ کیونکہ ایسا کہنا درست نہیں ہے کہ شہر کا امیر میری خدمت سے استنکاف  
نہیں کرتا۔ اور نہ پاسبان اُس کے۔ بلکہ یوں کہتے ہیں کہ امیر کے پاسبان میری خدمت  
سے استنکاف نہیں کرتے۔ اور نہ امیر یعنی ادنیٰ اسے اعلیٰ کی طرف ترقی کی جاتی  
ہے نہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف۔ جواب یہ ہے کہ خدا نے اس آیت میں دو گروہ کا  
ابطال کیا ہے۔ ایک نصاریٰ کا جو مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ دوسرے صائبین کا  
جو ملائکہ کو ابناء اللہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے قول کی تردید فرمائی  
اور فرمایا کہ خدا کا بندہ ہونے سے نہ تو عیسیٰ کو انکار و استنکاف ہے۔ اور  
نہ ملائکہ ملاء الا اعلیٰ کو۔

اُن کی ایک حجت اس بات سے ہے۔ وَفَعَلْنَا هَارُونَ عَلَىٰ كَثِيرٍ  
مِّمَّنْ خَلَقْنَا هُمْ تَفَضُّلًا یعنی انبیاء کو ہم نے اکثر خلق پر فضیلت دی۔  
کہتے ہیں کہ جب خدائے فرمایا کہ ہم نے اُن کو اکثر پر فضیلت دی تو ممکن ہے کہ ملائکہ  
عد و کثیر سے خارج ہوں اور انبیاء کو ملائکہ پر فضیلت حاصل نہ ہو۔ جواب یہ ہے کہ  
تم اس استدلال میں مصیبت نہیں ہو۔ اس لئے کہ تم نے یہ دلیل ملائکہ کی تفضیل میں  
پیش کی ہے۔ حالانکہ اس سے تفضیل اُن کی ثابت نہیں ہوتی۔ زیادہ سے زیادہ  
یہ کہ جبیا تم بیان کرتے ہو محل آیت ایسا ہی ہو تب بھی ملائکہ بنی آدم سے فاضل  
نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ مَعْنَى خَلَقْنَا میں عمومیت ہے۔ پس بلا کثیر ہر جنس میں  
سے ایک جماعت مختار کو الگ کر لیا کہ خاص کسی تمام جماعت کو اس کے معنی یہ ہوئے  
کہ بعض ملائکہ بنی آدم پر فضیلت رکھتے ہیں نہ کہ سب اور بنی آدم اکثر ملائکہ سے فاضل  
ہیں اور کہنے کے یہ فضیلت بھی بے شک و شک ہے۔ اور نہ کسی اور جہت سے \*  
اُن کی ایک دلیل یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ملائکہ طرقہ العین میں تمام مشرق و  
مغرب گھوم کر آتے ہیں۔ وہ جسم نورانی رکھتے ہیں۔ خدا کا کبھی گناہ نہیں کرتے اور  
عبادت سے کبھی فائز و مست نہیں ہوتے۔ وہ ہوا و ہوں حرم شہوت کی کدورت  
پاک صاف ہیں۔ یہ دلیل ہے ملائکہ کی فضیلت کی بنی آدم پر۔ کیونکہ ایسا ممکن نہیں  
کہ وجود ظلماتی اسیر حرم ہوا مطیع شہوت و غضب عاصی و پر نقصیر ایسی پاک مخلوق  
پر فضیلت رکھے \*۔

جواب یہ کہ ملائکہ عبادت پر مجبُول ہیں۔ اطاعت اُن کی فطرت میں موجود ہے  
وہ اسی اسطے عبادت سے مکدر و متنفر نہیں ہوتے۔ ان کو حرص و ہوا اور غضب  
غصہ کی قوتیں بھی دی گئیں۔ وہ حوائج بشری اور علانی و نبوی سے مستبرا ہیں۔  
پس اُن سے گناہ کیونکر سرزد ہو گا۔ پس ہر شخص جس کو یہ قوتیں ملی ہیں۔ ایک ایسے  
شخص سے جس کی جبلت ہی میں مذکورہ قوتیں نہیں رکھی گئیں ضرور فاضل تر ہو گا  
کیونکہ وہ باوجود ان موانعات کے حتی الامکان خدا کی یاد و ذکر میں مشغول رہتا  
ہے۔ اور قوت ہائے محرک معاصی کی مخالفت کرتا ہے۔ اور جو عبادت بے تکلف  
اور بے مشقت ہوتی ہے۔ اور اُس کا ثواب بھی نسبتاً کم ہوتا ہے۔ اور کسی عاقل پر



پوشیدہ نہیں کہ صبر کرنا مخالفت ہوا دشواری پر اور ان کو مغلوب کرنا عبادتِ محابہ سے مشقتوں بلاؤں کا تحمل ہونا ایک امر صعب تر ہے اور جن مشکلات و بلیات و آفات و شہوات و وساوسِ شیطانیہ اور میلِ طبع و غلبہ وغیرہ میں انسان مبتلا ہیں اور جو حاجاتِ بشری مثل گرسنگی و تشنگی و خواب وغیرہ اس کو حاصل ہیں اگر ملائکہ ان مصائب میں مبتلا ہوتے تو وہ بنی آدم سے زیادہ تریچارہ اور درمانہ ہوتے۔ اور بنی آدم میں انبیاء اور اولیاء اور علماء و زما دیں جنہوں نے خدا کی راہ میں بڑی بڑی مشکلات برداشت کیں اور مخالف ہوا و دھوس و غلبہ شہوات و خواہشات میں وہ محابہات کمر جو عالمِ پریشکار ہیں حتیٰ کہ انہوں نے راہِ خدا میں اپنی جانیں تک فدا کر دیں۔ مخالفین حق سے جو کچھ صدمات اُن کو پہنچے۔ وہ پوشیدہ نہیں۔ پھر بھی یہ حق تعالیٰ سے نہ پھر اور اُسی کے واسطے خالصاً لہِ رضات اللہ انواع و اقسام کے عذابِ محن و آلام پر تحمل کرتے رہے۔ اور باوجود اس کے ترویج و اشاعت قوانینِ شرعی اور نشرِ توحید و ملت میں اُن کی کوشش وسیع و بلیغ جاری ہی ہے۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ یہ بزرگ نفوس فاضل تر ہو سکتے ہیں یا ملائکہ جن کو دینی و دنیوی کوئی خطرہ درپیش نہیں۔ اور جن کو صرف ایک قوتِ عطا ہوئی ہے جس سے وہ عبادت و اطاعتِ الہی کر سکتے ہیں۔ اور بس۔ نہ اُن کو نفسِ امارتی کرنی پڑتی ہے۔ اور نہ انہیں شیطانی وساوس کا خطرہ ہے۔

## موجباتِ تفضلِ نبی آدم

پھر ہم کہتے ہیں یہ عزت و توقیر کون سے فرشتہ کو حاصل ہوئی ہے۔ جو حضورِ سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی کہ خدائے اُن کی شانِ کریم میں فرمایا اٰیٰہَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَٰہِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ ذٰلِیْکَ اِلٰی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَاَسْرَاجًا مُّنِیْرًا یعنی اے (پیامبر) رسول ہم نے تم کو شاہد، مبشر، نذیر اور اُس کی اجازت سے خدا کی طرف دعوت دینے والا اور سرِ سراجِ منیر کی صفاتِ قدسیہ آ رہتہ کر کے دنیا میں بھیجا۔ اور کون سا فرشتہ خدا کی اس کریمانہ نوازش سے ممتاز ہوا۔ لَعَمْرُکَ

اِنَّهُمْ فِيْ سَكْرَةٍ يَّعْمَهُمْ هَؤُلَاءِ نَبِيْرِيْ جَانِ كِي تَمْدِدْهُ لُوْكَ اُنْ كَيْ نَشْتُمْ  
 ذَا اُوْا ذُوْلَ هِيْنَ اُوْر كَسْ فَرَشْتَهْ نِيْ يِيْ مَرْتَبَهْ پَايَا وَ اَتَحَنُّ اَللّٰهُ اِيْزَا هِيْجَمَ خَلِيْلًا  
 اُوْر بِنَا يَخْدَانِيْ اَبْرَاهِيْمُ كُو دُوْسْت - اُوْر خَدَانِيْ كَسْ فَرَشْتَهْ كِي اِيْسِيْ حَرْمَتْ كِي وَ اَلْقِيَتْ  
 عَلِيْكَ مَحَبَّتْ مِثْلِيْ اُوْر ذُوْلِيْ مِيْنِ نِيْ اُوْپَر تِيْرِيْ مَحَبَّتْ اِيْنِيْ جَانِيْ كِي اُوْر سَمَايَا - وَ  
 اَصْطَفِيْكَ لِنَفْسِيْ اُوْر اَخْتِيَارْ كِيَا مِيْنِ نِيْ تَحْمُكُو اِيْنِيْ نَفْسْ كِي لِيْ اَسْ كِي سَوَا  
 اُوْر بِيْ مَرَاتَبْ هِيْنَ - جُوْ قَرَاْنِ كَرِيْمِ مِيْنِ تَذْكُوْر هِيْنَ - اُوْر اَحَادِيْثْ بِنِيْ اَدَمْ كِي فَضِيْلَتْ پَر  
 پَر وِلَايَتْ كَرْتِيْ هِيْنَ - اُنْ مِيْنِ سِيْ اِيْكَ يِيْ هِيْ - جُوْ حَضْرَتْ اَبُوْ سَعِيْدْ خُذْرِيْ نِيْ اَخْفِيْ  
 سِيْ رَوَايَتْ كِي هِيْ - مَآ مَنِ نَبِيْ اَلَا وِل - وَ زِيْرَانِ مَنِ اَهْلِ السَّمَاوِيْ  
 وَ زِيْرَانِ مَنِ اَهْلِ اَلْاَرْضِ اَمَّا وَ زِيْرِيْ مَنِ اَهْلِ السَّمَاوِيْ فَجِبْرِيلُ  
 وَ مِيْكَائِيْلُ وَ زِيْرِيْ مَنِ اَهْلِ اَلْاَرْضِ فَاَبُوْ بَكْرٌ وَ عُمَرُ ط يَعْنِيْ هَرَا كِي -  
 بِنِيْ كِي چَارْ وَ زِيْرِ سُوْتِيْ هِيْنَ - دُوْ آسْمَانِ وَ اَلْوَلُّ سِيْ اُوْر وَ زِيْمِنِ وَ اَلْوَلُّ سِيْ لِيْكَ  
 آسْمَانِ وَ اَلْوَلُّ سِيْ مِيْرِيْ دُوْ وَ زِيْرِ تُوْ جِبْرِيلُ اُوْر مِيْكَائِيْلُ هِيْنَ - اُوْر زِيْمِنِ وَ اَلْوَلُّ سِيْ مِيْرِيْ  
 دُوْ وَ زِيْرِ اَبُوْ بَكْرٌ وَ عُمَرُ هِيْنَ ۞

اُوْر اَخْفِيَتْ سَلَامَتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اَكْبَرُ وَ سَلَمُ نِيْ فَرْمَايَا - مَلَا نَكْ كِي لِيْ جَلَّ كُو فَرَاخِ  
 كَرُو - پھر فرمایا - اِنَّهُمْ اِذَا كَانُوْا مَعَكُمْ لَمْ تَكُوْنُوْا مَنِ بَيْنِ اِيْدِيْهِمْ  
 وَ اَلَا مَنِ خَلْفَهُمْ وَ اِنَّمَا تَكُوْنُوْا مَنِ اِيْمَانِيْهِمْ وَ شَمَالَهُمْ قَالُوْا اَوْنِ  
 فَضْلُنَا عَلِيْهِمْ اَوْ مَنِ فَضْلَهُمْ عَلَيْنَا قَالِ بَلْ اَنْتُمْ اَفْضَلُ مِنْهُمْ  
 يَعْنِيْ جِبَّ تَهْمَا سِيْ سَاخْتِ هُوں تُوْ تَمُّ اُنْ كِي آگے يَا پِچھے مَت رُھو - بَلْ كِي اُنْ كِي دَاثِيں  
 بَاثِيں رُھو - صَحَابَتِ نِيْ عَرْضِ كِيَا - كِيَا اَسْ لِيْ كِي هِيْ اُنْ پَر فَضِيْلَتْ دِيْ گئی - تِيْ  
 دِهْ هَمْ پَر فَضِيْلَتْ رِكھتے هِيْنَ - فَرْمَا يَلْ كِي اُنْ سِيْ فَضْلُ هُو - اُوْر يِيْ حَدِيْثْ اَلَا اَجَلْ  
 ذِيْمَتِ مَنِ خَلْفَتْ بِيْدِيْ كِي كَمَنْ قَلَّتْ لَهْ كَمَنْ فَيَكُوْنُ فَكَانَ يَعْنِيْ مِيْنِ اِسْ  
 ذَرِيَّتْ كُو مَنِ كُو مِيْنِ نِيْ اِيْنِيْ مَاتھوں سِيْ بِنَايَا - اُسْ مَخْلُوْقِ كِي طَرَحْ بَنِيں كَرْدِيْگا - جُوْ حَضْرَتْ  
 مِيْرِيْ كُنْ سَكْنِيْ سِيْ ظَاہِرِ هُو گئی ۞

اگر یہ دونوں کچھلی حدیثیں درست و صحیح حدیثیں ہوں تو بنی آدم کی فضیلت میں  
 کوئی حجت باقی نہیں رہتی۔ لیکن دونوں حدیثوں کی محبت میں کلام ہے تاہم اسی مطلب



کے لئے حدیث ابوسعید خدری کی کافی ہے۔ اور حدیث درست بھی ہے۔ نیز یہ آیت  
 اس معنی کی مؤید ہے فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ  
 بَعْدَ ذَلِكَ طَهْرٌ۔ کس لئے کہ اوپر کی حدیث میں مذکور ہو کہ میرے دو وزیر  
 اہل سما سے جبریل و میکائیل ہیں۔ اور یہاں خدا نے فرمایا کہ اللہ اور تمام نیک بندے  
 محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناصر و مددگار ہیں۔ اور فرشتے بعد اس کے کہ خدا محمد کا  
 ناصر دیا کرتے ہیں۔

دوسری حدیث آنحضرتؐ کا مندرجہ حدیث شفاعت میں أَنَا أَلَدُّ الْخَلَاءِ  
 عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ جب یہ قیامت کے دن گرامی تر بلاتے ہوئے۔ تو آپ کا فاضل  
 ہونا تمام ملائکہ سے ظاہر ہے کیونکہ یہ بھی خلائق میں داخل ہیں۔ اور یہ حدیث درست ہے۔ اہم  
 نے اس تقریر سے معلوم کر لیا کہ بشر ملائکہ سے افضل ہیں۔ لیکن ابھی یہ بات تفسیر کی  
 محتاج ہے۔ تو اس کی تفسیر مقتضائے آیات و احادیث استدلال شرعی کے یہ ہے  
 کہ نبی آدم کے رسول فاضل تر ہیں۔ فرشتوں کے رسولوں سے۔ اور نبی آدم کے اولیا  
 فاضل تر ہیں اولیاء ملائکہ سے۔ اور نیک مومنین فاضل تر ہیں تمام ملائکہ سے۔ اور  
 دلیل اس ترتیب کی کلام الہی کا نظم سخن ہے۔ چنانچہ وہ آیت اوپر نقل ہوئی۔ یعنی  
 فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ الْخَلَاءُ

اب یہ مسئلہ درست و صاف ہو گیا۔ اور اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی  
 گنجائش نہیں رہی۔ پھر اگر کوئی شخص کہے کہ مجھے اس مسئلہ کی بحث سے کوئی سروکار نہیں  
 تو اس پر کوئی حرج واقع نہیں ہوگا۔ اکثر علمائے ائمہ کا یہی مسلک رہا ہے۔ کیونکہ  
 یہ مسئلہ ان مسائل سے نہیں ہے کہ ان کے خلاف کرنے والے کی تفصیل کی جائے۔  
 مگر اس حالت میں کہ مخالف کی غرض تاہید و توثیق فرقہ باطلہ معتزلہ ہو یا وہ اقوال  
 فلاسفہ کا مؤید ہو تو اس وقت اس کا اس مسئلہ میں اختلاف کرنا درست نہ ہوگا۔

## غیر محتاط و عظیم

ہم نے اس بات کو اس لئے ذکر کر دیا ہے تاکہ مرد و موحد خدا تر اس ایسے مواضع میں  
 اپنی رائے کو دخل نہ دے۔ اور خدا تعالیٰ سے توجاہ و زہد کرے۔ اور داعطمان غیر محتاط

کی باتوں پر جو غیر مستند اور بے سرو پا باتیں کرتے اور بیان میں ہوا پرستی کے تابع ہوتے ہیں۔ فریفتہ نہ ہوں اور چاہئے کہ اس قسم کے اعتقاد ہی مسائل میں علمائے راسخ کے قول کو قبول کرے۔ اس لئے کہ سخاں تعصب آمیز پر اعتقاد رکھنا درست نہیں ہے۔ اس بے مزاج اور دل فاسد ہوتا ہے بعض اصحاب یہاں تک تفصیل انبیاء میں غلو کرتے ہیں کہ ان کے رُو پر و ملائکہ مقرر ہیں درگاہ الہی کوئی مرتبہ نہیں رکھتے۔ اور انبیاء کے مقابلہ میں ایسے ملائکہ کو بھی ہیج خیال کرتے ہیں ایسا نہ کرنا چاہئے۔ تفصیل انبیاء قرآن و احادیث سے ثابت ہے۔ اور اگرچہ ملائکہ ملائکہ اعلیٰ فضیلت میں انبیاء سے فروز ہیں تاہم خدا تعالیٰ کے ہاں ان کے بڑے درجات ہیں ❖

## پانچواں مسئلہ حکم اطفال مشرکین

پانچواں مسئلہ حکم اطفال مشرکین میں بعض علمائے اسلام کا قول ہے کہ اطفال مشرکین اپنے ماں باپ کے ہمراہ دوزخ میں رہیں گے۔ ان کا تمسک حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر ہے کہ جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اطفال مشرکین کی بابت سوال کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ لو شئت لآ سمعتک بصاحبہم فی النار۔ اگر تم چاہتی ہو تو میں سنواؤں وہ اپنے صاحب کے ساتھ دوزخ میں ہیں لیکن حدیث وہی ہے۔ اس مرتبہ کی نہیں کہ اس مسئلہ میں اس سے حکم کیا جائے ❖

دوسری حدیث یہ ہے کہ عقبہ بن مغیط کی گردن مارنے تھے۔ اس نے کہا کہ میرے بچوں کا کیا حال ہوگا۔ آپ نے فرمایا آگ، حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ من صبیۃ قال النار یہ حدیث بھی اس باب میں قابل استدلال نہیں۔ اس واسطے کہ فرد اس لفظ سے کافر سمجھا جاتا ہے چنانچہ کوئی کہے مجھ کو کیا دیتے ہو۔ اور وہ غصہ میں کہ دے خاک ❖ اور اس بات کی ثبوت میں کہ اطفال مشرکین دوزخ میں جائیں گے۔ یہ حدیث ہے جو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب انہوں نے اطفال مشرکین کی بابت سوال کیا۔ تو آپ نے فرمایا واللہ اعلم بما کانوا عمار ملین یعنی اللہ کو خوب معلوم ہے کہ وہ بڑے ہو کر کیا عمل کرتے گا یہ حدیث زیادہ معتبر اور مشہور



ہے۔ حدیث حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے دوسری جوت اُن کی یہ ہے کہ بچے شرک میں ماں باپ کے تابع ہوتے ہیں۔ اور شرک ہی کا سبب ہے کہ مشرکین کی طرح اُن کے بچوں پر بھی استرقاق (غلام بنانے) کا حکم جاری ہے۔ ان کو مسلمانوں کے گورستان میں بھی دفن نہیں کرنا چاہئے۔ پس چاہئے کہ آخر میں بھی تابع اپنے ماں باپ کے ہوں۔

جواب یہ ہے کہ اگر اُن کا حکم مطلق حکم مادر پدر ہوتا تو چاہئے تھا کہ جب مسلمان اُن کے اطفال کو استرقاق کرتے۔ تو اُن پر اسلام کا حکم جاری ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ اطفال مشرکین کی نسبت کفر کی جانب ایک عاصی نسبت ہے۔ تبعیت اور اصل سے اُس کو تعلق نہیں۔ اور جب موت کے ذریعہ اطفال مشرکین اور اُن کے ماں باپ میں تفریق ہوگی۔ تو کفر کا اُن میں مطلق اثر نہیں رہے گا۔

نیز شرع شریف میں مقرر ہے کہ تخلید فی النار سوائے مشرکین کے کسی کے لئے نہیں ہے۔ پس جیسا اطفال مشرکین میں شرک نہیں پایا گیا۔ تو اُن کے دوزخ میں رہنے کا حکم کس طرح کیا جاسکتا ہے۔ (یہ بیان اُن لوگوں کے جواب میں واقع ہوا ہے جو اطفال مشرکین کو دوزخی بتاتے ہیں۔ اب یہاں سے ایک دوسرے گروہ کا بیان شروع ہوتا ہے۔ جو اطفال مشرکین کی بابت کہتے ہیں کہ وہ بہشت میں ہیں۔)

اور بعض علمائے اسلام کا مذہب یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے کوئی طاعت نہیں کی۔ جس کے سبب ثواب کے مستحق ہوں۔ اس لئے وہ خدام اہل بہشت کے ہونگے بعض اہل سنت کا میلان بھی اسی جانب ہے۔ اور اصل میں یہ مسئلہ معترضہ کا ہے۔ انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ **هٰذَا خِدَامُ اَهْلِ الْجَنَّةِ** کہ وہ جنت کے لوگوں کے خدام ہونگے۔ (ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ حدیث درست ہو تو مراد اس سے یہ ہوگا کہ اطفال مشرکین بعض اہل جنت کے خدام ہونگے۔ جو دنیا میں ہو گئے ہیں۔ اور اُن کی مائیں اور تائیں اس طرح پر ہے کہ **لَا يَزْنِيهِمْ وَارِثَةٌ وَذُرِّيَّةٌ** آخری کہتے ہیں کہ اس آیت کے ہوتے کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ دوسرے کے عمل کے بدلے میں اُن کو عذاب کریں (یعنی اعمال بدلے اُن کے

والدین کریں۔ اور اطفال مشرکین ناحق دوزخ میں ڈھکیے جائیں ہاں لوگوں پر حدیث محبت ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی خَلَقَ الْجِنَّةَ وَخَلَقَ الْاِنْسَانَ وَخَلَقَ لَهَا اَهْلًا وَهُمْ فِيْ اَصْلَابٍ اَبَا تُهُمْ وَخَلَقَ لَهَا اَهْلًا وَهُمْ فِيْ اَصْلَابٍ اَبَا تُهُمْ یعنی تحقیق اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا اور دوزخ کو پیدا کیا۔ اور جنت کے لئے اُس کے بہنے والے پیدا کئے۔ حالانکہ وہ اپنے باپوں کے صلیبوں میں تھے۔ اور دوزخ کے لئے اُس کے بہنے والے پیدا کئے۔ حالانکہ وہ اپنے باپوں کے صلیبوں میں تھے۔

بعض علماء کا مقولہ ہے کہ اس مسئلہ کا مرجع علم حق کی جانب ہے۔ اس طرح کہ اگر خدا کو کسی بچہ کی نسبت یہ علم ہو کہ وہ حد بلوغ کو پہنچ کر ایمان لاتا تو ایسا بچہ جنتی ہوگا۔ اور اگر خدا کو کسی بچہ کی بابت یہ علم ہو کہ وہ بڑا ہو کر مشرک ہی رہیگا۔ تو ایسا بچہ دوزخی ہوگا۔

یہ قول بھی اس دین میں مستقیم نہیں ہے کیونکہ جب جائز نہیں کہ خدا درویش عاقل یا غنی کو عذاب کرے اس بات پر کہ اگر وہ مال دار ہوتا تو زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ یا فاسق کو اس سبب سے عذاب کرے کہ اگر وہ کچھ دنوں اور جیتا۔ تو اُس سے فسق و فجور پہلے کی نسبت زیادہ صادر ہوتا۔ پس بطور اولیٰ یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے بچہ کو عذاب نہ کرے جس سے کوئی گناہ اور کفر ثابت نہیں ہوا۔

اگر کہا جائے کہ حدیث اللہ اعلم بما کانوا یعملون اس امر کے ثبوت کی روشنی دلیل ہے۔ تو جواب اُس کا یہ ہے یعنی اس حدیث کے معنی اس طرح کرنے چاہئیں کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ قیامت کے دن یہ کیا کریں گے۔ اور اُن کی بازگشت کہاں ہوگی۔ اس کے سوا اور بھی اس باب میں جتنے اقوال ہیں۔ قابل غور ہیں۔ یا تو اصول دین کے مخالف ہونے کے سبب یا معمول احادیث کے لحاظ سے۔ اور یا اس سبب سے کہ وہ کسی دوسری حدیث سے معارضہ کرتی ہے۔ یعنی مخالف ہے۔ جب کوئی قول ثابت نہیں۔ تو اس مسئلہ میں توقف کرنا ہی مناسب اور زیبا ہے یعنی نہ تو مشرکین کے بچوں کے جنت میں



داخل ہونے کا حکم لگانا چاہئے۔ اور نہ اُن کے دوزخی ہونے پر۔

بِحُكْمِ مَسْئَلَةٍ

## تکلیف بالایطاق کے بیان میں

چھٹا مسئلہ تکلیف بالایطاق کے بیان میں ہے۔ مذکثرین اصحاب شافعی اور نیز دوسرے لوگوں کا یہ مذہب ہے کہ روا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو کسی ایسی چیز کا حکم دے جو اُس کے وسیع امکان میں نہ ہو۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ابولہب کے متعلق خبر دی کہ وہ کفر پر مریگا۔ اور دوزخی ہوگا۔ باوجود اس کے اس کو ایمان کی جانب مدعو کیا۔ اس سے جواز تکلیف بالایطاق ثابت ہے۔ اس کے سوا چند دوسری وجوہات و دلائل بھی بیان کئے ہیں۔ جو عوام کی فہم سے بالا نہیں۔ اس لئے ہم اُن کا بیان فرو گذار کرتے ہیں۔ اور اہل سنت و جماعت کا اعتقاد ہے کہ بندہ کو مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فعال کی تحقیر و تنقیح کر سکے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لَا يَكْفُرُ اللَّهُ نَفْسًا اَكَلًا وَسَعَةً۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا۔ جو اُس کی وسعت امکان سے بالاتر ہو۔ اس سے ظاہر نص کی مخالفت ہوئی۔ کیونکہ اس سے ثابت ہے کہ

۱۔ کفایہ شرح ہدایہ صفحہ ۱۱۱ میں ہے کہ اگر مسلمانوں کی اولاد صغیر میں مر جائے تو اُن کے جنتی ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ کیونکہ اس باب میں کثرت سے احادیث وارد ہیں جن میں اکثر مشاہیر احادیث سے ہیں۔ اور احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ازل میں ميثاق لینے کے وقت انہوں نے بھی بلی کہا تھا۔ یعنی یہ بھی اقراء بربوبیت میں شامل تھے۔ اور حضرت امام غزالیؒ نے آثار ابی حنیفہ میں منقول ہے کہ لوگ جو اولاد میں ان کے جنازہ پر بتیسری تکبیر کے یہ عارِ چھتے ہیں۔ اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرْطًا اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا ذَخْرًا اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَمُشَفِّعًا۔ تو اس سے صاف اولاد میں ان کے مسلمان ہونے پر دلالت ہے رہا اولاد کفار کا معاملہ کہ وہ اگر ذی عقل ہونے سے پہلے مر گئے تو اُن کا کیا حال ہوگا۔ اس میں علما کا اختلاف ہے۔ حضرت امام محمدؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا میں خوب جانتا ہوں کہ خدا بغیر صُور گناہ کے کسی کو مستلذا عذاب نہیں کرے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ جنت میں اہل اسلام کے خادم ہونگے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے۔ اور ان کا معاملہ خدا کی طرف سونپ دیا

بندہ کو اتنی ہی تکلیف دی جاتی ہے۔ جو اُس کی وسعت میں ہو۔ پھر جو از تکلیف بالایطاق سے اُس کی مخالفت ہوتی ہے۔

مخالفین اپنی دلیل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ وَلَا تَحْمِلُونَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَخَالِدًا عَلَيْنَا فِيمَا فَعَلْنَا لَنَا ذَنْبًا أُولَٰئِكَ سِوَاكَ اللَّهُ مُبْطِلٌ دِينِهِمْ يَوْمَ يُنْفَخُ الْأَشْجَارُ عَنْ أُصُولِهَا وَتُكَادِ السَّيَاطِيرُ الْأَشْجَارُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ شَهِيدًا بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ۔ اس سے جو از تکلیف بالایطاق ثابت نہیں ہوتی۔ یا اُس کے معنی ہیں کہ آخرت میں ہم پر ایسا عذاب نہ کر جو ہماری طاقت سے بالاتر ہو۔ یہ مراد ہے۔ کہ تکالیف کثیرہ ہم پر نہ ڈال جیسی کہ بنی اسرائیل پر ڈالیں۔ یہ ایسے معنی ہیں جس سے اس آیت اور اس سے ما قبل کی آیت میں مطابقت ہوتی ہے۔

اور ابوالمب کا قصہ جو مخالفین اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں۔ وہ قابلِ حجت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تکلیف شرعی میں ظاہر کو اعتبار ہے۔ اور جو بات ہم سے پوشیدہ ہے اس سے تکلیف شرعی کو سرکار نہیں۔ اور ظاہر خیال یہ ہے کہ عاقل بالغ صاحب اختیار کو ایسی باتوں کا حکم کیا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ باتیں اُس کے مقدور استطاعت سے از قوے باطل حال خارج ہوں۔ مگر جب کہ وہ باتیں بظاہر استطاعت و مقدار انسان ہیں۔ تو یہ تکلیف بالایطاق نہیں کہی جاسکتی۔ کیونکہ اقامت امر و نہی کی بندوں پر قضا و قدر کے ساتھ معلق نہیں ہے۔ بلکہ تکلیف بالایطاق کے یہ معنی ہیں کہ بندہ کو کسی ایسے کام کا حکم کیا جائے جو ظاہر حال میں اُس کی طاقت و قدرت سے خارج ہو۔ جیسے دیوانہ کو نماز و روزہ وغیرہ کی تکلیف دینا۔ یا انگڑے و اندھے کو پیادہ پا حج کا حکم کرنا۔ یا نابینا کو یہ کہنا کہ مشرک ان شریف کی تلاوت دیجھ کر کرے۔ تو اس قسم کا حکم شرعاً درست نہیں ہے۔ اسی واسطے ہم تکلیف بالایطاق کی نفی کرتے ہیں۔ اور نیز خدا کے قول کے مطابق کہ اُس نے تکلیف بالایطاق کا وعدہ نہیں کیا۔ اُس کا وعدہ حق و درست ہے۔

## خاتم کتاب

یہاں ہم نے وہی باتیں یاد کی ہیں۔ جو عوام کی سمجھ میں آسانی آسکیں۔ اور ایسی باتیں جن کا سمجھنا اُن کی فہم سے بالاتر ہے۔ ہم نے قصداً اُن کا نقل کرنا



چھوڑ دیا۔

جناب نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ غن معاش الاشبیاء  
امرئان نزل الناس منذ بعثہم وان تکلم الناس علی قدر عقولہم  
یعنی ہم گروہ انبیاء ہیں۔ ہم کو حکم ہوگا کہ لوگوں کو ان کی منازل پر آتاریں۔ اور ان سے  
ان کی عقلوں کے مطابق باتیں کریں۔ ہم نے بھی اس باب میں حتی الامکان احادیث  
شریف پر عمل کیا ہے۔

سلف صالحین کا جو یہ قاعدہ تھا کہ بحث و تفتیش سے کنارہ کرتے۔ اور ان  
باتوں سے احتراز ضروری جانتے جن میں شبہات کا خوف اور جن سے عوام الناس  
کے گمراہ ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اور وہ بھی اس حدیث شریف کے عامل تھے۔ اور وہ  
اس میں معصیت تھے، اور بہترین زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا جن کو تو حید نصرت  
اور ایمان خالص اور یقین محض حاصل تھا۔ سو انہوں نے بھی کبھی ان ابواب میں کلام نہیں  
کیا۔ اور کوئی شبہ ان کے گرد و پیش نہیں آیا۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ  
ممن یشاء اور یہ اللہ کا فضل ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اجانتا ہے کہ ہم نے اپنے بیان میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے  
اور بیگانوں کی اصطلاحات سے بھی احتراز ضروری جانا ہے لیکن اسلامی ہمد دی کے  
خیال سے بعض مسائل میں موافق طریقہ حق کے گفتگو کی ہے۔ کیونکہ ان پاک نفوس کا زمانہ  
اب نہیں رہا۔ اب تو بات بات میں بدعتی لوگ اعتراض اور شاخسلفی مکالتے ہیں  
اور شبہات پیدا کرتے ہیں جس سے دین حق اور عوام اہل اسلام کا محفوظ و مامون رہنا  
بہت مشکل ہو گیا ہے۔ جاری باتیں وہی حضرات پسند و اختیار کریں گے جن کو اللہ  
تعالیٰ نے دین حق اور طریق ثواب کی ہدایت کی ہے۔ اور ان کے پیرو کبھی ایسی نیک  
باتوں کو نہیں مان سکتے۔ خدا ہی انہیں منواتے اور میری ناچیز محنت کو قبول کرے  
جس کی امید پر اتنی خامہ فرسائی۔ اور صرف اوقات ہوا ہے۔ اور اسی کی پسند پس  
ہے۔

نہایت تعجب ہے ان مسلمانوں سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت رسول کریم  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور یوم آخرت پر ایمان و اعتقاد رکھتے ہیں۔ پھر باوجود

اس کے مبتدعان بے دین اور فلاسفہ کا صفہ کے مخرجات اور مغالطات میں آ جاتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ بدعتی اور فلاسفہ کا ہمیشہ سے یہ راہ رہا ہے کہ سرحد سے سادھے نیک بندوں کو جو عجائز و کتاب کی مانند شریعت نبوی کے پابند ہیں طاقت میں ڈالیں۔ اور ان کو راہ سلامت سے مملکت خطرناک میں ڈھکیا لیں مسلمانوں کو ہرگز ان کی آیہ فریب باتوں میں نہ آنا چاہئے۔ اور ہمیشہ کتاب و سنت اور سلف صالحین کے رستہ پر چلنا چاہئے کہ یہی ایک طریقہ نجات کا ہے۔ اور اس طریقہ کو حضرت فخر بنی آدم علیہ السلام نے سواد اعظم فرمایا ہے یہیں عام مسلمانوں کی ہمدی سے کام ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ امت مرحومہ ان سیاہ کاریوں کے دام فریب میں گرفتار ہو جائے۔ اور صراط مستقیم مذہب حق کو کھو بیٹھے۔

یہ زمانہ بڑا پرخطر زمانہ ہے۔ چاروں طرف الحاد و ارتداد کی گھٹا چھائی ہوئی ہے۔ سیریتوں نے کسی مسئلہ کو سالم نہیں چھوڑا ہے۔ دین کی آڑ میں مسلمانوں کا راستہ مارتے ہیں۔ اور یہ مہارب ڈاکو دن و رات بٹے بیچارہ سیدھے مسلمانوں کو ستر باغ دکھا کر انہیں دوزخ کے گڑھوں میں ڈالتے ہیں۔ دعویٰ یہ ہے کہ ہم دین کی اشاعت کرتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ دین اسلام کو بیخ دین سے اکھڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اے خدا تو مسلمانوں کو ان کے زیر دست چھینک سے بچا۔ اِنَّمَا اشْكُو بَئِثًا وَجُنُودَ اِلٰہِ اللہ یعنی میں اپنے اہل اور نعم کی شکایت اللہ ہی طرف کرتا ہوں۔

ختم شد کتاب عقائد توشیحی

# مَنَاجَاتُ امیرِ مومنین

|                                |                                |
|--------------------------------|--------------------------------|
| چارہ سازی کر کہ میں بچ پارہ ہم | اے میرے نبی بہت آوارہ ہم       |
| راہِ حق سے نہیں بہت بھٹکے ہوئے | عمر بھر شیطان کی راہیں چلے     |
| مجھ سے اُمیدِ ہدایت ہے ہمیں    | تجھ سے توفیقِ ہدایت ہے ہمیں    |
| کشتیِ اسلام ہے منجھدھار میں    | دانہائے سجدہ ہیں زنار میں      |
| ہم مسلمانوں کی حالت ہے تباہ    | رات دن کرتے ہیں ہم جرم و گناہ  |
| اعتقاد اپنا شریعت کے خلاف      | اہل حق سے ات دن ہم کو مضام     |
| اے خدائے قادر و دانا حکیم      | اے کہ تیری ذاتِ لافانی قدیم    |
| ٹٹماتا ہے دیاِ اسلام کا        | کون اُکسائے اسے تیرے سوا       |
| دینِ وہ جس نے غیر کو اپنا کیا  | آج خود اپنوں میں ہے اُن کے پیا |
| صدقہٴ حضرت رسولؐ ہا شہسی       | راہِ حق کی کر عنایت پیروی      |

غیر لوگوں میں ہمیں رُسوانہ کر

از طفیل حضرت خیمہ البشر

تَمَامُ شُدْ



# تکملہ کتاب عقائد توپشتی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## دیباچہ

بعد حمد و نعت کے کہتا ہے ترجمہ رسالہ ہذا فقیر یہ بضاغتہ اختر محمد نقشبندی  
مجذبی رامپوری متوطن شہر برہان پور کہ جب میں رسالہ عقائد توپشتی کے ترجمہ سے  
بفضل خداوند عالم غایغ ہوا۔ اور اس پر نظر ثانی کی تو رسالہ مذکور میں اکثر مسائل ایسے  
نظر آئے۔ جو نہایت بسیط و شرح تھے۔ اور بعض مسائل ایسے نکھائی دیتے جو نہایت  
وجیز و مختصر تھے پس میں نے ضروری خیال کیا کہ مسائل مختصرہ کو معدولائل و استدلال کے  
علیحدہ ایک تکملہ کی صورت میں کتاب کے آخر لگا دوں۔ تاکہ طالبین کو پورا استفادہ ہو  
اسی ضمن میں بعض ایسی ضروری باتیں اور اہم مسائل بھی کتب معتبرہ سے بیان کر دیئے ہیں جو  
اصل کتاب میں موجود نہیں۔ اور وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن سے مصنف نے تعرض  
نہیں کیا۔ اور وہاں صرف اشارات سے کام لیا ہے۔ دوسرے وہ جن کا وہود مصنف  
علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں نہیں تھا۔ اور بعد کو پیدا ہوئے ہیں۔ ضروری اباحت کی تشریح  
و تصحیح تو حاشیہ ہی میں کر دی ہے اور یہاں بالتشریح اباحت و جہیزہ کو لکھا ہے۔ ہر ایک  
چیز کے ساتھ ساتھ نشان صفحہ بھی لکھ دیا ہے تاکہ اصل کتاب سے دیکھنے میں قوت



نہ ہو۔ انشاء اللہ ناظرین اس تکملہ کو نہایت مفید پائیں گے۔ جناب باری سے استدعا ہے کہ وہ اصل کتاب کی مانند اس تکملہ کو بھی طالبان حق کے لئے فائدہ مند اور مقبول عام کرے۔ وھوالخامون \*

فائدہ (۱)

## تمہیدِ طالب و تحصیلِ مآرب

قَالَ أَهْلُ الْحَقِّ حَقَائِقُ الْأَشْيَاءِ ثَابِتَةٌ مَا تَرْتَمِمْ عَقَائِدَ اِرْجَاسٍ  
 کیا یہ اعتقاد پر ہے کہ ہر چیز کیلئے ایک حقیقت ہے نفس الامر میں جو قطع نظر علم و  
 اعتقاد مردم سے ثابت و واقع ہے۔ لہذا اہل الحق یعنی پیروانِ اقدم بقدم طریقہ محمدی اور  
 صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کے جو مقلب بہ نقب اہل اسنت و الجماعت ہیں۔ فرماتے  
 ہیں کہ دنیا کی ہر ایک موجودہ چیز کی (کیونکہ معدوم اُن کے نزدیک کوئی شے نہیں ہے)  
 حقیقت ہے جس سے کسی ذی عقل کو انکار نہیں ہو سکتا یعنی آگ آگ ہے پانی پانی سُر  
 سُر ہے۔ اور گرم گرم۔ اس کی حقیقت نفس الامر میں موجود و ثابت ہے۔ نہ مجرد وہم و خیال  
 جیسا کہ فرقہ سفسطائیہ کا خیال ہے کہ اس فرقہ کے بعض لوگ عالم کو محض گمان و خیالات  
 کہتے ہیں۔ اور ماہیت حقیقتِ اشیاء سے انکار کرتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ چیزوں کی  
 حقیقت نفس الامر میں ثابت نہیں صرف اعتقاد سے متعلق ہے پس اگر ہم کسی چیز کو جو ہر  
 مان لیں تو جو ہر ہے۔ اور اگر عرض اعتقاد کریں تو عرض۔ اسی طرح اگر ہم آگ کو پانی تصور  
 کریں۔ تو پانی ہے۔ اور اگر پانی کو اب یقین کر لیں۔ تو آگ حکم عقل و شرع کی رو سے  
 باطل دیا وہ ہے۔ اس فقرہ کے کچھ لوگ ایسے ہیں جو ہر چیز کے ہونے یا نہ ہونے میں  
 شک کرتے ہیں بلکہ اپنی شک میں بھی شک کرتے ہیں۔ وہاں جراً فرقہ سفسطائی کے پہلے  
 گروہ کو عناد دیہ دوسرے کو عندیہ اور تیسرے کو لاوریہ کہتے ہیں \*

دلیل دستند لال کے ساتھ ان لوگوں کو الزام دینا اور قائل کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ  
 وہ دلائل و دستندالات سے بھی انکار کرتے ہیں۔ پس ان کے جواب دینے اور ملزم کرنے  
 کے لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اُن کو کپڑا کر آگ میں ڈال دیا جائے۔ پس اگر ان کو آگ نے  
 جلا دیا۔ تو فوہ المراد۔ اور اگر آگ میں گر کر اس کی گرمی سے نکل بھاگے تو آگ کی حقیقت کچھ

خود بخود معترف ہو جائیں گے۔ ہمارے زمانہ میں اگر اس قسم کے لوگ پائے جائیں تو ان کی اس تمام مزخرفات کا جواب یہ ہے کہ بجائے ان کے ملزم کرنے کے ان کی جائزیت خاموشی اختیار کی جائے۔ اور ان کی جمالت کو انہیں کے حوالہ کیا جائے۔ عقلمند خود حقائق اشیاء کے خود معترف ہیں۔ صرف چند نادانوں کے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے؟ وَاللّٰهُ بِمَا مَيَّلُوْا لَمْ يَخْفُفْ اور ان اشیاء کا علم خارج میں امر شدہ ہے یعنی ہر شخص جانتا ہے کہ جو ہر جوہر ہے۔ اور عرض عرض اور حادث حادث ہے۔ قدیم قدیم۔ جو ہر عرض نہیں ہو سکتا۔ اور نہ عرض جوہر ہو سکتا ہے۔ اسی طرح حادث قدیم نہیں ہو سکتا اور نہ قدیم حادث ہو سکتا ہے۔ وَ اَسْبَابُ الْوَلَدِیْنَ ثَلَاثٌ اور کسی چیز کی اصل حقیقت دریافت و معلوم کرنے کے لئے تین اسباب ہیں جو مخلوقات کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ کا علم سبب کی احتیاج نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ عالم بالذات ہے نہ عالم بالغیر الحواس السلیمۃ پہلا سبب وہ حواس ہیں۔ جو نقص سے خالی اور آفات سے سالم ہوں۔ وَالْخَبْرُ الصَّادِقُ دوسرا سبب خبر صادق ہے۔ وَالْعَقْلُ اور تیسرا سبب عقل ہے۔

أَمَّا الْحَوَاسُ فَخَمْسٌ لیکن حواس کی پانچ قسمیں ہیں۔ اول سمع (سننا) دوسری بصر (دیکھنا) تیسری شمع (سونگھنا) چوتھی ذوق (چکھنا) پانچویں لمس (چھونا) وَلِكُلٍّ مِنْهَا تَوْقِفٌ عَلَى مَا وَضَعَتْ رَہی کہ۔ ان حواس خمسہ میں سے ہر ایک حس ہی دریافت کر سکتا ہے۔ جس کے لئے وہ بنایا گیا ہے۔ تو قوت سامعہ صرف آوازوں کی حقیقت و کیفیت معلوم کر سکتی ہے۔ اور باصرہ دیکھنے کے ذریعہ صرف الوان رنگوں کی پہچان کر سکتی ہے۔ ایسا نہیں کہ سامعہ باصرہ کا کام کر سکے۔ اور باصرہ سامعہ کی مانند آوازوں کی حقیقت معلوم کر سکے۔ یہی حال دوسری قوتوں مذکورہ کا ہے۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ قوت ذائقہ تو حرارت و برودت وغیرہ کا بھی ادراک کر سکتی ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ حرارت و برودت وغیرہ کی ماہیت کا دریافت کرنا لمس کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ جو تمام بدن میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور وہ ذوق میں موجود ہے۔ پس ذائقہ نے حرارت و برودت کا ادراک نہیں کیا۔ یہ ادراک لمس کا ہے۔ نہ کہ ذائقہ کا۔



وَالْخَبَرُ الصَّادِقُ عَلَى نَوَعَيْنِ اور خبر صادق کی دو قسمیں ہیں۔

أَحَدُهُمَا الْجَبَبُ الْمَتَوَاتِرُ پہلی قسم خبر متواتر ہے۔ جو پہلے درپے یکے بعد دیگرے پہنچی ہو۔ وَهُوَ الْخَبَرُ الثَّابِتُ عَلَى السِّدَّتِ قَوْمٌ لَا يَتَصَوَّرُ تَوَاطُّهُمُ عَلَى الْكِبَرِ اور یہ خبر ہے جو ایسی قوم کے اخبار و اتفاق سے ثابت ہو جس کا کذب پر اتفاق کرنا تصور میں نہ آ سکے۔ پس اس قسم کی خبر موجب علم ضروری کے ہوتی ہے کہ اُس میں شک و گمان کو بالکل دخل نہیں رہتا جیسے گذشتہ سلاطین و ملوک کے حالات جو سنیں ماعینہ میں افع ہوئے ہیں۔ اور دُور دُور سے شہروں کے واقعات جو وقتاً فوقتاً پیش آتے رہتے ہیں۔ اگر یہ حالات واقعات ہم کو مشروط کتب مذکورہ کے ساتھ پہنچے ہیں۔ تو ان سے علم یقین حاصل ہو جاتا ہے وَالشَّوْخُ الثَّانِي خَبَرُ السُّؤْلِ الْمُؤَيَّدِ بِالْمُعْجَزَةِ اور خبر صادق کی دوسری قسم ایسے رسول کی خبر ہے جو معجزہ کے ساتھ تقویت دیا گیا ہو۔ یعنی اس کی رسالت معجزہ کے ذریعہ ثابت ہوئی ہو۔ اور رسول اُس مؤید بزرگ کو کہتے ہیں جس کو خدا تعالیٰ نے مؤید یا المعجزہ کر کے خلق کی طرف بھیجا ہو۔ تاکہ وہ احکام الہیہ مخلوق کو پہنچا دے۔ اسی کو نبی کہتے ہیں۔

لیکن بعض علمائے نبی و رسول میں تفریق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول وہ ہے جس پر کتاب نازل ہو۔ اور نبی وہ ہے جس پر کتاب نازل نہ ہو۔ بلکہ وہ اپنے رسول کی کتاب منزل من اللہ کے مطابق خلق اللہ کی ہدایت کرے۔ و سیاقی تقریر کا انشاء اللہ اور خبر رسول موجب علم استدلالی کے ہوتی ہے۔

وَالْعِلْمُ الثَّابِتُ بِهِ يُبَيِّنُ هِيَ الْعِلْمُ الثَّابِتُ بِالْظُّهُرِ فِي الْبَيِّنَاتِ وَالثَّبَاتِ اور یہ علم جو رسول کی خبر سے حاصل ہوا یہ بھی مانند اُس علم کے ہے جو بصورت ثابت ہوا یقین اور ثبات میں۔ یعنی اس علم میں بھی کسی قسم کے شک و شبہ کو دخل نہیں ہوتا جس طرح خبر متواتر کے علم میں گمان کذب کا نہیں ہوتا۔ وَآمَّا الْعَقْلُ فَهُوَ سَبَبُ الْعِلْمِ أَيْضًا رہتی میسرے قسم ابواب علم کی یعنی عقل تو وہ بھی علم حاصل ہونے کا سبب ہے۔ پس اس میں سے جو علم بالمہدایت حاصل ہو۔ وہ علماء کلام کی اصطلاح میں علم ضروری کہلاتا ہے۔ جیسے اس بات کا علم

کہ ہر ایک چیز کا جزو اُس کے کل سے چھوٹا ہے۔ اور اُس میں سے جو علم استدلال کے ذریعہ حاصل ہو۔ اُس کو اکتسابی کہتے ہیں۔ جیسے دُہواں دلیل ہے اگل کے وجود کی ۔  
 وَالْاَلْهَامُ لَيْسَ مِنْ اَسْبَابِ الْمَعْرِفَةِ لِصِحَّتِهِ اَلْشَّيْءُ عِنْدَ  
 اَهْلِ الْحَقِّ اور اہل حق کے نزدیک الہام کبھی چیز کی صحت کے لئے اسباب معرفت سے نہیں ہے۔ وَالْعَالِمُ بِجَمِيعِ اجْزَائِهِ مُحَدَّثٌ اور عالم اپنے تمام اجزاء کے ساتھ حادث ہے یعنی خدا کے سوا تمام چیزیں حادث ہیں کہ ہستی سے ہستی میں آئی ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اُن کو وجود بخشا ہے۔ اور یہ تمام چیزیں قابلِ فنا ہیں۔ لَا شَيْءٌ هُوَ اَعْيَانٌ وَاَعْرَاجُنَّ اس جہت سے کہ عالم دو حال سے خالی نہیں۔ اُس کی بعض چیزیں اعیان ہیں۔ (قائم بذاتہ) اور بعض چیزیں اعراض ہیں۔ (قائم بغیرہ)۔ پھر وہ چیز جس کا قیام اُس کی ذات سے ہے۔ اور محتاج بحمل و مکان نہیں دو قسم، یا تو مرکب دو چیز یا زیادہ سے۔ جیسے اجسام اور یا غیر مرکب جیسے جو اہر اور جو ہر وہ چیز ہے جو قابلِ قسمت نہ ہو۔ چنانچہ فرمایا۔ وَهُوَ الْجُزْءُ الَّذِي لَا يَتَجَزَّى یعنی چیز غیر مرکب ایسا جو وہی جو منقسم نہیں ہو سکتا۔ جیسے نقطہ ۔

وَالْعَرَضُ مَا لَا يَقْدُومُ بِذَاتِهِ اور عرض وہ ہے جو اپنے قیام میں محتاج کسی دوسری چیز کا ہو۔ جیسے صفت جو موصوف کی محتاج ہے اور عرض حادث ہوتا ہے۔ اجسام و جو اہر میں۔ پس صفات الہی عرض نہیں۔ اس لئے کہ قائم بالذات ہے۔ اور جسم و جوہر میں اُن کا حدوث نہیں ہوتا۔ مثال عرض کی ایک مثال اُن ہیں۔ جو اجسام میں عارض ہوتے ہیں اور قائم بالذات نہیں ہیں۔ دوسرے۔ اکوان یعنی چیزوں کا حصد ہونا مراد اس سے اُن کا اجتماع و افتراق اور حرکت و سکون ہے۔ تیسرے طعوم یعنی مزے خواہ کسی قسم کے ہوں جو ذائقہ کو عارض ہوتے ہیں۔ وَالْمَحْكُوتُ لِلْعَالِمِ هُوَ اللّٰهُ اور عالم کو ہستی میں لانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ جَلَّ جَلَالُهُ وَعَظَّمَ نَوَالُهُ تفصیل اس کی عقائد توریتی میں ہے ) ۔



فائدہ ۲۵

## ایمان کی کچھ اہم پرستشناخیں ہیں

متعلقہ صفحہ ۲۸

چنانچہ حدیث شریف میں ہے اَلَا يَمَانٌ يَصْنَعُ وَ سَبْعُونَ شُعْبَةً  
 اَنْضَلَجًا مَتَوَلَّاهُ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ وَ اَذْنَاهَا اِمَانَةٌ اَلَا ذِي عَنِ الطَّرِيقِ  
 یعنی ایمان کی کچھ اہم پرستشناخیں ہیں۔ اُن سب میں بزرگ ترین یہ کہنا ہے کہ اللہ  
 کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ اور سب میں ادنیٰ تکلیف دہ چیزوں کا رستہ  
 دور کرنا ہے۔ مولانا امام بیت ابو الہدیٰ نے اپنی کتاب شریعت الباہرہ میں ان شانوں  
 کو بالتفصیل ذکر کیا ہے۔ وہیں سے ہم حسب ذیل شاخیں مختصراً لکھتے ہیں :-

- (۱) کلمہ توحید (۲) تصدیق رسالت (۳) عمل جنابت (۴) وضو (۵) نماز
- (۶) زکوٰۃ (۷) رمضان کے روزے (۸) حج (۹) جہاد (۱۰) ہجرت
- فی سبیل اللہ (۱۱) استقامت فی الدین (۱۲) لزوم جماعت (۱۳)
- نصیحت (۱۴) امر معروف (۱۵) نہی منکر (۱۶) عدل (۱۷) امانت
- (۱۸) صدق (۱۹) ایمانی وعدہ (۲۰) لوگوں کو تکلیف نہ دینا (۲۱)
- خوش سلوکی اور نیکی (۲۲) صلہ رحمی (۲۳) حمان نوازی (۲۴) حقوق
- ہمسایہ (۲۵) کلمہ خیر کے سوا ہر بات سے خاموشی (۲۶) غیرت (۲۷)
- تقویٰ (۲۸) لغویات سے کنارہ کشی (۲۹) ورع (۳۰) قناعت (۳۱)
- دل اور زبان کا ایک ہونا (۳۲) خدا کی صفات و اسماء پر ایمان لانا۔
- (۳۳) قضا و قدر پر ایمان لانا (۳۴) انبیاء و رسل پر ایمان لانا (۳۵) کتب
- الہی پر ایمان لانا (۳۶) جنوں اور شیطانوں کے وجود پر ایمان لانا۔
- (۳۷) کلمہ گو کو کافر نہ کہنا (۳۸) سنت نبوی پر چلتا (۳۹) اخلاص فی
- الدین (۴۰) توبہ (۴۱) صبر (۴۲) شکر (۴۳) زہد (۴۴) توکل (۴۵)
- رضا (۴۶) خوف خدا (۴۷) رجا (۴۸) حب فی اللہ (۴۹) بغض فی
- اللہ (۵۰) حیا (۵۱) حسن خلق (۵۲) خدا کے حاضر و ناظر ہونے پر

اعتقاد (۵۳) یہ اعتقاد کہ خدا میرے تمام اعمال پر مطلع ہے (۵۴) بایوسی اور نوبیری کو ترک کرنا (۵۵) حد سے دُور رہنا (۵۶) ہمیشہ ذکرِ خدا کرنا۔ (۵۷) علم حاصل کرنا اور پھیلانا (۵۸) لغو سے بچنا (۵۹) کفر سے نفرت کرنا (۶۰) تواضع (۶۱) روزِ آخرت پر ایمان لانا (۶۲) جنت کے وعدوں پر پختہ یقین رکھنا (۶۳) دوزخ کا پورا اعتقاد رکھنا (۶۴) علاماتِ نبوت پر ایمان لانا (۶۵) احوالِ قبر پر ایمان لانا (۶۶) احوالِ عالمِ برزخ (۶۷) پلصراط پر ایمان لانا (۶۸) میزان پر یقین لانا (۶۹) حساب پر ایمان لانا (۷۰) شفاعت پر ایمان لانا (۷۱) حوضِ نبوی پر ایمان لانا (۷۲) دیدارِ الہی (۷۳) ظلم اور ظالموں سے بھاگنا (۷۴) شاہِ وقت کی اطاعت (۷۵) مردت (۷۶) راستہ سے ہزر رساں چیزوں کو دُور کرنا ۔

ایمان کی جتنی شاخیں اوپر بیان ہوئیں۔ یہ اور ان کے سوا جو کچھ بھی ہیں۔ سب کمالِ ایمان پر دال ہیں۔ یعنی ایمان کا مل کسی شخص کو جب حاصل ہوتا ہے کہ اُس میں مومنین کی جملہ صفات حسنہ پائی جائیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے اَلْمُؤْمِنُ مَنْ سَلَّمَ اَلْمُؤْمِلُوْنَ مِنْ يَدَيْهِ وَ لَيْسَ اَيْهِ یعنی مومن کا مل وہ ہے جس کے ہاتھ سے اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں۔ مومن کی ایک سب سے بڑی اور اعلیٰ صفت اس حدیث میں بیان فرمائی ہے اَلْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَ دِيَارِهِمْ یعنی مومن وہ ہے جس کو لوگ اپنے مالوں و جاہوں کا امین بنائیں ۔

خیال کرنا چاہئے کہ وہ شخص کیسا کمال مومن ہوگا۔ جس پر تمام نوعِ بشر کو عام اس سے کہ وہ مشرک ہو یا مومن اس قدر اعتبار ہو کہ وہ اس کو اپنی جان و مال کا امین اور محافظ بنا دے۔ یہ اسلام تو دینِ اولیٰ کے مقدس نفوس کا تھا۔ کہ ان کے اوصافِ حمیدہ اور ذمات و تقویٰ اور دین و عدالت وغیرہ کو دیکھ کر غیر مسلم لوگوں کا بھی اُن پر ایسا اعتماد و بھروسہ تھا۔ کہ ان کو اپنی مال و جان کا امین بناتے۔ اور اُن کی حکومت سے جدا ہونے کو دل سے ناپسند کرتے تھے۔ اب رہا اصل دینِ اسلام جس کے بدوں کوئی مسلم یا مومن نہیں کہا جاسکتا۔ اُس کے تین درجے ہیں۔ اسلام ایمان اور ایمان



اسلام کے باب میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے۔  
 اَللّٰهُمَّ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ  
 وَ تَقْبِلَ الصَّلَاةَ وَ تَوَفِّيَ الزَّكَاةَ وَ تَصُوْمَ رَمَضَانَ وَ تَخْرِجَ الْبَيْتَ  
 اِنْ اَسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَيِّدِيؕ یعنی اسلام یہ ہے کہ تو گو اہی سے اس بات کی  
 کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے  
 رسول ہیں۔ اور قائم کرے نماز کو۔ اور ادا کرے زکوٰۃ کو۔ اور روزے رکھے رمضان  
 کے۔ اور حج کرے خانہ کعبہ کا۔ اگر تجھ میں وہاں پہنچنے کی استطاعت ہو۔

اور ایمان کی نسبت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے اَنْ تُوْمِنَ  
 بِاللهِ وَ مَلٰئِكَتِهِ وَ كُتُبِهِ وَ رُسُلِهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ وَ تُوْمِنَ بِمَا  
 نَزَّلَ رَحِيْمٌ ۙ وَ شَرَّ ۙ یعنی ایمان لائے تو اللہ پر اور اس کے فرشتوں  
 پر اور اس کی کتابوں پر، اور اس کے رسولوں پر، اور روز آخرت پر، اور ایمان لائے  
 تو نبی اور بدی کے اندازہ کرنے پر کہ تقدیر خیر و شر خدا کی طرف سے ہے۔  
 اور احسان کی نسبت آپ نے فرمایا اِنْ تَعْبُدُوْا اللهَ كَمَا نَاكَ شَرَّ اَھ  
 فَاِنْ لَّحُوْا تَكُنْ شَرَّ اَھ فَاِنْ تَكُنْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ يَعْبُدُ اللهَ كَمَا نَاكَ شَرَّ اَھ  
 تو اس کو دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تو اس کو نہیں دیکھتا۔ تو وہ تجھے دیکھ ہی رہا ہے۔

فائدہ ۳۵

## خالق عالم کی شناخت میں

متعلقہ صفحہ

حضرت شیخ شہاب الدین توحیدیؒ نے اپنی کتاب عقائد میں بتی باری تعالیٰ کے  
 ثبوت، اور خالق عالم کی شناخت کے متعلق دو قسم کے دلائل بیان کئے ہیں۔ دلائل نفس  
 اور دلائل آفاق، ہم ان دونوں قسم کے دلائل کو ذرا وضاحت سے بیان کرنا چاہتے  
 ہیں۔ لیکن قبل اس کے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ غور و فکر اور تدبیر کی تعریف کریں کیونکہ  
 دلائل مذکورہ کی حقیقت پر پہنچنے کا یہی ایک بڑا ذریعہ ہے۔ لہذا ہم کہتے ہیں کہ خدا  
 تعالیٰ نے کئی مقام پر تدبیر و فکر کی تعریف فرمائی ہے۔ اور حضرت رسول خدا صلی اللہ

علیہ السلام نے بھی اس کی صفت اور اس سے عمدہ نتائج حاصل کرنے کا ذکر کئی آیات میں کیا ہے ۔

معتبر کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر بزرگانِ دین صرف تدبیر و فکر کے ذریعہ بڑے بڑے مباحِ عالیہ پر ناز ہوئے ہیں۔ اسی واسطے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ تَفَكَّرْ سَاعَةً حَتَّىٰ تَكُونَ عِبَادًا لِلَّهِ سِتِّينَ سَنَةً ایک ساعت کا فکر کرنا ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ اسے ثابت ہوا کہ تفکر فی الآء اللہ بڑی فاضل چیز ہے ۔

قرآن کریم میں ہے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّاُولِيْ التَّوْحِيْدِ یعنی اس کے اندر عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں کہ وہ ان پر غور کر کے خالقِ عالم کی شناخت آسانی سے کر سکتے ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا۔ اَوْ لَعَلَّكُمْ يَكْنُظُوْنَ اِذَا فِي السَّمٰوٰتِ السَّحَابِ اَنْزَلَ مِنْهُ مَآءً سَلٰلًا فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَلْقًا مُّكْتَفٍ فَاِذَا فِي السَّمٰوٰتِ السَّحَابِ اَنْزَلَ مِنْهُ مَآءً سَلٰلًا فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَلْقًا مُّكْتَفٍ فَاِذَا فِي السَّمٰوٰتِ السَّحَابِ اَنْزَلَ مِنْهُ مَآءً سَلٰلًا فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَلْقًا مُّكْتَفٍ۔ ان میں غور و فکر کرنے اور اس پر رعبہ ہستی واجب الوجود کی معرفت پر پہنچنے کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاَكْبَادِ كَيْفَ خَلَقَتْ وَاِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ وَاِلَى الْاَعْلَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ یعنی کیا وہ نہیں دیکھتے۔ اونٹوں کی جانب کہ وہ کس طرح پیدا کئے گئے ہیں۔ اور آسمان کی جانب کہ وہ کیونکر بلند کئے گئے ہیں۔ اور پہاڑوں کی جانب کہ وہ کیسے قائم کئے گئے ہیں اور زمین کی جانب کہ وہ کس طور پر بچھائی گئی ہے۔ غرض بہت سی آیات ہیں جن سے غور و فکر کی فضیلت اور اس کے ذریعہ خداوندِ عالم کی شناخت کی راہ مل سکتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت نماز پڑھنے تو زار زار روتے۔ میں نے عرض کیا اے حضور! آپ کیوں روتے ہیں۔ خدا نے آپ کے لگنے پھلے ذنوب معاف کر دیئے ہیں۔ فرمایا اے عائشہ میں کس لئے نہ رہوں کہ مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالاختلافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ الْيَوْمِ اٰيَاتٍ لِّمَنْ يَّرْىٰ اٰيَاتِ اللّٰهِ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالاختلافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ الْيَوْمِ اٰيَاتٍ لِّمَنْ يَّرْىٰ اٰيَاتِ اللّٰهِ۔ اے اللہ کے اختلاف میں ذی عقل اصحاب کے لئے بہت نشانیاں ہستی باری تعالیٰ کی



موجود ہیں پس اس شخص پر کہ یہ آیت پڑھے اور غور و فکر سے کام نہ لے۔  
 اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنی آنکھوں کو عبادت سے نصیب  
 دو عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ! یہ کس طرح۔ فرمایا آنکھوں کی بڑی عبادت یہ ہے کہ قرآن  
 کریم کی تلاوت کی جائے۔ اور آیات الہی میں فکر و تامل سے کام لیا جائے۔ اور اس  
 کی عجائبات سے عبرت پکڑ لی جائے۔ حضرت ابوسلیمانؓ فرماتے ہیں کہ دنیا کی فکر عبادت  
 کو زیادہ کرتی ہے۔ اور آخرت کی فکر حکمت و دانائی عطا کرتی ہے۔ اور اس سے دل زندہ  
 ہوتے اور قلوب تازگی پاتے ہیں۔ بعض اولیائے کرام رحمہم اللہ کے حالات میں لکھا ہے  
 کہ فکر میں اس درجہ مستغرق ہوتے کہ اس وقت دنیا و مافیہا بلکہ اپنی ہستی وجود تک کی  
 انہیں مطلق خبر نہ رہتی۔

## فکر کرنے کی ترکیب

فکر کرنے کی ترکیب یہ ہے کہ خلوت میں بیٹھ کر نہایت خاموشی اور ادب کے  
 ساتھ عجائباتِ عالم اور نیز اپنی خلقت پر نظر غائر کرے۔ اور خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ  
 جل جلالہ نے مجھے کیوں اور کس لئے پیدا کیا ہے۔ اور دنیا کا اتنا بڑا عظیم انسان  
 کا رخا نہ کس غرض سے ظہور میں لایا گیا ہے۔ یہ تو ایک نہایت حسرت و پھر خیال ہے  
 کہ دنیا خود بخود بدوں مدد و تخلیق کسی صانع کے وجود میں آگئی ہو۔ اور اس کی نہ ابتدا  
 ہو نہ انتہا۔ اور یہ بھی ایک ریکڑ ہے کہ میں صرف اس لئے عالم بروز میں لایا  
 گیا ہوں کہ تمتعات و لذات دنیاوی سے چند روز تک بہرہ مند رہوں اور جمع مال مثال  
 میں منہمک رہ کر دنیا سے اس طرح رخصت ہو جاؤں کہ اس کے بعد مجھے خداوند عالم سے  
 کوئی سروکار اور کسی قسم کا رہ جانی یا جسمانی تعلق نہ رہے۔ مجھے نہ تو کسی کو اپنے اعمال کا  
 حساب دینا پڑے۔ اور نہ میرے ذمہ کوئی بازخواست ہو۔ انسانی زندگی صرف دنیا  
 تک محدود ہو۔ اور اس کے بعد کوئی تجدید زندگی محصل نہ ہو۔ یہ تمام خیالات وہی  
 اور اوپر پری نظر والوں کے ہیں۔ جو اکثر نادانوں کے دلوں میں گدگداتے ہیں۔ وہ اگرچہ  
 خود کو بڑا عقلمند خیال کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں ان سے زیادہ اور کوئی بیوقوف  
 نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنی زندگی کی وقعت حیوانات سے زیادہ نہیں سمجھتے۔ اور

اور اپنے حق میں کونوا شرابا کا ردیل نتیجہ نکالتے ہیں۔ غرض ہوشیار آدمی کو ایسا خیال ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔ اور غور و فکر کے ذریعہ ہمیشہ اصل مقصد یعنی شناخت واجب الوجود پر پہنچنا چاہئے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ ذات الہی میں فکر کرنا منع ہے۔ بلکہ اس کی مخلوق میں فکر کرنا چاہئے۔

## دلائل نفس

قرآن شریف میں شناخت واجب الوجود کے لئے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ دو قسم دلائل یاد کئے گئے ہیں۔ دلائل نفس اپنی ذات و صفات پر غور کر کے معرفت الہی پر پہنچنا اور دلائل آفاق جس سے مراد یہ ہے کہ عالم کائنات کی چیزوں پر نظر عمیق دوڑا کر شناخت خالق عالم کی حاصل کرنا۔ لیکن پہلی قسم استدلال سہل تر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کئی مقام پر انسان کو اسی قسم کے استدلال کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ایک جگہ فرمایا وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَاءَ تَبْذُرُونَ یعنی اللہ تعالیٰ کی شناخت کے دلائل آیات خود تمہاری ذاتوں میں موجود ہیں۔ تو تم دیکھتے کیوں نہیں دوسری جگہ فرمایا بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ وَلَوْ أَلْفَىٰ مَعَادٍ يَرَىٰ ذُنُوبَهُ بَلْ لَئِنْ رَأَىٰ بَصِيرَتَهُ لَعَادَىٰ رَبَّهُ عَدَاةً مُّبِينَةً انسان اپنی ذات پر بصیر ہے۔ اگرچہ وہ اپنی سستی و غفلت سے اپنے کو اس بصارت سے معذور اور بیکار رکھے۔ اور ایک جگہ فرمایا۔ أَعْرَفَ لِنَفْسِكَ تَعْرِفَ رَبَّكَ اپنی ذات کو پہچان لے کہ اس کے ذریعہ تجھے رب کی معرفت ہو جائے گی۔

اور حدیث میں ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ جس شخص نے اپنے نفس کی معرفت کر لی۔ تحقیق اُس نے اپنے رب کی معرفت لی۔ اس معرفت کی ترکیب یہ ہے کہ انسان ہر وقت اپنے اقوال اور اعمال ظاہری و باطنی کا احتساب کرتا رہے پس اُن میں جو کچھ ردائل ہیں۔ اُن کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ اور جو خوبیاں و حامد ہوں۔ اُن کے حاصل کرنے کی جانب رجوع ہے۔ چنانچہ جب اپنے اعضائے ظاہری میں مثلاً گوش و چشم و زبان و دست و پا وغیرہم کو دیکھے کہ وہ خالق عالم کی اور شارع علیہ السلام کی عرض و ارشاد کے خلاف جنبش کرتے ہیں تو انہیں بیجا حرکت سے روکے۔ اور اُن سے وہی کام بے جو خدا اور رسول کی منشا کے موافق اور عین مطابق رہا ہو۔ اسی طرح باطنی خرابیاں حسد و



بعض ذکینہ نعمت و افترا حرص و طمع کو کھونے میں اُس کی سعی مہذول رہے۔ یہ غور و فکر اس شخص کے لئے مفید ہے جو توحید و رسالت کا مقر و معترف ہے۔ لیکن وہ شخص جو ہر سے خدا کی ذات و صفات ہی کا منکر ہے نہ اپنی کتاب ہستی کا مطالعہ اس طرح کرے کہ اس کی خلقت میں جو صنائع و بدائع رکھے گئے ہیں۔ ان میں سے کسی بھی صفت کو بغیر اُس پر غور کی نظر کئے نہ چھوڑے۔ اور پھر خیال کرے کہ باوجود احسن النقص و کم کی تسلیت میں اخل ہونے اور باوجود اس اختیار عظیم کے وہ کیسا بے بس اور مجبور ہے کہ اگر ایک حجر یا کھٹی اُس کو پریشان کرنا چاہے تو وہ اس کو ہرگز دفع نہیں کر سکتا۔ اُس کے بعد سب سے عزیز الوجود چیز دل ہے جس پر مدار زندگی کافی ہے۔ تو اُس کی یہ حالت ہے کہ دن رات کے تمام بیداری کی ساعتوں میں اس کو کبھی اور کسی ساعت بھی قرار نہیں۔ اُس کی مثال ایسی ہے کہ جنگل میں ایک خشک پتھر پڑا ہے۔ اور زور کی آندھیاں چل رہی ہیں کہ کبھی وہ اُس پتھر کو کبھی ایک قرار پر نہیں پہنچنے دیتیں۔ پس ثابت ہوا کہ اُس کے دل کا یہ تغیر اور ساعت بساعت انقلاب حالت اُس نے نہایت سیر سے باہر ہے۔ بلکہ ایک ضروری چیز دفع مضرت اور جلب منفعت پر بھی جو اُس کی طرح عام حیوانات کو بھی دی گئیں ہیں۔ وہ اپنی مرضی کے موافق قادر نہیں۔ لہذا اُس سے قوی تر قادر و قاهر کا ہونا ضروری ہے۔ اور انسان کی ساری کل اُسی ایک کے دست قدرت میں ہے۔ اس طریق پر انسان اگر اپنی خلقت میں غور کرے۔ اور جیسی کہ اُس کی عادت ہے اپنی ساخت اور کائنات کی خلقت کو سرسری نظر سے نہ دیکھے۔ تو بہت جلد اس کو صدق دل سے اس بات کا اعتراف کرنا پڑیگا۔ کہ ہستی واجب الوجود کا اقرار انسان کی بڑی سعادت اور اصلی شرافت ہے۔

ہم یہاں آسانی سے سمجھ میں آنے کے لئے سوہ دہر کی چند ابتدائی آیتیں نقل کرتے ہیں جس میں انسان کو اُس کی ہستی کی جانب نظر عائر ڈالنے پر توجہ دلائی گئی ہے۔ اور پھر بتایا گیا ہے کہ ہمیں نے اس کو باہیمہ خوبی مائے بکیراں پیدا کیا ہے۔ چنانچہ وہ آیت یہ ہیں۔ هَلْ اَتَىٰ اَعْلٰیٰ اَرْحٰسٰکَ حٰیثُ مِنْ الدَّهْرِ لَکَ یٰکُنْ شَیْئًا مِّنْ کَوْنٍ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْہِ فَعَدَلْنَاکَ سَمِیْعًا یَّصْبِرْ کَافَرًا یَا اِنْسَانَ پَر اِیْکَ اِیْسا زمانہ بھی گزرا ہے کہ اُس کے متعلق کوئی شے مذکور نہیں تھی۔ ہمیں نے اُس کو ایک ایسے نطفے سے پیدا کیا۔ جو مختلط اور دوہم آمیختہ

ہے۔ اس لئے کہ اس کو آزمائیں کہ وہ ہماری شناخت اور ہماری عبادت کرتا ہے۔  
یا نہیں) تو ہم نے اُس کو سنتا اور دیکھتا کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ اُس  
وقت نہ تو انسان کو وجود ذہنی حاصل تھا اور نہ وجود لفظی یعنی اُس کا نام تک فرشتوں  
اور جن غیر کی زبان پر جاری نہ تھا۔ بالکل نیست و نابود تھا۔ پھر ہم ہی نے اُس کو لفظ  
مخلط اور مرکب سے پیدا کیا ۰

## انسانی ہستی کی ابتدا

اس آیت شریف میں غور کرنے سے کسی نصیحتمیل سکتی ہیں۔ اول یہ کہ انسان  
کوئی ایسی ہستی نہیں ہے کہ اس کی خلقت کی کوئی ابتداء نہ ہو۔ اور وہ ہمیشہ سے اسی طرح  
پیدا ہوتا چلا آتا ہو جیسا کہ فلاسفہ کا قول ہے کہ انسانی ہستی کی کوئی ابتداء نہیں۔  
اور وہ ہمیشہ سے پیدا ہوتا چلا آتا ہے یعنی یہ سلسلہ ہمیشہ سے جاری ہے کہ نقطہ سے  
انسان اور انسان سے نقطہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کی نہ کوئی ابتدا ہے۔ اور نہ انتہا ہوگی۔  
اور نہ کبھی اُس کے خلاف واقع ہوا ہے۔ اور نہ آئندہ ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی ترویج  
میں فرماتا ہے کہ اُن کا یہ قول غلط ہے بلکہ ایک وقت ایسا تھا کہ انسان کی صورت و شکل  
تو دوسری بات ہے۔ اُس کا نام و نشان تک بھی نہ تھا۔ ہم نے اس کی ابتدا اس طرح  
کی کہ سب سے پہلے آدم علیہ السلام کو کھنکھاتی مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اُس میں روح ڈالی۔ اُس  
کے بعد اُن کی بیوی حوا کو اُن کے بائیں پہلو سے پیدا کیا۔ بعد ازاں ہم نے یہ سلسلہ  
جاری کر دیا کہ قطرہ منی ناپاک اور گنہگار سے انسان کو پیدا کرتے ہیں۔ یہ بھی ہماری قدرت  
ہے۔ ہمارے سوا کس میں طاقت ہے پانی کے ایک قطرہ سے ایسی زیبا شکل بنائے۔  
کیا خوب فرمایا ہے ۰

وہ قطرہ را صورتے چوں پری کہ کردست بر آب صورت گری

## روح اور مادہ کی قدرامت کا ابطال

دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ انسان ابتدا میں معرّوم تھا۔ اور اُس کو کس قدر کم  
عقلی یا حسی وجود حاصل نہ تھا۔ پھر خدا ہی نے اس کو وجود عنایت کیا۔ اُس سے یہ بات



سمجھنا چاہئے کہ انسان خود بخود وجود میں نہیں آگیا ہے۔ جیسا کہ فلاسفہ اور دیگر مذاہب کے لوگ کہتے ہیں کہ دنیا ازلی ابدی ہے۔ اُس کا کوئی صانع نہیں ہے۔ رُوح و مادہ یہ دونوں چیزیں پہلے سے موجود تھیں۔ پھر کیف و انفق ان میں اتصال ہو گیا۔ اور اس طرح انسان پیدا ہو گیا۔ یہ قول بھی غلط ہے۔ بلکہ خدا فرماتا ہے کہ ہم ہی نے اپنی قدرت سے اُس کو پیدا کیا ہے دنیا اور انسان تمام حادث بالذات ہیں۔ ہم ہی اُن کو عدم وجود میں لائے۔ اور ان سب وجود عارضی ہے۔ سب کو ایک ن فنا ہے۔ باقی ہماری ہی ذات ہے۔

## بعث بعد الموت

ایک اور جگہ خدائے کریم نے انسان کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ جس سے ہر فری عقل اپنی ہستی کی حقیقت معلوم کر کے ذات الہی کی معرفت اور اُس کی عظمت و جلال کو سمجھ سکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے یَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ شَرَابٍ شَحْمٍ مِّنْ نُّطْقَةٍ شَحْمٍ مِّنْ عِلْقَةٍ ثُمَّ مِّنْ مُّضْغَةٍ مُّخْلَقَةٍ وَ عَلَيْنَا مُخْلَقَةٍ نَّبْنِيْكُمْ لَكُمْ عِیْنٍ لِّمَنْ لُّوْكَو اَکَر تَم مَرْنِیْ كَیْ بَعْدُ دَوْبَارَہُ جِی اُھْنِیْ كَیْ بَابِیْ شَکْ كَرْتِیْ ہُو (اور اُس کو محال جانتے ہو تو سمجھ لو) کہ ہم نے تم کو پہلے پل مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ سے۔ پھر خون کے ٹوٹکے سے۔ پھر پوری اور ادھوری بوٹی سے تاکہ ہم تم پر اپنی قدرت ظاہر کریں۔

اس آیت میں اہل مکہ اور تمام ان منکرین کا جواب دیا گیا ہے جو کہا کرتے تھے کہ جب ہم فنا اور ہلاک ہو جائیں گے تو پھر کبھی اُٹھنے کے نہیں۔ اور ہمارا قبر سے اُٹھنا مرنے کے بعد بالکل ناممکن ہے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اوج حقیقت میں کوئی چیز نہیں۔ جاندار صرف خون کے سہارے چلتے پھرتے اور زندگی کرتے ہیں۔ یعنی خون ہی مدار حیات ہے۔ جب خون خشک ہو گیا۔ بس یہی موت ہے۔ اس کے بعد انسان گل سڑ کر خاک میں مل جاتا ہے۔ یہ لوگ رُوح کو ایک ایسی چیز بتیں مانتے کہ وہ جسم علیحدہ ہو کر باقی اور زندہ اور قائم رہے۔ اس آیت میں انہیں لوگوں کو خیالات کی تردید کی گئی ہے۔

ایک اور بات اس آیت میں قابل غور ہے کہ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی صفت قادر ہے تو اس کی قدرت سے یہ بعید تھا کہ وہ ایک دم سے انسان کو پیدا کر دیتا۔ اور اس تدریج کی ضرورت نہ رہتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کا جواب لِنَبِّئِنَّ لَكُمْ فِي مَا نُبَيِّنُ لَكُمْ مِنْ بَيِّنَاتٍ لِّتَعْلَمُوا اَنَّ اللّهَ عَلِيمٌ عَلِيمٌ۔ چنانچہ اس کی تفسیر یوں ہے کہ لِنَبِّئَنَّ لَكُمْ بِهَذَا التَّدْرِيجِ كَمَا لَمْ يَكُنْ لَكُمْ قَدَرٌ تَعْلَمُونَ اَنَّ اللّهَ عَلِيمٌ عَلِيمٌ۔ مَّا اَبَدَاكَ بَعْنِ اَكْرَحِيْهِمْ وَقَعَةً وَّاحِدَةً مِّنْ نَّسَانٍ كَمَا يَدْرُسُ قَدْرَتِ رَكْعَتِهِمْ۔ لیکن اس تدریج اور بآہستگی پیدا کرنے میں ہماری یہ غرض پوشیدہ ہے تاکہ تم پر ہماری قدرت اور حکمت کا کمال ظاہر ہو جاتے۔ اور یہ معلوم ہو جائے کہ ہم نطفہ کو علقہ اور علقہ کو مضغہ کرنے پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ اور یہ کہ ہم انسان کو بعد اس کے ہلاک اور فنا کرنے کے پھر زندہ کرنے پر پورے قادر ہیں۔ اور یہ کہ ہر ہی شان ہے۔ ہمارے سوا کسی دوسرے کی یہ شان اور مرتبہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ہماری خلقت میں کئی طرح کی تبدیلیاں واقع ہیں۔ پہلے غذا کو نطفہ بنایا۔ پھر اس کو علقہ بنایا۔ پھر علقہ کو مضغہ کیا۔ واقعی انسان کی قدرت سے بہت بعید ہے کہ وہ ایک ہی چیز کی بدل بدل کر ایسی مختلف صورتیں بنا سکے۔ یہ ایسی قادر و توانا کی صفت ہے جس میں کسی کو مشارکت نہیں ہے۔

ایک اور آیت میں اس سے زیادہ انسانی خلقت کی تشریح فرمائی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ اِنَّ خَلْقَنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طٰیْنٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ فِيْ شَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النَّطْفَةَ عَلَقَةً وَالْعَلَقَةَ فِخْلَقْنَا الْمُضْغَةَ فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنَاهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَبَارَكُ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ یعنی یقیناً ہم نے آدمی کو خلاصہ گل سے بنایا۔ پھر اس کو قطرہ مٹی بنا کر قرار گاہ استوار (جسم دور) میں (چالیس روز تک) رکھا۔ پھر ہم نے علقہ کو بو تھڑے کی شکل میں بنایا۔ پھر ہم نے لو تھڑے کو ہڈی بنایا۔ پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا۔ پھر ہم نے اسے دوسری صورت میں دکھایا۔ (یعنی پھر ہم نے اس میں روح پھونکی) اور دوسری ضروری چیزیں مثلاً دماغ و جگر و دل و گردہ و مثانہ وغیرہ وغیرہ



بنائیں پس بزرگ ہے خدا اچھا پیدا کرنے والا :

اس آیت شریف میں انسانی پیدائش کو بڑی خوبی سے بالترتیب بیان کیا ہے اور شک نہیں کہ انسانی پیدائش کا یہی سلسلہ ہے۔ اور یہی مراتب ہیں کہ مٹی سے پہلے انسان کی غذا پیدا ہوتی ہے۔ آدمی اُس کو پکانا کھاتا ہے۔ پھر مٹا کھان کو تولیدِ غذا کے خلاصہ کے بحکم باری تعالیٰ خون و متی بناتے ہیں۔ متی کی پیدائش ہضمِ چہارم کے فضلہ سے متعلق ہے یہاں پہلی سبب لینا چاہئے کہ منی ایک مقام پر منجمد نہیں ہوتی۔ بلکہ منتشر اور تمام اعضاءِ بدن میں پھیلی ہوتی ہے۔ چونکہ خداوند تعالیٰ نے عضو مخصوص میں قوتِ شہوی کو مسلط کر دیا ہے۔ اس واسطے منی تمام اعضاء سے تحلیل ہو کر اُس سنہ سے اخراج کرتی ہے۔ اور اس قوت میں کچھ ایسی طاقت آجاتی ہے کہ ہر ایک عضو سے جذب کر کے اجزائے منی کو ایک جگہ فراہم کر دیتی ہے۔ جب قوتِ دھڑت مرد و عورت پر غالب آتی ہے۔ تو وہ محبت میں مشغول ہوتے ہیں۔ مرد کی منی صلب کے اور عورت کی منی تراٹھ یعنی سیدہ سے نزول کر کے حرم میں جاگرتی ہے۔ یہاں آکر اُس میں غلظت یعنی گاڑھا پن آجاتا ہے۔ پھر منی خون کی صورت قبول کرتی جاتی ہے۔ عورت کے حیض کا خون بھی اُس میں شامل ہوتا ہے اور عینوں میں اجتماع ہو کر ایسی غلظت آجاتی ہے کہ وہ لوہہ ٹھا ہو جاتا ہے۔ پھر وہ زیادہ بستی پر آکر بوٹی کی شکل پکڑتا ہے۔ پھر بوٹی میں زیادہ سختی آجاتی ہے۔ اور اُس میں خدا کی حکمت سے ہڈیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور ہڈیاں کے آس پاس گوشت لپٹا جاتا ہے پھر جب انسانی کالبد کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ تو اُس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے رُوح یعنی جان ڈالتا ہے۔ رُوح کی حقیقت آج تک کسی کو معلوم نہیں ہوئی۔ کہ وہ کیا ہے۔ اور کسی نے اس لایحی مسئلہ کو ابھی تک حل نہیں کیا۔ بڑے بڑے جلیل القدر فلاسفہ اس جگہ ساکت ہیں۔ اور انشاء اللہ آئندہ بھی ساکت و سامت ہی رہیں گے۔ کیونکہ خدا نے جب اپنے الوہیہ پیغمبر صلوٰۃ اللہ الیکم کو جب آپ کے لوگ رُوح کے متعلق سوال کرتے تھے رُوح کی حقیقت ظاہر کرنے سے ممانعت کی۔ اور فرمایا کہ سائلین کے جواب میں صرف یہ کہدو کہ رُوح امرِ ربی ہے۔ اور امرِ ربی کی تحقیق میں کہ اُس سے مراد کیا ہے۔ علما کو اختلاف ہے۔ چنانچہ صاحب عقائد توریشی نے اس کو بڑی تشریح سے بیان کیا ہے۔ دیکھو صفحہ ۱۹۴۔ تو پھر کس کی مجال ہے کہ اس مسئلہ را کا انکشاف کرے۔



غرض انسان اپنی عقل و انانی کے بل بوتے پر جسم انسانی کی تشریح پر ایک صد ہزار سال کا  
ہوسکتا ہے اور ہو جاتا ہے۔ مگر روح کی حقیقت سے مطلق نا بلند ہے حتیٰ کہ فلاسفہ یا تاریخ  
ریش و خیش و عوائے باطل انانی خود اس بات کے معترف ہیں کہ ہمیں روح کی حقیقت کی فہم  
میں مطلق کامیابی نہیں ہوئی۔

## روح کی حقیقت سے بعض لوگ آگاہ ہیں

ہاں عالم کائنات میں کچھ حضرات ایسے بھی ہو گئے ہیں جو حضرت روح سے  
آگاہ ہیں۔ یہ بزرگ ہیں جو ریاضات و مجاہدات اور مکاشفات و مراقبات کے ذریعہ  
صرف خداوند عالم کی توفیق سے کشف سرا رکرتے ہیں۔ اور انہیں وہ مکاشفات  
ہوتے ہیں جو انسانی عقول کو حیرت میں ڈالتے ہیں یعنی حضرات انبیاء و اولیاء نے  
صرف خدا کی توفیق سے روح کی حقیقت دریافت کی ہے لیکن اس کے اظہار کی مہنیں  
مطلق اجازت نہیں ہمیں بھی صرف ان کی کتب کے مطالعہ سے ظاہر ہوا ہے کہ وہ اس  
ایک صدمہ ناک قہقہہ ہوتے ہیں۔ ہمارا تو یہ اعتقاد ہے کہ روح خدا کے سر بنہ از ول ہیں  
ایک مخفی راز ہے جس سے ہمیں مطلق آگاہی نہیں۔ پس روح کے مشابہ کو چھوڑ کر صرف ان  
اپنی ہی ساخت اور حالت کا معائنہ کرے۔ تو ہستی واجب الوجود کا اعتراف بلاشبہ  
ریب گمان پورے یقین سے ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آدمی کو ایک خاص صورت عطا فرمائی ہے کہ اُس میں اس کا کوئی  
شریک نہیں۔ جیسے کہ حدیث اِنَّ اللہَ خَالِقُ اَدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهِ سے ظاہر  
ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم کو اُس کی خاص صورت پر پیدا کیا ہے۔ انسان کے جس  
عضو کو بغور دیکھو۔ قدرت الہی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ اگر پوری تحقیق و بسط کے  
ساتھ اعضائے انسانی کی تشریح کی جائے تو اُس میں کئی محبت نیا رہو جاویں۔ لہذا  
ہر شخص کی نہ تو یہ استعداد و قابلیت ہے کہ پوری تشریح کر سکے اور نہ اس کو ایسی  
بسیط تشریح پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ جو یائے حقیقت کیلئے بس یہی کافی ہے  
کہ وہ انسان کے کسی عضو خاص مثلاً آنکھ کو لے لے جو تمام جسم میں ایک چھوٹا سا  
عضو ہے۔ اور پھر اُس کے متعلق کتب طب ویدک و ڈاکٹری میں بقدر وسعت اپنی

معلومات کے علمائے جو کچھ شریعہ نکھی ہے اس کو بیدیدہ غور اور نظر تعمق ملاحظہ کرے۔  
تو وہ ہرگز یہ دلیری نہ کرے کہ خدا کی بنائی ہوئی مخلوق کو محض اتفاقی سمجھے بلکہ صدقِ ل  
سے اعتراف کرے کہ ان تمام عالم کائنات کا بنانے والا خداوند عالم خالق بنی آدم ہے  
مثلِ بے نظیر واحد و قهار ہے۔ دنیا کی تمام طاقتیں اس کی لازوال طاقت سے فروتر  
ہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس کی ذات و صفات میں کوئی شریک نہیں۔

ایک نامہ گذرا کہ میں نے ایک عالم بیخودی جب کہ میں خدا کی لازوال قدرت  
کا معائنہ کر رہا تھا۔ چند اشعار و لائلِ انفس کے باب میں لکھے تھے موقع و محل کے مناسب  
سمجھ کر ان کو ہدیہِ ناظرین کرتا ہوں۔ اور خدا کے جلال و جبروت سے ادبِ خجستہ نگار  
ہوں و مَا تَوْفِیقِی إِلَّا بِاللّٰہِ

|                                |                                 |
|--------------------------------|---------------------------------|
| غور کر لے بندہ حق کی ذرا       | چشمِ حق بین کو حقیقت میں اٹھا   |
| کون تھا تو اور کیوں پیدا ہوا   | جلوہ کس کا اس جسد میں ہے بھرا   |
| اسم کا تیرے مسمیٰ کون ہے       | جسم کے پرے میں خفا کون ہے       |
| اصل اپنی تو نے پہچانی نہ حیف   | کس طرح ظاہر ہوئے یہ کم و کیف    |
| تو خبر ہے اور مجبور کون ہے     | تو اثر ہے اور مؤثر کون ہے       |
| تو ہے مخلوق اور خالق کون ہے    | سجدہ طاعت کے لائق کون ہے        |
| عارضی ہیں یہ زمین و آسمان      | سوچ تو موجود اصلی ہے کہاں       |
| انجسم افلاک جب خالق نہیں       | کدے دل سے کلا احب الہا فلیس     |
| اپنے مبداء پر نظر کر اے انجی   | چھوڑ دے یک نخت مانی و منی       |
| کیوں ہے تو غافل تلاشِ باریسے   | بھاگتا کیوں، تو اُس لہر سے      |
| طینِ لاذب سے ترا قالب بنا      | نورِ عقل و ہوش پھر کس نے دیا    |
| فلسفی کی فلسفیت گم ہوئی        | منطقی کی حجت و جُرماں گئی       |
| تیری خلقت دیکھ کر حیرت میں ہیں | دہری و طبعی الہی کیسے کریں      |
| پر عجب یہ ہے کہ تو ہے بوجب     | عجبِ نخوت چھوڑتا ہو وصلِ رب     |
| تیری خلقت گر ہو تیری راہبر     | دور ہوں پھر اپنی آں کے رنجِ خطر |
| غافل مفعولِ فاعل و نفعِ سال    | ایک ہی ہیں گر تو جانے اپنا حال  |



علت معلول سے غافل ہے تو  
 علت غائی تری کیا ہے انجی  
 تو ہے مصنوع کون ہے صانع ترا  
 بے بنائے بھی کوئی بنتی ہے چیز  
 رنگ سے رنگ ریز کو پہچان لے  
 آدمی اک قطرہ ناپاک بھتا  
 عاجز و ناچار تھا مثل جبراد  
 درت و یاد گوش چشم و استخوان  
 کچھ نہ تھا موجود جز آپ قلیل  
 صلیکے دافق ہوا آب کہیں  
 خون حیف اور زرد آس میں ملا  
 نطفہ کو علفہ کیا، مضغہ کیا  
 طبن ہے اہل اور سب تحویل ہے  
 جب کہ وہ مثل سیولی بن گیا  
 بن گئے اعضا بہ شکل خوب تر  
 سن تو اب تفصیل اس اجمال کی  
 اصلیت سے اپنی تاماہر ہو تو  
 جب کرے تو فکر اپنی ساخت پر  
 جسم کی تیرے عجب ترکیب ہے  
 سب بتیں کا احاطہ ہے محال  
 جب خدا نے روح ڈالی جسم میں  
 چیز نامے مختلف پیدا ہو میں  
 معدۃ و کلیۃ جگہ دل اور دماغ  
 غور کر پھر ہڈیوں پر جسم کی  
 ہر اک اپنی شکل میں سب سے جدا

انقداں و غفل سے جاں ہے تو  
 مقصد فتنی کو سوچو تو سہی  
 خشت گر کا خشت دیتی ہے پتا  
 بے اٹھائے بھی کہیں ہشتی ہے چیز  
 موج سے دریا کی طاقت جان لے  
 بے زربے عقل بے اور اک تھا  
 خواب بیداری تھی کچھ اس کو زیاد  
 شمع و بصیر و طاقت و قاب تو ان  
 گندہ و ناپاک بس خوار و ذلیل  
 جسم بادریں رہا اک اربعین  
 نطفہ آمشاج کا یہ مطلب ہوا  
 اس طرح انسان کو پیدا کیا  
 غیر از بے سود قال و قیل ہے  
 پھر تختِ فیضِ منور و وحیٰ کہا  
 ہو گئی اک شکل زیبا جلوہ گر  
 تاکہ ہو کا فور سب تیری نمودی  
 تماشوی قانع تو از ہر رنگ و بو  
 آئندہ ہوں تجھ پر سب عیب ہنر  
 تیرے اعضا میں بڑی ترتیب ہے  
 کس میں طافستہ، اور کس میں محال  
 تب ہوا غنی مستی اسم میں  
 چشم و پائے و زبان و دست و سر میں  
 اس میں رکھا عقل کا روشن چراغ  
 سن لے اب تجھ سے تو حالتِ اسم کی  
 گرد و پہن ہم طویل ہر اک سجا



کوئی پر مغز اور کوئی بے مغز ہے  
 علم کا جو ہر بھی انسان کو دیا ہے  
 حضرت انسان کی کیا بات ہے  
 خلق آدم قدر سنت اللہ ہے  
 کشف سے اسرار مخفی جان لے  
 گز خودی کو دور کر دے اے عزیز  
 پھر جو کچھ نسبت ہے تیری یار سے  
 یہ انانیت ہے تیری سدا راہ  
 گرچہ تو جزوی و حق کل اے انی  
 ہم تو باشی بلیل و ہم کل شوی  
 مروت و قہر و لطف و جور از تو بود  
 عشق کی آتش ہو ایسی شعلہ زن  
 جب کہ ہو محروق تیرا جسم زار  
 سوختہ ہو ماسوی اللہ نار سے  
 اپنے مبدای پر جو ڈالے تو نظر  
 سمع و بصر و حرکت و پاک کام و زبان  
 کر تقرب سے حق ہو و المسا  
 یار ہی کے ساتھ دیکھے اور مٹے  
 گفت چو آں پیشو اے عارفان  
 چون شدی من کان شد از ولہ  
 کہ توئی گویم ترا گلہ ہے منم  
 دیکھتے ہشیار کا جو ہو رنگ و لون  
 نین نیرنگی کے سب جلوے ہیں یہ  
 اس کی رنگیزی کہ ہے سارا اثر  
 نام مسوں سے دل کو اکٹھا

پشت کو زینت دی مہرہ ار سے  
 لبس شبیئہ مثلہ جس سے بنا  
 خلق میں یہ منظر آیات ہے  
 پہچو آدم در دو عالم نیست شے  
 اور صفائی قلب سے پہچان لے  
 دور ہو یکبارگی فرق و تیسر  
 ہو جباب موج سے ظاہر تجھے  
 پھر تا ہے جو در بدر شام و پگاہ  
 گر کنی اندیشہ کل کل شوی  
 جان تو از وصل گل یا بد نوی  
 عاشقی معشوق تو عاشق شو  
 جس کے شعلوں سے جل سارا بدن  
 نور معشوقی سے ہو تبدیل نار  
 پھر تو نور و دست ہی باقی رہے  
 تفرقہ کا دور ہو مطلق اثر  
 لطق و ذوق و لمس و شمع تاب تو ان  
 ان قوی سے یار ہو حبلوہ منا  
 یبطش و ہمیشی بختی کرتا ہے  
 مولوی رومی کہ بد تاج جہاں  
 حق تر ابا شد کہ کان اللہ  
 ہرچہ گویم آفتاب و دشمنم  
 جلوہ نیرنگ ہے دہر و کون  
 وہ ہے محبوب اور سب پر ہے یہ  
 وادی امین ہو یا طور و شجر  
 حسن نیرنگی کا پھر حبلوہ دکھا

مرتبہ ہے یہ فناء فی اللہ کا ہے یہی مادی ہر اک گمراہ کا  
فہم کہ اس رمز کو اور غور کر  
دور کہ دل سے جہاں کے سب خطر  
فائدہ (۲)

## قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مخلوق نہیں متعلقہ صفحہ ۲۲

جماعہ حقہ اہل سنت کا اتفاق ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔  
مخلوق نہیں ہے۔ اور اس کی وحی ہے۔ اور اس کی انارہوا ہے۔ نہ وہ اس کی ذات  
ہے اور نہ اس کا غیر ہے۔ بلکہ تحقیق یہ ہے کہ وہ اس کی صفت ہے۔ لکھا ہوا ہے  
سیپا روں میں۔ پڑھا گیا ہے زبانوں پر یاد ہے دلوں میں۔ حلول نہیں کیا ہے۔ اور  
سیاہی اور کاغذ اور کتابت مخلوق ہیں اس لئے کہ یہ بندوں کے فعل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ  
کا کلام مخلوق نہیں ہے اس لئے کہ کتابت اور حروف اور کلمات اور آیات قرآن  
پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ بتوں کو ان کی طرف احتیاج پڑتی ہے۔ اور اللہ  
تعالیٰ کا کلام اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اور اس کے معنی اس سے  
سمجھے جاتے ہیں۔ پھر جو کہے کہ اللہ کا کلام مخلوق ہے وہ کافر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ  
عبادت کیا جاتا ہے ہمیشہ سے ہے اس کا کلام پڑھا جاتا ہے۔ اور لکھا ہوا ہے  
اور محفوظ ہے اس سے زائل نہ ہوگا (ہدایا ترجمہ و صلیا)۔

عمدة النفسی میں ہے۔ وَالْقُرْآنَ کَلَامَ اللّٰهِ تَعَالٰی غیر مخلوق  
مولانا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ قرآن کلام حق سبحانہ و تعالیٰ  
کے ساتھ مقید کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ قرآن جو ہمارا کلام ہے یہ ال ہے کلام  
قدیم پر اب ال مخلوق ہے۔ اور وہ مدلول قدیم جس طرح کہ کتاب حادث ہے اور کتب

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مسئلہ خلق قرآن میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے پوچھا  
تک مناظرہ کیا۔ پھر میری اور ان کی رائے اس پر قائم ہوئی کہ جو قرآن یعنی اللہ کے کلام کو مخلوق  
کہے وہ کافر ہے ۱۲۔



قدیم اور سمع حادث ہے۔ اور مسموع قدیم اور حفظ حادث ہے۔ اور محفوظ قدیم اور قرآن حادث ہے۔

اور مقررہ قدیم شرح عقائد میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا: القرآن کلام اللہ تعالیٰ غیر مخلوق و من قال انہ مخلوق فهو کائن بالشیء العظیم۔ تامل علی قاری اس حدیث کی حدیث کی کوئی اہل نہیں ہے۔ جیسا کہ تخریج الاماوریث میں بیان کیا ہے۔ اور خلاصہ طبعی میں ہے کہ حدیث موصوع حدیث کے معنی یہ ہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے۔ اور جو اس کو مخلوق کہے وہ کافر ہے۔ اگرچہ یہ حدیث موافق اعتقاد اہل سنت والجماعت کے ہے لیکن اس کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعتقاد نہ کرنا چاہئے۔ غرض خلق قرآن کی بحث میں میں گروہ ہیں۔ ایک گروہ خیالہ کا جس کا قول ہے کہ قرآن مع اپنے حروف و اصوات اور توالی و ترتیب وغیرہ کے قدیم اور قائم بذات الہی ہے دوسرا گروہ اہل سنت والجماعت کا جس کا اعتقاد ہے کہ قرآن یعنی کلام الہی قدیم اور غیر مخلوق ہے نہ حروف و اصوات اور کاغذ و سیاہی وغیرہ اس لئے کہ ان کا حادث ہونا ظاہر ہے۔ اسی بنیاد پر ہمارا اعتقاد ہے کہ اگر کوئی مشرک قرآن شریف کو نعوذ باللہ جلا بھی ڈالے۔ تو کلام الہی و سیاہی قائم و محفوظ ہے گا۔ جیسا پہلے تھا۔

تیسرا گروہ معتزلہ کا ہے۔ جو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام یعنی قرآن مخلوق ہے اس لئے کہ قرآن شے ہے اور خدا ہر شے کا خالق پس قرآن کبھی خالق ہے تو مخلوق ہوا ان کا جواب یہ ہے کہ قرآن کلام الہی ہے۔ اور خدا متصف بکلام ہے۔ اور جب ہم اس بات کو ثابت کر چکے ہیں کہ کلام نفسی قدیم ہے۔ اور کلام صفات الہی ہے۔ اور خدا کی صفات و ہسمانہ تو اس کی عین ہیں نہ غیر اور خدا کی صفات قائم بذاتہ تعالیٰ ہیں تو قرآن قدیم و غیر مخلوق ہوا۔

اور یاد ہے کہ ہم حروف و اصوات اور الفاظ کو قدیم نہیں کہتے۔ بلکہ کلام الہی کو قدیم کہتے ہیں۔ را معتزلہ کا یہ کہنا کہ قرآن شے ہے۔ اور شے تمام مخلوق ہے کیونکہ قرآن سے ثابت ہے۔ انہ خالق کل شئی تو اس کے جواب میں ہمارا یہ کہنا ہے کہ قرآن کریم میں تم یہ پڑھ چکے ہو۔ کل نفس و انفس الموت یعنی ہر ایک



نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور اس آیت سے دیکھیں کہ اللہ نفسہ یعنی اور ڈراتا ہے تم کو اللہ اپنے نفس سے خدا تعالیٰ کا نفس ہونا ثابت ہے۔ پس جب ہر نفس پر حکم جاری ہے۔ تو خدا بھی نفس ہے۔ چاہئے کہ اس پر بھی موت کا حکم جاری ہو۔ اس کے متعلق جو تمہارا جواب ہے۔ وہی ہمارا جواب ہے۔ قرآن کے شے ہونے کے متعلق ❖

## قرآن کا معجز ہونا

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کبیر میں قرآن شریف کو کلام الہی منزل من اللہ اور غیر مخلوق ثابت کرتے ہوئے۔ ان امورات کا تذکرہ کیا ہے جن میں فصاحت و بلاغت کا پایا جانا عام طور پر دشوار تسلیم کیا گیا ہے۔ اور باوجودیکہ قرآن پاک میں اکثر انہیں امورات کا بیان ہے۔ تاہم اس میں اس درجہ کی فصاحت و بلاغت موجود ہے جس کا مقابلہ فصحا و بلغائے عرب میں سے کوئی بھی نہ کر سکا۔  
فاضل موصوف نے ان امورات کے ساتھ ان باتوں کو بھی بیان کیا ہے۔ جن میں فصاحت کا پایا جانا ضروری ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ہر شخص کی طبیعت ایک خاص مضمون کے لکھنے پر زیادہ قادر ہوتی ہے۔ اگر اسے چھوڑ کر وہ چاہے کہ دوسرا مضمون اس عمر کی سے لکھ سکے تو ممکن نہیں۔ اور ایک بات یہ ہے کہ ہر شخص کے کلام میں صرف چند شعر یا متعدد فقرات دلچسپ ہوتے ہیں۔ سب کے سب اور قرآن کریم ان جملہ خصوصیات سے عاری ہے۔ باوجود اس کے فصاحت اور حسن بیان کے ایسے درجہ بلند پر ہے کہ طائر عقل و خرد اس کی پرواز سے عاجز ہے۔ ❖

امام رازی نے ان امورات کو سات قسم پر تقسیم کیا ہے۔ اَحَدُھما اکثرھما فی وصف المشاہداتِ مثل وصف یحییٰ و فرس او جادیمہ او ملکہ او عنبریتہ او طنۃ او وصف حرب او وصف غارۃ و لیس فی القرآن من ہلکۃ الاشیاء شیئی فکان عجیب ان لا تحصل فیہ الا لفاظ الفصحۃ الّتی انفقت العرب علیہا فی کلامہن و ثانیہا انہ تعالیٰ داعی فیہ طریقۃ الصلۃ و

تلتزمه عن الكذب في جميعه وكل شاع عن ترك الكذب والنشر  
 الصدق نزل شعره ولم يكن جيلاً الا ترى ان ليبي بن ربيعة  
 وحسان بن ثابت لما اسلما نزل شعرهما ولم يكن سهماً هما  
 الاسرهم في الجودرة كشعرهما الجاهلي وان التمس تعالى معه تنزهه  
 عن الكذب والمجاز لقد جاء بالقران فصيحاً كما ترى .  
 وثالثهم ان الكلام الفصيح والشعر الفصيح انما يتفق  
 في القصيدة في البيت والبيتين والباقي لا يكون كذلك وليس  
 كذلك القران لانه كله فصيح بحيث يفخر الخلق عنه كما عجبوا  
 عن جملة .

ورابعها ان كل من كان شعراً فصيحاً في وصف شيء فانه  
 اذا كرره لم يكن كلامه الثاني في وصف ذلك الشيء بمنزلة  
 كلامه الاول وفي القران تكرر الكثير ومع ذلك كل واحد منها  
 في نهاية فصاحته ولم يظهر التافدة اصلاً .

وخامسها انه اقتصر على ايجاب العباداة وتحريم القبائح  
 والحث على مكارم الاخلاق وترك الدنيا واختيار الآخرة  
 وامثال هذه الكلمات توجب قليل الفصاحة .

وسادسها انهم قالوا شعر امرئ القيس يحسن عند الطرب  
 وذكر الشاعر وصفه الخيل وشعر لنا بغة عند الخوف وشعر  
 الاعشى عند الطيب ووصف الخمر وشعر الزهري عند الرغبة  
 والرجاء وبأ الجملة فكل شاعر يحسن كلامه في فن فانه يضعف  
 كلامه في غير ذلك الفن اما القران فانه جاء فصيحاً في كل فنون  
 على غاية الفصاحة الا ترى انه سبحانه تعالى قال في الترميز  
 فلا تعلم نفس ما اخفى لهم من قرة اعين وقال تعالى وفيها  
 ما تشتهي الانفس وتلف الاحيين وقال في الترهيب انا انتم  
 ان يخف بكم حيات البر وقال تعالى امنتم ان يخف بكم الارض



فَاِذَا رَئٰی تَمَوَّدًا قَالَ رَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِّيْدًا اِلٰی قَوْلِهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ  
اَعْرَفْنَا وَقَالَ فِی الْوَعْدِ مَا لَا يَنْبَغُ عَلَيْهِ اَفَرَأٰی اَنْ مَّتَّعْنَاهُمْ  
سِنِیْنَ وَقَالَ فِی الْاَلْهٰیَاتِ اَللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰی وَمَا تَغِیْضُ  
الْاَرْحَامُ وَمَا تَنْدَادُ اِلٰی الْاٰخِرِ ۝

وَسَابِعُهَا اَنَّ الْقُرْآنَ اَصْلُ الْعُلُوْمِ كُلِّهَا فَعَلِمَ الْكَلَامُ كُلَّهُ  
فِی الْقُرْآنِ وَعَلِمَ الْفِقْهَ كُلَّهُ مَا خُوِذَ مِنْ الْقُرْآنِ وَكَذَلِكَ اَعْلَمَ  
اَصُوْلُ الْفِقْهِ وَعِلْمُ النُّحُوِّ وَاللُّغَةِ وَعِلْمُ الدُّنْيَا وَالدِّنِ  
اَخْبَارُ الْاٰخِرَةِ وَاسْتَعْمَالُ مَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَمَنْ تَامَلَ كِتَابَنَا فِی  
دَلَائِلِ الْعَجَازِ عَلِمَ اَنَّ الْقُرْآنَ قَدْ بَلَغَ فِی وَجُوْهِ الْفَصَاحَةِ اِلٰی  
نَهَایَتِ الْقُصُوْبِ - ترجمہ :- پہلا امر یہ کہ عرب کی فصاحت اکثر مشاہدات کے  
وصف میں ہوتی ہے - جیسے اونٹ - گھوٹے - لونڈی - بادشاہ - ضرب - طعنہ وغیرہ  
کی تعریف کرنا یا عرب اور غارت کا وصف بیان کرنا - اور قرآن شریف میں ان اشیاء میں  
کسی شے کا ذکر نہیں ہے - تو چاہئے تھا کہ اُس میں وہ فصاحت نہیں پائی جاتی جس  
پر اہل عرب نے اپنے کلام میں اتفاق کر لیا ہے - (حالانکہ باوجود عدم ذکر اشیاء مذکورہ  
کے قرآن میں اس درجہ فصاحت ہے کہ اُس سے بالا تر متصور نہیں - پس ثابت ہو کہ  
یہ کلام الہی ہے غیر مخلوق ہے اور کلام بشر نہیں) ۝

دوسرا امر یہ کہ اللہ جل شانہ نے تمام قرآن کریم میں طریق صدق کی غایت  
کی ہے - اور وہ کذب کے بالکل پاک ہے - اور جس شاعر نے کذب کو ترک کیا - اور سچائی  
کو لازم کر لیا - تو اس کا شعر فصاحت کے مرتبہ سے گرجاتا ہے - اور کچھ زیادہ جید نہیں  
ہوتا - دیکھو لبید ابن ربیعہ اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما جب اسلام لے آئے تو انکی  
اشعار مرتبہ فصاحت سے گر پڑے - اور اسلامی شعر جاہلی اشعار کی سی جو دت سحر خالی  
ہو گئے (کیونکہ اسلام لائے بعد انہوں نے کذب کو ترک کر دیا - اور صدق کو لازم  
کر لیا) اور اللہ تعالیٰ کا کلام باوجودیکہ چھوٹ سے بالکل پاک ہے اور حقیقت ہی  
کا بیان کرتا ہے تاہم جیسا تم دیکھتے ہو - وہ ہر طرح فصیح ہے ۝  
تیسرا امر یہ کہ کلام فصیح اور شعر فصیح کسی فقیدہ میں سینکڑوں شعر در میں



سے صرف ایک یا دو بیتوں میں پایا جاتا ہے۔ باقی کلام اس درجہ کا نہیں ہوتا۔ اور قرآن کی شان نہیں ہے وہ تمام تر اس مرتبہ کا فصیح واقع ہو کہ تمام مخلوق اس کا مثل لانے سے اسی طرح عاجز ہے جس طرح اس کے ایک جملہ کے مقابلہ سے ۔

چوتھا امر یہ کہ جو شخص کسی چیز کی تعریف میں کوئی فصاحت اُسکین شعر کہتا ہے تو جب ایسی چیز کی تعریف کو مکمل بیان کرتا ہے۔ اس وقت اس شعر کی تعریف میں اُس کا کلام ثانی مثل کلام اوّل کے نہیں ہوتا۔ اور قرآن میں کثرت سے تکرار موجود ہے باوجود اس کے وہ سارے کا سارا فصیح ہے۔ اور اُس میں کوئی تفاوت ظاہر نہیں ہوتا۔ پانچواں امر یہ کہ قرآن پاک میں جو خوب عبادتِ شکریم قیام اور ترغیبِ کارِ امِ اخلاق اور ترکِ دنیا اور اختیارِ آخرت کے بیان پر اقتضائے کیا گیا ہے۔ اور اس قسم کے کلمات میں فصاحت کم پائی جاتی ہے لیکن کلامِ الہی باوجود مذکورہ کارِ ام کے ویسا ہی فصاحت پھرا ہوا ہے ۔ چھٹا امر یہ کہ آراءِ اقلیٰ شاعر کا شعر طربِ عیش کا بیان کرنے اور عورتوں کا ذکر کرنے اور گھوڑوں کی صفت میں اچھا ہوتا تھا۔ اور زانیہ کا کلام خوفِ تربیت کے ذکر میں فصیح مانا گیا ہے اور بھی طلبِ شہر و نیز شہر کی صفت میں کمال لکھا تھا۔ اور میر کسی چیز کی تعریف راہِ امید لانے کو خوب لکھنا تھا غرض یہ کہ ہر ایک شعر کا کلام ایک خاص بات اور مخصوص فن کی بیان میں مضمون ہوتا تھا۔ اس خصوصیت کو جھوٹ کر اگر وہ دوسری بات کہتا تھا۔ تو اُس کا کلام نہایت ضعیف ہو جاتا تھا۔ لیکن مسترآن تمام فنوں کے بیان میں نہایت فصاحت پڑا ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ ترغیب کے متعلق فرماتا ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّنْ شَرٍّ أَعْتَبُ كَسِي حِی کو معلوم نہیں کہ اُن کے لئے کیا کچھ آنکھوں کی ٹھنڈک پر شہید ہے اور منہ پر بادِ فیہا مآتش تھی اَلَا نَفْسٌ وَ تَلَدُ اَلَا عَيْنٌ اور جنت میں وہ تمام چیزیں ہیں جن کی لوگ خواہش کرتے ہیں۔ اور آنکھیں لذت پاتی ہیں۔ پھر تحریفِ تربیت کے باب میں فرمایا۔ اَفَا نُنْفِثُ اَنْ خَشِيفَ بِكُمْ جَانِبُ الْبَرِّ ثُمَّ اس سے نذر ہو گئے کہ ہم تمہیں خشکی کی جانب ہٹا دیں۔ اور فرمایا۔ اَلَمْ نُنْفِثْكُمْ مِّنْ فِی السَّمَاءِ اَنْ خَشِيفَ بِكُمْ اَلَا رَمَقٌ فَاِذَا رَیْتُمْ اَمْرًا فَاَعْلَمُوْهُم کیا تم بے خوف ہو گئے کہ خدا تمہیں زمین میں ہٹا دے اور ناگاہ وہ چوٹ مارے اور غمخوار و حساب

کُلُّ جَبَّارٍ عَدِيْبٍ وَيَا نَبِيَّ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ اور خوار ہوا ہر ایک جبار۔ عناد رکھنے والا۔ اور آئے گی اس کو موت ہر مکان سے اور زجر کے موقع پر ایسا فرمایا کہ وہم بشر اس کی خوبی کو نہیں پہنچ سکتا۔ فَلَکُمْ اَخَذْنَا بِنَبِيْہِمْ سے وَمِنْہُمْ اَخَذْنَا نَفْسًا تَاک۔ اور زندگیر و بیضیت میں فرمایا۔ جس پر زیادتی متصور نہیں آفر آیت اَنْ مَّتَّعْنَا مِیْنِیْنِ بَعْلَادِیْہِمْ تو اگر ہم نے ان کو کچھ برسوں نفع اٹھانے دیا۔ اور اعتقاد میں مسلمان بنا دیا۔ اِنَّہُ یُعْلَمُ مَا تَخْبِلُ کُلُّ اَنْفَا مَا تَنْبِیْضُ لَوْ کَرَحَاہُ وَمَا تَرَّ اَدَاہُ عَاثَا ہے جو ہر بادہ اٹھائے ہوئے ہے۔ اور جو ارحام گھٹانے بڑھاتے ہیں ۔

سا تو ان میں سے یہ کہ قرآن پاک تمام علوم کی اصل ہے۔ علم کلام تمام قرآن میں ہے۔ اور علم فقہ بھی تمام قرآن ہی سے ماخوذ ہے۔ اور اسی طرح علم اصول فقہ علم نحو علم لغت، علم زہد فی الدنیا۔ علم اخبار آخرت۔ علم استعمال مکارم، اخلاق کجیہ قرآن کریم سے مستخرج ہے۔ جو شخص ہماری وہ کتاب دیکھیگا۔ جو ہم نے دلائل اعجاز قرآن میں تصنیف کی ہے، تو وہ اچھی طرح یقین کر لے گا کہ قرآن اپنے تمام جو فصاحت میں نہایت درجہ رفیع ہے قرآن شریف میں سب سے بڑی بات جو سب کے نزدیک مستحکم ہے۔ اور اس کا سب سے بڑا معجزہ جس سے کسی کو انکار نہیں یہ ہے کہ وہ قیامت تک باقی رہنے والا۔ اور کبھی نہ فنا ہوئی والا ہے۔

خدا تعالیٰ نے اپنے پاک رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایسا ہی وعدہ کیا ہے چنانچہ مولانا روم قدس فرماتے ہیں ۔

مصطفیٰ را وعدہ کرد لطافت حق      گیریری تو نہیں دیاں سبق  
من کتاب معجزت راح نظم      پیش کن راز قرآن مانغم  
تا قیامت باقیش داریم ماہ      تو مفسر از شیخ دیں مصطفیٰ

بھیر قرآن حکیم میں یہ کتنی بڑی خصوصیت ہے کہ اس کو ہر شخص اپنی استعداد علمی کے موافق پڑھتا سمجھتا اور اس سے دینی دنیوی مطالب ہو۔ ایمان قلب سال کرتا ہے۔ خواہ بڑے سے بڑا عالم جید ہو یا چھوٹے سے چھوٹا طفل مکنت و الیہ اشار و لوی رحمۃ اللہ

حرف قرآن اور ان کو ظاہر است      زیر خطا ہر ماٹھے ہم قاہر است



زیر آں باطن یکے بطن و گراں ۴  
 زیر آں باطن یکے بطن سوم  
 بطن چارم از بنی خود کس ندید  
 ہمچنین تا ہفت بطن اسے فدا کرام  
 خیمہ گرد و اندر و قفل بشر  
 کہ در و گرد و خیمہ دہ جملہ گم  
 جز خدا سے بے نظیر و بے ندید  
 می شمر تو زیں حدیث محترم  
 فائدہ (۵)

## نبوت کی حقیقت اور اُس کے ثبوتیں

متعلقہ صفحہ ۳۸

لفظ نبی مشتق ہے نبوت سے لغت میں اس کے معنی ارتقاء اور بلندی کے ہیں لیکن شرعاً نبی وہ ہے جو ہدایت خلق اور تبلیغ احکام الہیہ پر مامور ہو۔ مراح اور قاموس میں ہے۔ النبوة والذبا دة ما ارتفع من الارض اور مولانا علی حکیم نے عبد الغفور کے حاشیہ پر لکھا ہے النبوة علی وزن المروءة کا ارتقاء جمہور کے نزدیک نبی و رسول دونوں لفظوں کا اطلاق ایک ہی معنی میں ہوتا ہے۔ کیونکہ رسول یا خود ہے رسالت سے بمعنی سفارت کے اور چونکہ نبی و رسول دونوں ہی خلق کو حکام الہی پہنچانے کا منصب رکھتے ہیں۔ اس جہت سے ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

شرح عقائد میں رسول کے معنی لکھے ہیں رسول علی وزن رسول من اللہ و حج سفارت العبد بین اللہ و بین ذوالکمال فہا مد من خلقیۃ یعنی رسول فعل کے وزن پر رسالت سے مشتق ہے۔ اس کے معنی ہیں کسی بندہ کا خدا اور ذی عقل مخلوق الہی کے درمیان سفارت کرنا۔ بعض نے ان الفاظ میں فرق نکالا ہے۔ اور کہا ہے کہ وہ کسبیت معنی لغت اور مصطلح کے باہم متغائر ہیں۔ اور اسی قول کو شرح مؤلف نے لیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ الرسول نبی معہ کتاب شرع والنبی غیر الرسول کا کتاب معہ و لا شرع بل امس بمتابعتہ شرع قبلہ کیو شمع یعنی رسول اس نبی کو کہتے ہیں جو کتاب و شرع رکھتا ہو۔ اور نبی غیر رسول ہے اس کے پاس کتاب شرع نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اپنے قبل کے رسول کی شریعت کی متابعت کا حکم کرتا ہے۔ جیسے یوحنا نبی تھے۔ کیونکہ



اُن پر کوئی کتاب یا شیخ نازل نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ وہ لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے موافق ہدایت کرتے تھے کہ وہ اُن سے پہلے توحید چھوڑ کر گزر گئے تھے۔

شواہد البتوۃ میں ملانا جامی اُس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ نبی عبارت از کسی امت کہ برے شریعتے فرد آمدہ باشد من عند اللہ بطریق وحی کہ متضمن باشد بان شریعت بیان کیفیت پرستش ہے مراد ہے عز و جل را و چون مامور شود کہ اس شریعت را بغیر خود رساندے رسول گویند گویا یہ ترجمہ ہے۔ فتوحات مکہ کی عبارت کا کہ اُس کے باب الحج عشر میں ہے ان النبی هو الذی ینتہی الوحی من عند اللہ منصفین ذلک الوحی شریعتہ یتعبد کا بھائی تقسیم فان بعث بھا الی غیرہ کان رسولاً دونوں عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ نبی وہ شخص ہے جس پر خدا کی جانب سے بطریق وحی شریعت نازل ہوئی ہو۔ اور اس میں صرف اُس نبی کے لئے عبادت کے طریقہ تحریر ہوں پھر اگر وہ نبی مامور ہو اس امر پر کہ اس شریعت کو مخلوق الہی کو پہنچائے پس ایسا مامور نبی رسول کہلاتا ہے۔

حاشیہ اصول اثباتی میں پہلے ان الفاظ کو مترادف المعنی لکھا ہے پھر متعارف المعنی قرار دیکر اس آیت سے استدلال کیا ہے وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ اُس میں لکھا ہے کہ یہاں نبی رسول پر معطوف ہے۔ اور ظاہر ہے کہ معطوف معطوف علیہ میں متعارف ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ نبی رسول کے غیر ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ رسول نبی مخصوص کو کہتے ہیں جس پر کتاب شریعت نازل ہوئی ہو۔ اور نبی عام ہے یعنی نبی صاحب کتاب اور غیر صاحب کتاب دونوں کو کہہ سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ نبی کے لئے صاحب کتاب ہونا شرط نہیں۔ اور رسول کے لئے صاحب کتاب ہونا شرط ہے لیکن رسول کو نبی بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور رسول بھی۔ اور نبی کو صرف نبی کہہ سکتے ہیں۔ رسول کہنا جائز نہیں۔ ان اصحاب کی رائے میں ضعیف معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ رسولوں کی تعداد کتب منزلہ کی تعداد سے کم ہے۔

چنانچہ ایک حدیث سے ظاہر ہے کہ مسلمان کی تعداد میں سے تین سو تیرہ ہے۔ اور کتابوں کی تعداد ایک سو چار ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ نبی و رسول میں شرفاً معنی کی لحاظ سے کوئی

فرق نہیں ہے۔ قرآن حدیث میں کئی مقام پر صرف ایک ہی لفظ پر اکتفا کیا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں باہم کوئی مغائرت نہیں۔ چنانچہ اٰیٰت میں وَلٰكِنْ اَلَيْسَ مِنْ اَمِّنٍ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ الْكِتَابِ وَ النَّبِيِّنَ یہاں نبی کا اطلاق نبی رسول دونوں کے لئے یکساں ہے۔

کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ان نو من باللہ و ملائکته و کتبہ و دسلیہ یہاں لفظ رسول نبی کو بھی شامل ہے۔ اور یہ بات کہ عطف منقطنی مغائرت کا ہے۔ تو اس کے جواب کئی ہیں۔ ایک یہ کہ عطف زائد ہے جیسا کہ اٰیٰت میں وَ کَذٰلِكَ نَفْصِلُ الْاٰیٰتِ وَلِلسَّنِیَّتَیْنِ سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْنِ یعنی اور اسی طرح ہم اپنے نشانات بیان کرتے ہیں تاکہ ظاہر ہو جائے کہ گناہگاروں کا۔ یا عطف تفسیری ہے جیسا کہ اٰیٰت میں وَلٰكِنْ رَّسُولَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیْنَ۔

اگر کہا جائے کہ رسول وہ ہے جس پر کتاب باشریعت نازل ہوئی ہو۔ اور نبی وہ ہے جس پر نہ کتاب نازل ہوئی ہو نہ شریعت ہم کہتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بالاتفاق رسول تھے۔ حالانکہ ان پر کتاب شریعت کچھ نازل نہیں ہوئی تھی۔ پس اس بیان سے ثابت ہوا کہ نبی اور رسول میں کوئی مغائرت نہیں۔ نبوت محض اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے خلعت نبوت سے سرفراز فرماتا ہے۔ حکما کا یہ گمان غلط ہے کہ نبوت کہ بکتساب سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اس کے حصول کے لئے ریاضتوں اور مجاہدوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کی تردید کے لئے یہ آیت کافی ہے۔ وَاللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔ یعنی اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت (نبوت) کے لئے خاص کر لیتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبوت اکتسابی نہیں ہے بلکہ عنایت ازلی اور امر محبوبی ہے۔ وَلَنُعْصِمَ مَا قَیْلَ شَعْرٍ نِّبَارِکَ اللّٰهُ مَا وَحٰی بِمُکْتَسَبٍ وَلَا نَبٰی عَلٰی غَیْبٍ بَعَثْنَاهُمْ بِرَحْمَتِیْ بَرِکَتِ وَالَا ہے اللہ جس نے وحی کو اکتساب کے متعلق و ماتحت نہیں فرمایا۔ اور نہ نبی غیب جاننے کی تمت میں مبستلا ہے۔ اکثر انبیاء زمانہ صبا و طفولیت میں نبوت سے سرفراز ہوئے۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ مقولہ ہے جب کہ آپ مدین میں تھے۔ وَ

نبوت نبی



جَعَلَنِي نَبِيًّا اور تاد مطلق سے بعید نہیں ہے کہ وہ جس کو چاہے حالت طفلی ہی میں اُس کو شرائط نبوت یعنی عقل وغیرہ سے ممتاز کرے۔ جیسے اللہ تعالیٰ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شان میں فرماتا ہے وَاتَّخِذْنَا الْحَكَمَ صَبِيًّا یعنی ہم نے اُس کو بچپن ہی میں حکمت عطا فرمادی۔ مراد حکمت سے نبوت ہے۔ یہی مطلب ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جھوٹے میں پڑے پڑے یہ فرمانے کا۔ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اَتَانِی الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اُس نے مجھے کتاب عطا کی۔ اور نبی کیا۔

## وجوب بعثت کے متعلق بحث

فلاسفہ کہتے ہیں کہ دنیا میں نبی کی بعثت واجب ہے، یعنی عنایت ازلی جو نظام مخلوقات کی مقتضی ہے۔ اُس کے اوپر عقلاً بعثت نبی واجب ہے۔ اس اسطرح کہ انتظام کال بدو جو دیسے نبی کے ہفرام نہیں پاسکتا۔ جو قوانین عدل و نظام کائنات کا واضح ہونا کہ خلق اللہ ان پر کار بند ہو کر دینی و دنیوی بہبود کی جانب سعی ہے۔ اور یا ہی مناد و نزاع کا یک لخت قلع قمع ہو جائے۔

معتزلہ کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بعثت نبی واجب ہے۔ لیکن اُن میں سے بعض اس امر کے قائل ہیں کہ اِذَا عَلِمَ اٰمَتُهُ اَنَّهُمْ یُؤْمِنُوْنَ وَجَبَ اِلَیْکُمْ اِرْسَالُ النَّبِیِّ فَمَا فِیْہِ مِنْ اِسْتِصْلَاحٍ لِّہُمْ وَاِنْ لَّمْ یَعْلَمْ ذٰلِکَ بَلْ عَلِمَ اَنَّهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ لَمْ یَجِبْ اِلَیْہِمْ اِرْسَالُ بَلْ حَسَنٌ قَطْعًا۔ یعنی اگر اللہ جانتا ہے کہ فلاں امت نبی کی دعوت قبول کریگی۔ تو اس صورت میں نبی کا بھیجنا خدا پر واجب ہے۔ کیونکہ نبی کی بعثت سے قوم اصلاح پذیر ہوتی ہے۔ اور اگر اس کو یہ معلوم نہیں بلکہ وہ جانتا ہے کہ فلاں لوگ نبی کی دعوت پر ایمان نہیں لائیں گے تو اس حالت میں اسال نبی واجب نہیں ہے۔ ہاں ایستہم کی تحمیں اور پسندیدہ بات ہے۔ ان کے قول سے مستنبط ہوتا ہے کہ قوم میں پہلے سے تصدیق و قبول دعوت نبی کا مادہ موجود ہونا ضرور ہے۔ ورنہ بعثت نبی بیکار ٹھہرے گی۔ لیکن جب خدا کو معلوم ہے کہ قوم میں قبول دعوت کا مادہ نہیں ہے۔ تو اسال نبی میں خوبی کہاں ہی جیسا اُن کے اس قول سے ظاہر ہے۔ بَلْ حَسَنٌ قَطْعًا اس صورت میں نبی کی بعثت



کئی خرابیاں لازم آتی ہیں :

ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کا فعل عیث ٹھیکرتا ہے۔ دوسرے دعوت نبی کو غیر مؤثر اور غیر مفید مانتا پڑتا ہے۔ تیسرے یہ کہ دعوت نبی قبول کرنے کا مادہ قوم کے اختیار و قدرت سے باہر ہے۔ بلکہ مادہ کا مجبوی اور خلقی ہونا ضرور ہے۔ غرض یہ قول کئی طرح سے نافھی پر دلالت کرتا ہے۔ انہی مشکلات کے سبب بعض منتر لہ خلوا البعث عن تعریفات الشسر عیدتہ کے اور بعض جواز بعثت کے قائل ہو گئے ہیں۔ پھر بعض لوگ ایسے ہیں جو سرے سے بعثت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی انسان نبی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس قول کو نقل فرمایا۔ بَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُولًا یعنی کجا خدا نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا :

اول تو یہ تمام اقوال بحسب قاعدہ تحسیر تقبیح کے فاسد ہیں۔ اور نیز اس جہت سے بھی کہ اُنہوں نے بعثت کے لئے جواز و وجوب کی بیودہ شرط لگائی ہے۔ دوسرے اگر ہم اُن کی اس مرغزات کو تسلیم بھی کر لیں تو اس میں ہمارا کوئی نقصان نہیں جس طرح ہماری غرض ثبوت بعثت ہے۔ اسی طرح وہ سوا چند منکرین کے بعثت نبی کے قائل ہیں صرف اُن کے وجوب کہنے سے عقائد اہل سنت میں نقص عائد ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم اس بات کے قائل و معتقد ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں :

ہمارا یہ اعتقاد یہ ہے کہ نبوت امر مجبوی اور موہبت ازلی ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے اپنی اس عنایت اور خلعت نبوت سے سرفراز فرماتا ہے۔ جس طرح اس نے محض اپنے غایت فضل و کرم سے انسان کو مکرم و اشرف المخلوقات بنایا۔ اسی طرح وہ اپنے فضل سے جس کو چاہتا ہے۔ نبوت کے لئے خاص کر بیٹا ہے جس کے ذریعہ بندوں کی اصلاح معاد و معاش مقصود ہوتی ہے :

یہاں ایک سوال لازم آتا ہے۔ وہ یہ کہ اگر ہم نبوت کے لئے ریاضات و مجاہدات کی قید لگائیں اور اس کو مجبوی کریں۔ تو پھر نبی و غیر نبی میں وجہ فارق کیا ہے ہم کیونکر نبی کو غیر نبی سے تمیز کر سکتے ہیں۔ ہم اس سوال کا جواب آئندہ دیں گے۔ پہلے وہ جواب لکھتے ہیں۔ جو فلاسفہ نے دیا ہے۔ (معہ تردید جواب فلاسفہ کے) :

فلاسفہ کہتے ہیں کہ نبی میں بین خواص کا موجود ہونا ضرور ہے تاکہ نبی کو غیر نبی سے تمیز کر سکیں۔ اول ضرور ہے کہ نبی واقعات غیبی گذشتہ موجودہ اور آئندہ پر اطلاع کامل رکھتا ہو۔ اور نبی کے لئے یہ بات محال نہیں۔ اس لئے کہ جب نفس انسانی کو بذریعہ ریاضت و مجاہدہ اور قطع علائق مادیات سے منجسٹر حاصل ہوتا ہے۔ اور محرومات عقلی اور نفوس سمادی سے نسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ تو حسیت کے لحاظ سے دنوں میں اتصال معنوی پیدا ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر اس کو صور حوادث کا احساس اور امور کا تذکرہ و آہ پر اطلاع کوئی دشوار نہیں ہوتی۔ اور انبیاء کے لئے کیونکہ یہ امر دشوار ہو سکتا ہے جب ہم اس کو ان لوگوں میں بھی پاتے ہیں جو نبی نہیں ہوتے۔ مگر از ریاضت مجاہدہ اور کشف کے ذریعہ امور غیبیہ پر مطلع ہوتے ہیں۔ ان کو اصطلاح اہل اسلام میں اولیاء اللہ کہتے ہیں یعنی جب فی کے لئے غیبی امور پر اطلاع دشوار نہیں۔ تو نبی کے لئے کیونکہ دشوار ہو سکتی ہے۔

دوسرے یہ کہ نبی سے فعال خوارق عادات ظاہر ہوتے رہیں۔ اور اُس سے ایسے افعال کا صدور بھی کوئی دشوار نہیں۔ کیونکہ نفوس انسانیہ منطق فی الابدان نہیں ہیں بلکہ انقیاد بدن اُن کے لئے غیر ممکن ہو چنانچہ انسان کی حرکات و سکنات اس امر کی شاہد ہیں۔ بلکہ نفس انسانی تصورات کے ذریعہ مواد بدنیہ میں مؤثر ہے۔ ذیل اس کی یہ ہے کہ دیکھو جب انسان پر خجانات غلبہ کرتی ہے یا کسی خارجی سبب سے اُن پر خوف یا غصہ طاری ہو جاتا ہے تو وہ اُس کے تصور میں سرخ یا زرد یا سخت ہو جاتا ہے۔ ہماری بحث کے ثبوت میں ایسی بدیہی مثال ہے جس کے تسلیم کرنے میں کسی کو غدر نہیں ہو سکتا۔ اور جب ہماری یہ بات ثابت ہو گئی کہ ارادت نفس اور تصورات مؤثر فی الابدان ہیں مع عدم الانطباع قبیہ۔ تو یہ امر مسلم ہے کہ نبی کا نفس بمقابلہ دیگر نفوس کے قوی ہونا چاہئے۔ حتیٰ کہ اُس کے تصورات و ارادات کامل طور پر بیہوشی عنصری میں اثر کریں۔ اور عالم عنصری اس کے ارادات و تصورات کے لئے مطیع و منقاد ہو جائے کہ جس طرح نبی کا نفس چاہے۔ اس پر اثر ڈالتا ہے۔

حاصل یہ کہ نبی کا نفس حیث مایشاء عنصریات میں متصرف اور مؤثر ہے یہاں تک کہ نبی کے ارادات سے زمین میں آندھیاں، زلزلے، آتشزدگی، غرق، ہش خاص ظالم کی ہلاکت اور ابدان فاسدہ کی تخریب وغیرہم من الحوادث و وقوع میں آتے رہیں



اور ایسے امور عجیبہ کا نبی سے ظاہر ہونا کسی صورت میں محال نہیں۔ کیونکہ یہی باتیں ہم اہل  
ریاضت میں بھی پلٹتے ہیں۔ چنانچہ کتب سیر و سوانح دیکھنے سے اس کی پوری تصدیق  
ہوتی ہے۔

تیسرے یہ کہ انبیاء کو صدور محسوسہ میں ملاحظہ کرتے ہیں۔ اور جو کلام بطریق وحی  
فرشتوں کی معرفت ان پر نازل ہو۔ اس کو فرشتوں سے بلا واسطہ استماع کریں۔ اور یہ ممکن  
بھی ہے۔ کیونکہ جب نبی کا نفس شوغل بدنیہ سے مجبور اختیار کرتا ہے۔ تو عالم قدس کی جاد  
اُس کا انجذاب اتصال بہ سہولت ہونے لگتا ہے۔ یہاں پہنچ کر عالم معقولات اُس کے  
رُوبرُوش عالم محسوسات کے ہو جاتا ہے۔ پھر ادنیٰ توجہ سے معقولات کی صورتیں پیش  
نظر ہو جاتی ہیں۔

یہ خصوصیات ثلاثہ ہیں جن کا نبی میں موجود ہونا ضرور ہے۔ اس کے بعد کوئی محلات  
منتظرانہ کی تصدیق میں باقی نہیں رہتی۔ اور یہی وہ خواص ہیں جن کے ذریعہ نبی اور غیر نبی  
میں فرق اور تیز ہو جاتی ہے۔ فلاسفہ کے پہلے قول کی بنیاد غلطی پر ہے۔ کیونکہ ہمارا  
اور نیز فلاسفہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امور غیبیہ پر کمال طور پر اطلاع سوائے خدائے  
عز و جل کے کسی کی شان نہیں۔ اسی واسطے سید الانبیاء صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ وسلم نے  
فرمایا ہے **لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبِ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ الشَّوْعُ لَاقُلْتُ سِرًّا**  
اور اگر کہا جائے کہ انبیاء محض واقعات غیبیہ پر مطلع ہوتے ہیں۔ تو اس میں نبی کی کوئی  
خصوصیت رہی۔ اکثر بزرگان دین جو استعداد ذاتی بذریعہ ریاضت و مجاہدہ و قطع  
علاقہ صفائی قلب پیدا کر لیتے ہیں۔ اور شوغل بدنی سے بالکل علیحدگی اختیار کر کے  
ملاء علی کی جانب توجہ تمام لاتے ہیں۔ تو وہ بھی بعض امور غیبیہ پر اطلاع حاصل کر  
لیتے ہیں۔ پھر نبی کے لئے فلاسفہ نے کوئی خصوصیت ممتاز بہا بیان کی جس سے  
نبی کی غیر نبی سے شناخت ہو سکے۔

اُن کا دوسرا قول اس بنا پر ہے کہ نفوس انسانہ مؤثر فی الابدان ہیں اور ہمارا  
اس امر پر اتفاق ہے کہ مؤثر فی الابدان سوائے باری تعالیٰ کے کوئی نہیں ہو سکتا  
اور یہ بات کہ ارادات و تصرفات نفسیہ اور تغیرات بدنیہ میں باہم مقارنت ہے۔ تو  
اس سے لازم نہیں آتا کہ وہ مؤثر اور متصرف فی الابدان ہوں۔ لہذا



الدوران بطریق العادۃ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ نفوس انسانیہ اجسام میں تاثیر کرنے پر قادر ہیں اور نبی کا نفس بمقابلہ دیگر نفوس کے قوی ہوتا ہے۔ تو فلاسفہ کے بیان ہی سے یہ بھی مفہوم ہوا کہ نبی کے لئے متصرف فی البیوتی اعصر یہ ہونا مخصوص نہیں۔ بلکہ اکثر اہل ریت سے بھی اس شتم کا تصرف مروی ہے۔ اس صورت میں امر مخصوص بالنبی کی پوری توجیہ نہیں ہوئی۔ اور نبی وغیر نبی کی تمیز میں ہم ٹپے ہی سرگرداں ہے۔

تیسرا قول اُن کے مذاہب کے موافق نہیں۔ بلکہ یا یک شتم کی تبلیغ ہے جو فلاسفہ نے انسان کے معتقدات خراب کرنے کے لئے اٹھا رکھی ہے کیونکہ حقیقت میں وہ مشاہدہ معقولات کے قائل نہیں ہیں۔ اس دلیل سے کہ ملائکہ اُن کے نزدیک بذاتہا نفوس مجردہ ہیں۔ جو اجرام افلاک سے متعلق ہیں۔ جن کا نام انہوں نے ذواتا و فعلاً ملائکہ سماویہ اور عقول مجردہ رکھ لیا ہے۔ اور جب کہ حرف و صوت ان کے نزدیک امور عارضیہ سے ہیں جو ہوائے متوج کے ذریعہ پہنچتے اور محسوس ہوتے ہیں۔ پس مجردات کے لئے کس طرح کلام حقیقی متصور ہو سکتا ہے۔ لہذا اخلاص منہ ما فی شرح المواقف۔

نبوت کے باب میں ہم نے مختصر اُفلاسفہ کے اقوال کو نقل کر کے کلی طور پر اُن کی تردید اس لئے کی ہے کہ اول تو وہ نبوت کے قائل نہیں صرف عوام میں اپنا اعتقاد و اعتبار بڑھانے کے خیال سے وہ نبوت کی بحث کرتے ہیں اور اُس میں ایسے شاخسانے نکالتے اور شرائط لگاتے ہیں جس سے خود بخود عام لوگ متحیر و حیران ہو کر نبوت کی حقیقت کے منکر ہو جاویں۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنی شرائط مذکورہ سے نبوت کو اکتسابی ثابت کرنا چاہتے ہیں اور جو خواہش نبیا کے لئے بتاتے ہیں۔ اُن کے متعلق یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ یہ خواص ہم انبیاء کے سوا دوسرے نفوس میں بھی پاتے ہیں۔ پس اُن کے اقوال کی تردید واجب ہوئی۔ تاکہ کم استعداد لوگ اُن کے وام و غریب میں نہ آ جاویں۔ اور نبوت کو کسب ریاضت اور مجاہدہ سے متعلق نہ کریں۔ کیونکہ تمام علمائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ نبوت مجبوری ہے۔ و کسی قسم کے کسب ریاضت سے حاصل نہیں ہوتی۔ نہ اُن کو خوارق عادات فہال کے بتانے کے لئے کسی ریاضت و مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ انحال خارق عادت جس کو مجرہ کہتے ہیں۔ وہ عیسیٰ حیرت ہے جس سے خود نبی کو بھی اطلاع نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی تصدیق کرانے کے لئے اُس کو ایسے معجزات عطا فرماتا ہے۔ جو خود اُس کے

دہم دکان میں بھی نہیں ہوتے۔ دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کی تلاش میں کوہ طور پر پہنچے۔ یکایک رحمت الہی نے انہیں نبوت کے لئے مخصوص کر لیا۔ پھر اس کی تصدیق کے لئے اُن کو معجزہ بھی عطا فرمایا کہ اُن کی لاکھٹی سانپ بن جاتی۔ اور پھر لاکھٹی کی لاکھٹی ہو جاتی۔

یہی علیہ السلام کو اس کے پہلے نہیں معلوم تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ اور انہیں کس قسم کے معجزات عطا کئے جانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی خطاب کیا کہ اے موسیٰ میں نے تم کو اپنے نفس کیلئے اختیار کر لیا۔ پھر فرمایا۔ وَمَا تَلَّكَ بِحَبْرٍ نِيلًا يَا مُوسَىٰ اے موسیٰ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔ عرض کیا میری عصا ہے۔ میں اس پر بھروسہ کرتا ہوں۔ اور اپنی بکریوں کے لئے اس سے چارہ جھاڑتا ہوں۔ اس کے سوا اور بھی مقاصد ہیں۔ خدا نے فرمایا۔ موسیٰ عصا کو پھینک دو۔ پھینکتے ہی سانپ بن گیا۔ موسیٰ ڈرے۔ خدا نے فرمایا ڈرتے کیوں ہو اس کو پکڑ لو کہ پھر عصا ہو جائے گا۔ اسی طرح یدِ رضا کا معجزہ عطا ہوا۔

خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی وحی کے حالات کو دیکھو کہ جب غارِ حرا میں جبریل علیہ السلام آپ کی خدمت میں آئے۔ تو آپ ڈرے۔ اور جو کلمات حضرت جبریلؑ نے تلقین کئے۔ اُن کو یاد کرتے ہوئے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس کانپتے ہوئے آئے اور فرمایا زملونی زملونی مجھے کبل اڑھا دو مجھے کبل اڑھا دو۔ پھر فرمایا۔ لَقَدْ خَشِيتُ عَلَىٰ نَفْسِي مَجِيئِي بِإِنِّي جَانٌ كَاخُوفٍ ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ کی تسکین فرمائی۔ اور اپنے چچا زاد بھائی ورقہ ابن نوفل کے پاس آپ کو لے گئیں۔ اور وہاں سے یہ جواب پا کر کہ آپ نبی آخر الزمان ہیں۔ اور یہ آپ کے پاس جبریلؑ آئے تھے جو تمام انبیاء کے پاس وحی لے کر آیا کرتے ہیں۔ اس سے آپ کی تسلی ہوئی۔ اس کے پہلے نہ آپ کو اپنے نبی ہونے کا علم تھا۔ اور نہ آپ نے اُس وقت جبریل علیہ السلام کو پہچانا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ نبوت کو کسب مطلق تعلق نہیں۔

اسے کتبِ احادیث میں سے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے لَقَدْ خَشِيتُ عَلَىٰ نَفْسِي مَجِيئِي بِإِنِّي جَانٌ كَاخُوفٍ کے جواب میں فوراً یہ کلمات عرض کئے۔ لَا وَاللَّهِ يَا خَيْرَ بَيْتٍ اللَّهُ أَبَدًا إِنَّكَ لَتَتَّصِلُ الرَّحْمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِيثَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدَمَ تَقْرَى الضَّعِيفَ وَتُعِينُ عَلَىٰ نَوَائِبِ الْحَقِّ۔ یعنی میں خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے اور ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ بعد دوسروں کے جو بوجھ اٹھاتے ہیں



اب ہم نبوت کی حقیقت جس سے نبی و غیر نبی میں تمیز ہو سکے۔ موافق عقائد عامہ اہل اسلام کے بیان کرتے ہیں۔ جو فی الواقع قابل قبول و لائق اصول الی المامول ہے وہ ہوتا ہے۔

کتب معتبرہ مثل النقد من الضلال میں لکھا ہے کہ ابتدا میں آدمی عالی درجہ پیدا ہوا تھا۔ اس کو عالم مختلف کائنات سے مطلق آگاہی نہ تھی۔ پھر اسے حواس عطا ہوئے جن کے ذریعے اُس کو جمہولات کا ادراک و احساس ہونے لگا۔ انسانی قوتیں دو قسم کی ہیں۔ قوت نظریہ اور قوت عملی۔ انہی قوتوں کے ذریعہ وہ معلومات میں کامیابی حاصل کرتا ہے۔ قوت نظریہ کے ذریعہ اشیائے مرئیہ کی شکل و صورت رنگ و لون وغیرہ کی تمیز ہوتی ہے۔ اور قوت عملیہ کی وساطت سے حقیقت و باہیت ہر شے کی مدد رک ہوتی ہے۔ نیک و بد میں فرق اور اُس پر عمل کرنا بھی اسی قوت کے متعلق ہے۔ یہ بھی سمجھ لو کہ یک عام لوگوں کی قوتوں کا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ انہی کو بلا واسطہ بشری تربیت کامل عطا فرماتا ہے۔ اور نور القدس کی تاثیر اُس کی قوت نظریہ میں اس طرح ساری ہو جاتی ہے کہ اُس کی معلومات کے درمیان غلطی اور شبہات کے حجاب مطلق نہیں رہتے۔ اسی طرح اُس کی قوت عملیہ میں وہ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے کہ نبی بجز اعمال صالحہ کے کسی جانب رغبت نہیں کرتا۔ وہ بدی سے متنفر ہو جاتا ہے۔ اور نیکی پر بالکل جھک جاتا ہے۔ پھر جب نبی کی قوت عملیہ بذریعہ اعمال صالحہ کے تکمیل کے انتہائی درجہ پر پہنچ جاتی ہے۔ تو اُس وقت خداوند تعالیٰ اُس کو خلعت نبوت سے سرفراز فرما کر خلق کی جانب مبعوث کرتا ہے۔ اور تصدیق رسالت کے لئے اُس کو معجزات عطا فرماتا ہے۔

یہ قول امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے تاریخ کائنات پر پوری نظر ڈال کر یہ کلیہ قائم کیا ہو گا۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ کہنا کینی کی قوت عملیہ قبل حصول نبوت کے اعمال صالحہ میں انتہائی درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔ اُس وقت اُس کو نبوت ملتی ہے۔ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ ممکن ہے بعض انبیاء کو اسی طریق پر نبوت ملی ہو۔ مگر حقیقت الامر یہ ہے کہ عطائے نبوت کسی استعداد سابق کی ضرورت نہیں ہوتی۔ خدا جس کو نبی فرمانا چاہتا ہے۔ ابتداءً خلقت سے اس کے تمام حالات عادات و اخلاق فطری طور پر محمود اور ممتاز بین القران ہوتے ہیں۔ نبی کو اپنی



نبوت کا شائق گمان بھی نہیں ہوتا کہ یکایک حجت الہی اُس کو خاص کر لیتی ہے کسی نے سچ کہا ہے ۔

خدا کی دین کا نمونے سے پوچھیے احوال  
کہ آگ لینے کو چاتیں پیپری مل جائے

تمام علما کا اتفاق ہے کہ بعثت انبیاء دنیا میں توجید پھیلانے اور آلائش کنفہ سے خلق خدا کے دلوں کو پاک کرنے، بریوں اور ذائل کو دور کرنے اور نیکیوں اور حامدِ خلاق کو ظاہر کرنے کے لئے ہوئی ہے۔ خود آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ بعثت لاکھوں مکارم الاخلاق میں اس لئے مبعوث ہوا ہوں کہ اخلاق حمیدہ کی تکمیل کروں اسی واسطے انبیاء علیہم السلام دنیا میں بھیجے جاتے ہیں تاکہ بُرے اخلاق کو تبدیل ہو جائے اور احوال خلاق کریں۔ وہ معجزات کے ذریعہ خلق سے اپنی نبوت کی بابت تصدیق کرتے ہیں۔ اور معجزہ ہی ایک ایسا ذریعہ ہوتا ہے جس سے نبی اور غیر نبی میں تمیز ہوتی ہے۔ اور اُس کے مشاہدہ یا سماعت سے حقیقت نبوت سمجھ میں آ جاتی ہے۔

معجزہ تین قسم کا ہے کبھی تو جنسِ احوال سے ظاہر ہوتا ہے کبھی جنسِ افعال سے۔ اور کبھی خود نبی کی پاکیزہ تعلیمات اور مقدس حالات نبی کی شناخت میں ایک بڑے معجزہ کا کام دیتے ہیں۔ اقدیری قسم ایسی ہے جس کے باب میں امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ لامٹی کے سانپ بن جانے اور چاند کے پھٹ جانے سے زیادہ یہ قسم نبی کے تصدیق کی موجب ہے۔ یعنی نبی کا کوئی بڑے سے بڑا معجزہ اُس کی صداقت میں کام نہیں لے سکتا۔ جس طرح اُس کی مقدس تعلیم اور پاکیزہ حالات زندگی اس باب میں کام لے سکتے ہیں۔ چنانچہ اُن کا قول یہ ہے فان وقع لك شك في شخص معين انه نبي ام لا فلا يحصل اليقين الا بمعرفة احوال ارباب المشاهدة او بالتواتر والتسامع يعني اگر تم کو کسی شخص معین کی نبوت میں شک ہو کہ وہ نبی ہے یا نہیں۔ تو اُس کی بابت یقین حاصل نہیں ہو سکتا۔ تا وقتیکہ اُس کے احوال کی معرفت مشاہدہ یا متواتر سماعت کے ذریعہ نہ ہو۔ غرض تیسری قسم بڑی جید اور کارآمد ہے۔ اس لئے کہ اوپر کی دونوں قسموں پر تو سحر کا بھی گمان ہو سکتا ہے۔ اور اس تیسری قسم پر کسی طرح کی بدگمانی نہیں ہو سکتی۔ پس اوپر کی دونوں قسموں کی

تائید اس تیسری قسم ذریعہ ہوتی ہے۔ اور اس طرح نبی کی شناخت میں کوئی دقت نہیں رہتی۔ ہم نے معجزہ کی اقسام میںوں قسموں کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ اپنے ایک دو سکر سارہ میں بیان کیا ہے۔ یہاں صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں جو حضرت مصطفیٰ علام نے عقائد النشئی میں تحریر فرمادیا ہے۔ نبوت کی شناخت حقیقت کے لئے طالب حق کو یہی بس ہے۔

فائدہ (۶)

## معراج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان میں

متعلقہ صفحہ

عقائد النشئی میں ہے۔ والمعراج لرسول اللہ علیہ السلام فی الیقظۃ بشخصہ الی السماء شرف الی ما شاء اللہ تعالیٰ من العلیٰ حق ترجمہ اور معراج واسطے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیاری میں جبر مطہر کے ساتھ طرف اہم کے۔ پھر وہاں سے جہاں تھلنے چاٹا بندہ کی طرف حق ہے۔ یعنی خبر مشہور سے ثابت ہے حتیٰ کہ اُس کا منکر متبرع عند العلماء ہے۔ اور یاد ہے کہ جو شخص معراج رسول کا مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک منکر ہوا وہ کافر ہے۔ کیونکہ یہ نص قرآن سے ثابت ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْسَ لَہٗ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ رَاسَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ لَنُرِیْہٖ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ذُو الْعَرْسِ الْعَظِیْمِ پاک ہے جو اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے گرد اگر وہم نے برکتیں نہ رکھی ہیں۔ تاکہ ہم انہیں اپنی قدرت کے چند نمونے دکھائیں۔ یہ شک نہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا۔ وَاذْقُلْنَا لَکَ اِنْ رَیْتَکَ الْاَشْجَرَ الْمَلْعُونَةَ فِی الْقُرْآنِ وَتَحْوِیْہَا فَمَا یَزِیْدُہُمْ کَرًا طُغْیَانًا کَبِیْرًا ۝ یعنی جب ہم نے تم سے کہا کہ تمہارے رب نے لوگوں کو ہر طرف سے روک رکھا ہے۔ اور خواب جو ہم نے تم کو دکھایا۔ تو اس لوگوں کی جانچ کا ذریعہ ٹھہرایا۔ اور اسی طرح تھور کے درخت کو جس پر قرآن



میں لغت کی گئی ہے۔ اور ہم انہیں ڈالتے ہیں۔ لیکن ہمارا ڈرانا اُن کی سرکشی کو اور بڑھانا ہے۔  
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے یعنی ابن عباسؓ نے  
کہا کہ مراد رؤیا سے یہاں آنکھ کا دیکھنا ہے۔ جو رسول کو اُس رات میں دکھایا گیا ہے جس میں خدا  
آپ کو بیت المقدس تک لیگیا۔ اور انہیں کا قول ہے کہ مراد شجرہ ملعونہ سے تھوڑا دُخت  
ہے۔ (رواہ البخاری)۔ اور آسمانوں کی معراج کا منکر نزدیک ائمہ دین کے بدعتی ہے اس لئے  
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عروج آسمانوں پر اخبارِ احاد سے ثابت ہے۔ اور اخبارِ  
احاد کا منکر بدعتی اور گمراہ ہوتا ہے۔ کافر نہیں ہوتا۔ اور اس امر کا اعتراف کرنے والا کہ آنحضرتؐ  
کو مکہ سے بیت المقدس دروہاں سے آسمانوں اور قافجہ سین اداوئے تک معراج ہوئی۔  
آپنے دُعا کو دیکھا۔ اور نیز جنت و دوزخ کی سیر کی مومن محقق ہے۔ اور اُس کا ایمان  
کامل ہے۔ ❖

علامہ عمر نسفیؒ کے منقولہ بالا قول سے عقائدِ حقہ اہل سنت والجماعت کا پورا اظہار  
ہوتا ہے۔ چنانچہ قول فی الیقظۃ سے اُن لوگوں کے قول کا رد ہے۔ جو گمان کرتے ہیں کہ  
آنحضرتؐ کو خواب میں معراج ہوئی۔ جیسے معاویہؓ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں۔ مراد  
معراج سے رؤیا صالحہ ہے۔ ❖

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ مَا فَقَدَ جَسَدٌ مُحَمَّدٍ  
عَلَيْهِ السَّلَامُ لَيْكَلَةَ الْمَعْرَاجِ بَعْنِي مَعْرَاجِ كِي رَاتِ مُحَمَّدٍ نِي اِنِّي جَسَمٌ مَبَارَكٌ كُو  
گم نہیں کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مراد رؤیا سے آنکھ کا دیکھنا ہے۔ اور حضرت عائشہؓ  
کے قول کے یہ معنی ہیں۔ مَا فَقَدَ جَسَدٌ عَنِ السَّرْحِ بَلْ كَانَ مَعَ رُوحِهِ وَكَانَ  
الْمَعْرَاجُ لِلرُّوحِ وَالْجَسَدُ جَمِيعًا۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم مطہر  
روح سے جدا نہیں ہوا۔ بلکہ روح کے ہمراہ تھا۔ تو ثابت ہوا کہ آنحضرتؐ کی معراج روح اور  
جسد دونوں کے ساتھ تھی۔ چنانچہ قولہ الشخصہ سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے اور اُن لوگوں کی تردید  
ہوتی ہے۔ جو معراج روحی کے قائل ہیں۔ اور عاقل پر پوشیدہ نہیں کہ معراج منامی یا  
معراج روحی ایسی چیز نہیں۔ جس سے اس شدت کے ساتھ انکار کیا جائے۔ حالانکہ کفار  
نے معراج کے باب میں پورا انکار کیا۔ بلکہ مسلمانوں کا ایک گروہ کثیر اسی سبب سے مرتد  
ہو گیا۔ اور قولہ الی السجاء سے رد ہے اُن اصحاب کا جو صرف بیت المقدس تک کی معراج



قائل ہیں۔ اور قولہ شعر الی ما شاء اللہ اس جانب اشارہ کرتا ہے کہ اس باب میں سلف کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض جنت تک کے قائل ہیں۔ بعض عرش تک کے اور بعض مافوق العرش تک اور بعض اطراف عالم کے۔

اور روایت کے باب میں بقول علامہ سعد الدین تفتازانی کے صحیح قول یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے نواد یعنی چشمِ خدایکے خدا کو دیکھا۔ نہ عین سر سے۔

شیخ بڑمان الدین سکین نے ارشادِ اسلمین میں لکھا ہے کہ اس بات کی کہ آنحضرتؐ کو اسریٰ یعنی معراجِ جسد و روح دونوں کے ساتھ ہوئی۔ خود قرآن میں موجود ہے کہ اَسْرٰی لَیْسَ لَہٗ فَرَاہُ۔ کیونکہ اسمِ عبدِ موضع ہے۔ اُس شخص کے لئے جو جسد و روح دونوں رکھتا ہو۔ اگر یہ واقعہ معراج کا خواب میں ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ اُسریٰ بروح عبدؐ فرماتا دوسری دلیل یہ کہ اگر معراج خواب میں ہوتی۔ تو اُس میں آپؐ کی کوئی بڑی فضیلت نہ ہوتی اور واقعہ معراج کو معجزات میں شامل نہ کیا جاتا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی بیہودی یا عیسائی ہمیشہ کو خواب میں دیکھے۔ پھر جو چیز کفار کے لئے رولہ ہے۔ اُس میں پیغمبروں کو کون سی فضیلت ہو سکتی ہے۔ تیسری دلیل یہ کہ ہمارے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو دوسرے انبیاء پر فضیلت ہے۔ وہ دو خاص باتوں کے سبب ہے، اُن میں ایک معراج ہے دنیا میں اور دوسری شفاعت ہے عقبیٰ میں۔ ورنہ جو کچھ آپؐ کو حاصل تھا۔ وہ دوسرے پیغمبروں کو بھی حاصل تھا۔ اگر آپؐ نبوت رکھتے تھے۔ تو دوسرے بھی نبوت سے سرفراز تھے۔ اور اگر آپؐ صاحبِ کتبائے شریعت تھے تو دوسرے انبیاء بھی صاحبِ کتاب شریعت تھے۔ پس آپؐ کا تفضل بسبب معراج و شفاعت کے ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ دونوں شرفِ بدولت تو اضع کے حاصل ہوئے کہ آپؐ نے جب حق تعالیٰ کے ساتھ تواضع کی۔ تو دولتِ معراج پائی اور جب خلق کے ساتھ تواضع کی تو دولتِ شفاعت پائی۔

پانچویں دلیل یہ کہ لیلة الاسریٰ کی صبح کو جب کفار نے بیت المقدس کے نشانات دریافت کئے تو آپؐ نے اُن کی ایک ایک بات کا جواب جیسا کہ آپؐ نے معائنہ فرمایا تھا فرمے دیا۔ اگر خواب میں یہ واقعہ ہوتا۔ تو نہ کفار اس کا انکار کرتے اور نہ آپؐ بیت المقدس کے نشان طلب کرنے۔ رہی یہ بات کہ حضرت عائشہؓ صدیقہ

اور حضرت معاویہ اور خواجہ حسن بصری سے معراجِ روحی مروی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ واقعہ معراج کے وقت جو کہ میں ابتدائی حالت تبلیغ اسلام میں واقع ہوئی، خود سالہ تھیں۔ اسی سبب آپ کو اصل حقیقت سے اطلاع نہ ہوئی۔ اور حضرت معاویہ اُس وقت تک مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے۔

غرض مذہب اکثر سلفِ خلف کا یہ ہے کہ واقعہ معراج بیداری میں جسد و روح کے ساتھ ہوا۔ کہ سے بیت المقدس تک اور وہاں سے آسمانوں اور مقامِ قاف تو سین او ادنیٰ تک۔ پھر اس میں بھی علما کا اختلاف ہے کہ آنحضرتؐ نے پروردگارِ عالم کو دیکھا یا نہیں؟

مذہب عائشہؓ یہ ہے کہ آپؐ نے نہیں دیکھا۔ اسی کے موافق صحابہ کی ایک جماعت کا قول ہے۔ سب روئے مروجی ہے کہ اُنہوں نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا۔ کہ شبِ معراج آنحضرتؐ نے اپنے پروردگار کو دیکھا یا نہیں۔ ہل سرائی محمدؐ ربہ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا۔ قل نف شنعری مما قلت تحقیق تیری اس بات سے میرے بدن کے رونگے کھڑے ہو گئے۔ سنو تین چیزیں ہیں اگر کوئی تمہیں بیان کرے تو اُن کو جھوٹ سمجھنا۔ پہلی بات یہ کہ اگر کوئی کہے محمدؐ نے معراج کی شب خدا کو دیکھا تو سمجھنا دروغ کہتا ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی لَا تَدْرُکُہُ الْبَصَارُ وَہُوَ بِذَرِّکَ الْاَلْبَصَارُ۔

حضرت ابو ذر غفاریؓ کا قول ہے کہ آنحضرتؐ نے قلب سے دیکھا نہ آنکھ سے اور علما کی ایک جماعت مثل ابن عباسؓ اور ابو الحسن اشعریؒ کے اس بات کے قائل ہیں کہ آنحضرتؐ نے خدا کو دیکھا۔ پھر ایک گروہ کا قول ہے کہ آنحضرتؐ نے دوبار دیکھا۔ ایک با چشمِ دل سے اور ایک با چشمِ سر سے۔ انہیں اختلافات کے سبب بعض ائمہ دین فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ رویت میں توقف بہتر ہے۔ اور کسی ایک شق پر غلو ٹھیک نہیں۔ کیونکہ دونوں قسم کے اقوال صحابہؓ سے مروی ہیں اور دونوں میں تاویل کی گنجائش ہے۔ اور یہ مسئلہ بابِ عملیات سے نہیں ہے کہ دلیل ظنی پر اکتفا کیا جائے لیکن علمائے امت نے بعد تفحص احادیث اور تعمق نظر و تلاش و تلاش و تاویل و اخبار کے اس امر پر جزم کیا ہے کہ دل کے دیکھنے سے یہ مراد نہیں کہ آنحضرتؐ کو علم الہی حاصل ہو گیا۔ کیونکہ یہ بات آپؐ



ہر وقت صحت تھی۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے آنحضرتؐ کے دل میں خالقِ ربوبیتِ زمانی تھی۔ بالکل اسی طرح کی ربوبیت جو چشمِ سر کو حاصل ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ آنحضرتؐ کے دل کی معادنت سے اور دلِ چشم کی معادنت سے مشترک بدولت دیدار ہوا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آہ و سلم کے پاس شبِ معراج میں بُراق لایا گیا۔ منہ پر لگام لگی ہوئی پشت پر زین ڈالا ہوا۔ براق نے حضرت سے سرکشی کی تو جبریلؑ نے اُس سے کہا۔ کیا تو محمدؐ سے سرکشی کرتا ہے تجھ پر کوئی ایسا شخص سوار نہیں ہوا۔ جو خدا کے نزدیک حضرت سے زیادہ بزرگ ہو۔ راوی کا بیان ہے کہ بُراق نے یہ سن کر پسینہ ڈال دیا۔ رواہ الترمذی \*

قتادہ انس بن مالکؓ سے اور وہ مالک بن صعصعہ سے روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج کے احوال سے صحابہ کو اطلاع دی کہ جس حالت میں میں حطیم اور کبھی اپنے یوں فرمایا کہ میں حجرہ میں لیٹا ہوا تھا کہ دفعۃً ایک آنے والے (جبریلؑ) نے اگر میرا سینہ چاک کیا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے انسؓ کو کہتے سنا کہ اُس نے یہاں سے یہاں تک چیر ڈالا۔ پھر میں نے جاؤ وہ سے کہا جو میرے پہلو ہی میں بیٹھتے تھے کہ انسؓ کی اس سے کیا مراد ہے۔ کہا گلے کے نیچے سے زیر ناف تک۔ اور میں نے انسؓ کو کہتے سنا کہ سینہ کے اوپر سے زیر ناف تک پھر اُس نے میرا دل نکالا۔ زان بعد ایک سوئے کا طشت ایمان سے بھرا ہوا میرے سامنے لایا گیا۔ پھر میرا دل دھویا گیا۔ اور اُس میں ایمان بھر کر جہاں کا تماں کھ دیا گیا۔ پھر میرے سامنے ایک سفید جانور لایا گیا۔ جو خچر سے بچاؤ گدھے سے اونچا تھا۔ جاؤ وہ نے انسؓ سے کہا اے حمزہ کیا وہ بُراق کہا۔ انسؓ نے کہا ہاں وہ براق اپنے منظر پر قدم ڈالتا تھا۔ سو اُس پر میں سوار کیا گیا۔ اور مجھے حضرت جبریلؑ نے چلے یہاں تک کہ پہلے آسمان کے پاس پہنچے تو جبریلؑ نے آسمان کا دروازہ کھلوانا چاہا۔ جو کبیدار نے کہا یہ کون ہے کہ میں جبریلؑ ہوں کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہیں جبریلؑ نے کہا محمدؐ۔ کہا گیا اور کیا وہ بلائے گئے ہیں۔ کہا ہاں۔ کہا گیا۔ خوب ہی آئے اور بہت اچھا آئے چنانچہ دروازہ کھولا گیا۔ جب میں داخل ہوا تو اچانک دیکھتا ہوں کہ وہاں حضرت آدمؑ ہیں۔ جبریلؑ نے کہا کہ یہ تمہارے باپ آدمؑ ہیں۔ انہیں سلام کیجئے میں نے سلام کیا۔ اور انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ زان بعد کمانیک بخت فرزند اوجاع



نبی کو مرحبا ۛ

پھر جبرئیلؑ اوپر چڑھے۔ یہاں تک کہ دوسرے آسمان پر آکر دروازہ کھلوانا چاہا۔  
چوکیدار بولا۔ کون ہے کہا میں جبرئیل ہوں۔ کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہیں میں نے کہا  
محمدؐ۔ کہا گیا۔ کیا وہ بلائے گئے ہیں کہا ہاں۔ کہا گیا اے مرحبا خوب آنا آئے۔ چنانچہ  
دروازہ کھولا گیا۔ جب دوسرے آسمان پر پہنچا تو میں نے اچانک یحییٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیکھا۔ جو  
خالد زاد بھائی تھے۔ جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ یحییٰؑ اور عیسیٰؑ ہیں۔ انہیں سلام کرو۔ میں نے سلام کیا  
انہوں نے جواب سلام دیا۔ راں بعد کہانیک بخت بھائی اور صلح نبی کو مرحبا ۛ

پھر جبرئیل مجھے لے کر تیسرے آسمان پر چڑھے۔ اور دروازہ کھلوانا چاہا۔ چوکیدار  
نے کہا۔ کون ہے کہا میں جبرئیل ہوں کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہیں کہا محمدؐ۔ کہا گیا  
اور کیا وہ بلائے گئے ہیں کہا ہاں۔ کہا گیا۔ مرحبا اچھا آنا آئے۔ چنانچہ دروازہ کھولا گیا  
جب میں ہاں پہنچا۔ دیکھتا ہوں کہ یوسفؑ کھڑے ہیں۔ جبرئیلؑ نے کہا یہ یوسفؑ ہیں۔ راں کو  
سلام کرو۔ میں نے سلام کیا۔ اور انہوں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہانیک بخت بھائی  
اور صلح نبی کو مرحبا ۛ

پھر جبرئیل مجھے بیکر چوتھے آسمان پر چڑھے۔ اور دروازہ کھلوانا چاہا۔ چوکیدار  
بولا۔ کون ہے کہا میں جبرئیل ہوں کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہیں کہا محمدؐ۔ کہا گیا کیا وہ  
بلائے گئے ہیں کہا ہاں۔ کہا گیا۔ مرحبا خوب آنا آئے۔ چنانچہ دروازہ کھولا گیا۔ جب  
میں اور یسٰی کے پاس پہنچا۔ تو جبرئیلؑ بولے یہ ادريسؑ ہیں۔ ان کو سلام کرو۔ میں نے سلام  
کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر کہانیک بخت بھائی اور صلح نبی کو مرحبا ۛ

پھر جبرئیل مجھے لے چڑھے۔ یہاں تک کہ پانچویں آسمان کے پاس پہنچ کر دروازہ  
دروازہ کھلوانا چاہا۔ چوکیدار بولا۔ کون ہیں۔ جبرئیلؑ نے کہا میں ہوں جبرئیل۔ کہا گیا۔  
اور تمہارے ساتھ کون ہیں۔ کہا محمدؐ کہا گیا کیا وہ بلائے گئے ہیں۔ کہا ہاں کہا گیا اچھا آنا  
آئے۔ جب میں ہاں پہنچا تو ہارونؑ کو دیکھا۔ جبرئیلؑ نے کہا یہ ہارونؑ ہیں۔ ان کو سلام  
کرو۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے جواب سلام دیتے ہوئے کہانیک بخت بھائی اور  
صلح نبی کو مرحبا ۛ

پھر جبرئیل مجھے لے چڑھے یہاں تک کہ چھٹے آسمان کے پاس پہنچ کر دروازہ کھلوانا

چاہا۔ چوکیدار بولا کون ہے۔ جبرئیل نے کہا۔ میں ہوں جبرئیل کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہیں کہا محمدؐ۔ کہا گیا اور کیا بلائے گئے ہیں۔ کہا اُن کہا گیا اچھا آنا آئے مر جا۔ جب میں چھٹے آسمان پر پہنچا۔ تو میں نے موسیٰؑ کو دیکھا۔ جبرئیل نے کہا یہ موسیٰؑ ہیں سران کو سلام کرو۔ میں نے اُن کو سلام کیا۔ اُنہوں نے سلام کا جواب دیا۔ اور کہا نیک بخت بھائی اور صالح نبی کو مر جا۔

جب اُن میں وہاں سے ہٹا تو موسیٰؑ ٹرو پڑے کسی نے کہا۔ موسیٰؑ تمہارے رونے کا کیا سبب ہے۔ کہا میں اس نئے روتا ہوں کہ ایک لڑکا میرے بعد نبی ہوا۔ جس کی آمدت کے لوگ میری آمدت سے زیادہ جنت میں جائیں گے۔

پھر جبرئیل مجھے ساتویں آسمان کی طرف لے چڑھے۔ اور دروازہ کھلوانا چاہا۔ چوکیدار بولا کون ہے۔ جبرئیل نے بولے میں ہوں جبرئیل کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہیں کہا محمدؐ۔ کہا گیا یہ بلائے گئے ہیں۔ کہا اُن کہا گیا۔ مر جا کیا خوب آنا آئے جب میں ہاں پہنچا۔ تو میں نے وہاں حضرت ابراہیمؑ کو دیکھا۔ جبرئیل نے کہا یہ تمہارے باپ ہیں سلام کرو۔ میں نے سلام کیا۔ اور اُنہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر دیا نیک بخت بیٹے اور صالح نبی کو مر جا۔

پھر میں سدۃ المنتہیٰ کی طرف پہنچا یا گیا۔ اُس کے بیر ایسے تھے۔ جیسے پتھر کے ٹھکے۔ اور اس کے پتے جیسے ہاتھیوں کے کان۔ جبرئیل نے کہا یہ سدۃ المنتہیٰ ہے اور وہاں چار نہروں پڑی جتنی تھیں۔ دو چھپی۔ دو کھلی۔ میں نے کہا اے جبرئیل یہ کیا ہیں۔ کہا چھپی ہوئی دو نہریں بہشت کی نہریں ہیں اور کھلی ہوئی نہریں نیل و فرات ہیں پھر مجھے بریت المعمور نمودار ہوا۔ اُنال بعد میرے پاس ایک برتن شراب کا اور ایک برتن دودھ کا اور ایک برتن شہد کا پھرا ہوا لایا گیا۔ میں نے دودھ کا برتن لے لیا۔ تو جبرئیل نے کہا یہ دودھ پیدا الہی دین کی صورت پر ہے جس پر آپؐ اور آپؑ کی آمدت ہے۔ پھر مجھے پرہیز میں سچاؤت کی نمازیں فرض ہوئیں۔ جب میں اُن سے ملٹا۔ تو میرا گزر موسیٰؑ پر ہوا۔ اُنہوں نے کہا۔ تمہیں کس چیز کا حکم ہوا۔ میں نے کہا ہر روز سچاؤت

لے رہا ہے الفاظ یہ ہیں فلما جاؤ ذت قبیل لہ ما یدبک یدک قال ابکی لان غلاما بعث بعدی یدخل الجنة من اقصاه اکثر من یدخلها من امتی ۱۲ (معالم التنزیل)



نمازوں کا حکم ہوا ہے۔ موسیٰ کو لے کر تمہاری امت سے ہر روز پانچ وقت کی نماز ادا نہ ہو سکے گی۔ قسم خدا کی میں تم سے پیشتر لوگوں کو آزا چکا ہوں۔ اور سب سے پہلے اسرائیل کا بڑی بڑی تدبیروں سے علاج کر چکا ہوں۔ اپنے رب کے پاس پلٹ جاؤ۔ اور اپنی امت کے لئے آسانی مانگو۔ چنانچہ میں نے اس پر عمل کیا۔ تو خدا نے مجھ سے پانچ وقت کی نمازیں معاف کر دیں۔ پھر موسیٰ کی طرف پلٹا۔ تو اس نے پھر وہی کہا۔ پھر میرا اس پر عمل کیا۔ تو اس وقت کی اور حکم ہوئے ہیں میں پھر اس کی طرف پلٹ کر آیا۔ اور انہوں نے وہی بات کہی۔ پھر خدا کے پاس گیا۔ اور ہر روز دس نمازوں کا حکم ہوا۔ پھر میں موسیٰ کی طرف پلٹا۔ تو انہوں نے وہی کہا۔ پھر میں پلٹ گیا۔ اور ہر روز پانچ نمازوں کا حکم ہوا۔ جب میں پلٹ کر موسیٰ کے پاس آیا تو کہا تمہیں کیا حکم ہوا۔ میں نے کہا ہر روز پانچ نمازوں کا حکم ہوا ہے۔ کہا تمہاری امت سے ہر روز پانچ نمازیں بھی ادا نہ ہو سکیں گی۔ میں نے تم سے پہلے لوگوں کو آزما لیا ہے۔ اور یہی اسرائیل کا علاج بڑی بڑی تدبیروں سے کیا ہے۔ اپنے رب کے پاس پھر جاؤ۔ اور اپنی امت کے لئے آسانی مانگو۔ حضرت نے کہا میں اپنے رب سے سوال کرتا گیا۔ حتیٰ کہ شرمایا۔ لیکن میں اسی ہوتا اور تسلیم کرتا ہوں۔ جب میں وہاں سے آگے بڑھا تو ایک منادی نے پکار دیا کہ میں نے اپنا فرض جاری کیا۔ اور اپنے بندوں سے بوجھ ہلکا کر دیا۔ روا البخاری فی صحیحہ

رواہ مسلم مع اختلاف و تغیر فی بعض الالفاظ فی صحیحہ

ابو سلمہ ابن عبدالرحمن سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے جابر ابن عبد اللہ سے سنا کہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب قریش نے مجھ کو (معراج کے مقدمہ میں) جھٹلایا۔ تو میں حجر میں کھڑا ہو گیا۔ خدا تعالیٰ نے بیت المقدس مجھ پر ظاہر کیا۔ تو میں اس کے اتنے پتوں کی خبر دینے۔ اور میں اس کی طرف دیکھتا جاتا تھا۔ روا البخاری فی صحیحہ باب الاسراء

محمد بن یحییٰ بن یحییٰ صاحب تلخیص لولہ کا کہ جس کے قد پہ بچے یا چھت زیاں خلعت اسرار کا کہ جس کے چوہ بڑوں میں نہیں تھے ہونے کے ظن و دو جہاں سایہ ہے جس شہ کے سراپا کا نقد رکے بڑوں ہے سردی کا اور تدلی کا بیس، مرتبوں میں قبا قبسین ایک ادنیٰ کا



## دیگر

دیکھا وہ جو عقل میں نہ آدے      نہ فہم نہ درک میں نہ سادے  
 اللہ سے سنا کلام قدسی      پہنچایا یہاں پیام قدسی  
 بے پردہ رہے نقاب دیکھا      اللہ کو بے حجاب دیکھا  
 نظارہ کیا اسی نظر سے      دیکھا اُسے اپنے چشم سر سے  
 جو راز و نیاز وہاں ہوئے تھے      یوناز و نیاز وہاں ہوئے تھے

ہے اُن کا بیاں، بیاں سے باہر  
 ہے اُن کا نشان، نشان سے باہر

## فائدہ ۷

## مزامیر و معارف کی بحث

## متعلقہ صفحہ

ہمارے مانہ کے علما و صوفیاء میں خدا اُن پر جسم کرے۔ ایک یہ بھی خرابی ہے کہ اُن میں سے ہر ایک معزز و مؤثر فرقہ باستثناء معدوثے چند تعصبِ نفسانیت کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔ اور یہ وہ تعصبِ نفسانیت ہے جو خدا اعتدال سے کوسوں دُور جا پڑی۔ اور جس پر اطلاع ہونے کے بعد کوئی شخص اُن کے باخدا اور مومن کامل ہونے پر یقین نہیں کر سکتا۔ جس فرقہ نے مخالفت فرقہ مقابل جس مسئلہ کے جس پہلو کو پرکھا ہے۔ اُسی پہلو کی تائید و تقویت میں آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ کر زور دیتا رہا ہے۔ حالانکہ فرقہ مقابل کے مسلمہ مسئلہ میں بھی ایسی باتیں موجود ہیں جس کو دیکھ کر کوئی شخص اس طرح کی سختی کو روا نہیں کر سکتا۔ غرض سچ پوچھنے تو اسلام کے ان دونوں معزز گروہ میں اکثر لوگ ایسے ہیں جو عراض مستقیم انصاف اور احقاق حق کو چھوڑ کر افراط و تفریط میں گرفتار ہیں۔ مثلاً یہی مسئلہ سماع کا ہے کہ ایک طرف تو علمائے اسلام اُس کو حرام مطلق فرماتے ہیں۔ اور طرح طرح کے حدیث و آثار و اقوال فقہائے اُس کے ثبوت میں استدلال کرتے ہیں۔ اور اُس کے ترکیب کی تکفیر کرتے ہیں۔ دوسری جانب صوفیائے کرام

اس کو نسل نبی اور صلح و تابعین عنوان شد تعلی علیہم اجمعین بتاتے ہیں۔ اور اقسام اقسام کے موضوع اور ضعیف احادیث و حکایات سے سند پکڑتے ہیں۔ اور محرمین سماع کی تکفیر میں کوشش کرتے ہیں۔ یہ فراط و تفریط ہے۔ جو ہم سے بزرگ علما اور مؤقر صوفیہ کی رگ ٹپے میں سرایت کر گیا ہے۔

## مسئلہ سماع

حقیقت یہ ہے کہ اصل مسئلہ اس کے بین بین ہے۔ اور دونوں گروہ حد اعتدال سے بڑھ گئے ہیں۔ ہمارا ارادہ ہے کہ دونوں حضرات کے اقوال و استدلال کو بنظر انصاف ملاحظہ فرما کر ایک قول فیصلہ قائم کریں کہ یہ حضرات مسلمانوں کی تکفیر سے بچیں کہ کسی مسلمان کو کافر کہنا دراصل خود کفر کی خندق میں گرنا ہے۔ تعجب ہے کہ انہوں نے اہل سنت و الجماعت کا اس پر اتفاق کہ کسی شخص میں نہانے کا احتمال کفر کے اور ایک احتمال ایمان کا پایا جاوے تو ایمان کا احتمال قابل تسلیم ہوگا۔ کہاں بات بات پر مسلمان کو کافر و مرتد کہنا ہم نے اس بارہ میں بزرگان دین کی اکثر کتابیں ملاحظہ کی ہیں۔ اور مسئلہ سماع میں بڑی بڑی بحثیں دیکھی ہیں۔ مگر کیا مجال کہ یہ بزرگ ذرا بھی اعتدال سے بڑھے ہوں۔ جو بات انہوں نے بیان کی ہے۔ نہایت انصاف و حق شناسی سے پانی کا پانی اور دودھ کا دودھ انگ کر دکھایا ہے۔ صحیح و تقیم میں یقین فرق بتا دیا ہے۔ اور جہاں اُن کے اباحت میں کسی ایک پہلو کی رعایت کی گئی ہے۔ وہ صرف ہماری نظروں اور ہماری تحقیق کا تصور ہے کہ ہم ابتدا سے انتہا تک بنظر غائر اُن کی تقریر ملاحظہ نہیں کرتے۔ اور اگر فی الحقیقت اُن کی تقریر میں ضعیف اور موضوع احادیث سے استدلال پایا جاتا ہے۔ تو یاد ہے کہ وہ کوئی معصوم اور غلطی سے محفوظ نہیں تھے۔ شاید انہیں اسی طرح پہنچا ہوگا۔ وہ اُس میں معذور ہیں۔

عقائد کی کتب میں ہے۔ المجتہد قد یخطئ ویصیب پھر حدیث میں آیا ہے کہ مجتہد کو صواب پر دواجر اور خطا پر ایک اجر ملتا ہے۔ اُنہوں نے جو کچھ لکھا ہے انصاف اور نیک نیتی سے لکھا ہے۔ اور انما الاعمال بالنیات کے لحاظ سے، خطا پر اسے اجتناء کرنے والا کبھی خطا کرتا ہے۔ اور کبھی ٹھیک کرتا ہے۔



یہی ماجور ہیں۔ ہمیں لازم ہے کہ ان بزرگوں کی نسبت اسات ظن سے باز رہیں۔ اور تحقیق کر کے اُس غلطی پر جو سہواً اُن سے ہو گئی ہے۔ حتی الامکان روشنی ڈالیں۔ یہ نہیں کہ جانب حق کو چھوڑ کر تعصب اختیار کریں۔ اور اپنی بات پالنے کے لئے بیہودہ اور لاطائل دلائل معرض بحث میں لائیں۔ اور ضعیف اقوات کے سوا خدا کے سامنے بھی نام آدم اور شہ مسار بنیں۔

ہمارے پاس ایسے ہی تعصب نفسانیت کے بھکے ہوئے دو تین رسائل آئے ہیں۔ ہم نے ان رسائل کو جو باخانا پیرائے میں لکھے گئے ہیں۔ ملاحظہ کیا۔ حق یہ ہے کہ دونوں حضرات نے انہیں اپنے اپنے دعوئے پر بلا لحاظ امر حق دلائل قائم کئے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے۔ اور اپنے ماتہ بھی وہ نہیں رہا کہ اسلام کے دو معزز رکن اس قسم کی بیہودہ بحثوں میں اپنی عمر کا بہتر حصہ صرف کریں۔ جس سے کوئی عمدہ نتیجہ نہ پیدا ہو۔ اس مقام پر ہم محرمین و مجوزین کے تمام دلائل بالتفصیل بیان نہیں کریں گے کہ یہ مختصر مضمون اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ صرف چند اقوال نقل کریں گے۔ اور پھر قول مبطل کی طرف رجوع کریں گے ہم جو کچھ لکھیں گے وہ بلا لحاظ کسی جانب اسی اور تائید کے ہو گا۔ اس لحاظ سے اُمید ہے کہ ناظرین بھی بمصداق الحق یصلو ولا یعیس اُس کے قبول کرنے اور اُس پر عمل درآمد کرنے میں پس پیش نہ کریں گے۔ عربی عبارات کے تراجم لکھے گئے ہیں تاکہ طوالت نہ ہو۔

## غنا و الحدیث ہے

محررین فرماتے ہیں کہ اولہ اربعہ سے غنا و مزامیر کی حرمت مطلقہ ثابت ہے۔ رسولائے دف کے کہ اعلان کلمح کے واسطے اُس کا بجانا جائز ہے۔ اور سوائے طبل غازی و نقارہ سحر اور نوبت کے اگر برائے تنبیہ ہوں نہ برائے تفاخر اُس کا بجانا بھی مباح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيَمُزَّجَ بَيْنَ الْمَقْصِدِ وَالْمُسْتَضَىٰ بِهٖ وَيُغْرِغَ فِيْهِمْ اَلْأَمْثِلَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْهِ مُشْرِكُونَ۔ اور وعید حرام پر ہی ہوا کرتی ہے۔

لے سچی بات غالب ہوتی ہے۔ مغلوب نہیں ہوتی۔ لے اور بعض لوگ ایسے ہیں۔ جو کھیل کی باتوں کو خریدتے ہیں ۱۲۔



حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وَاللّٰهِ لَکُوَ الْحَدِیْثُ عِنَّا ہِیَ ہِیَ  
بہیقی اور حاکم نے اس کا اخراج کیا ہے۔ اور اس کی تصحیح کی ہے اس کی تخریج ابن ابی شیبہ  
اور بیہقی نے ابن عباسؓ سے بھی کی ہے۔ بلفظ ھُوَ الْغِنَا وَاشْبَاحُ ھِیَ

مجازین جواب دیتے ہیں کہ یہ عید اس شخص کے حق میں ہے۔ جو خدا کی راہ سے  
گمراہ کرنے کے واسطے یہ کام کرے۔ چنانچہ اسی آیت کا شان نزول اس بات کا شاہد  
ہے۔ محمد بن کتبہ ہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا کو لہو لعب کہا ہے اَنَّمَا الْحَیْوۃُ الدُّنْیَا  
لَعِبٌ وَھُوْءٌ۔ پس اگر حرام ہوگا۔ تو جو کچھ بھی نیا میں ہے۔ حرام ہے۔ اور اسی باب کے  
وہ حدیث جس میں مغنیات کی بیع و شرا و کسب اکل اثمان سے منع کیا گیا ہے۔ جبکہ  
ترمذی و ابن ماجہ وغیرہما نے ابی امامہؓ سے اور ابو طیب طبری نے حدیث عائشہؓ سے  
اور طبرانی نے حدیث عمرؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا  
ثَمَنُ الْقَنِیۃِ سَحَتٌ وَعِنَاقُهَا حَرَامٌ اور سوائے اس کے اور بھی اکثر احادیث  
ہیں۔ لیکن وہ احادیث کہ مزامیر و معارف کی حرمت میں وارد ہوئی ہیں۔ نہایت کثیر  
ہیں۔ حتیٰ کہ ایک جماعت علماء مثل ابن جریر و ابن ابی الدنیا و ابن حمدان الاربلی اور وہابی  
وغیرہم نے اُن کو جمع بھی کیا ہے۔

ہم یہاں چند احادیث فتاویٰ مولانا عبدالحی سے نقل کرتے ہیں صحیح بخاری میں  
بطور تعلیق کے مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ایسے لوگ  
ہونے والے ہیں۔ جو حریر اور شراب اور معارف کو حلال جائیں گے۔ اور سنن ابن ماجہ  
میں مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت کے  
بعض لوگ شراب کو اس کا نام بدل کر پئیں گے۔ اور اُن کے سروں پر معارف اور  
مغنیات سے بچایا گیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اُن کو زمین میں ہنسا دیگا۔ اور اُن کو زندہ  
اور سُور بنا دیگا۔

جامع ترمذی میں مروی ہے کہ حضور انورؐ نے فرمایا ہے کہ میری امت میں  
خسف و سخ ہوگا۔ جس وقت گھٹنے والیاں اور معارف ظاہر ہوں گے۔ اور مسند احمد میں  
ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے! اللہ تعالیٰ نے شراب قمار بازی  
لے بیشک دنیا کی زندگی دل پہلاؤ اور کھیل ہے ۱۲

اور کو بندہ کو حرام کر دیا ہے۔ اور سند ابن ابی الدنیا میں مروی ہے کہ حضرت رسول کریم علیہ  
التحیہ والتسلیم نے فرمایا ہے کہ اس امت سے ایک قوم آخر زمانہ میں مسخ ہو جائے گی یعنی  
بندر و خنزیر کے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا وہ لوگ (عالمہ) اللہ محمد  
رسول اللہ کے قائل نہیں ہونگے۔ آپ نے فرمایا ہاں ہونگے اور روزہ حج و نماز سب  
ادا کریں گے۔ کہا گیا پھر کیا سبب۔ فرمایا کہ وہ معارف اور تقیسات سے شغفہ رکھیں گے  
انتہی۔ سوال نے ان کے اور بھی احادیث ان کی حرمت میں وارد ہوئی ہیں۔ بلکہ مطلق سماع  
کی حرمت میں بھی اکثر احادیث ہیں۔

## گانا بجانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے القناء  
بذبت النفاق فی القلب کما یذبت الماء البقل رواہ البیہقی فی  
السنن یعنی گانا دل میں نفاق کو دس طرح جھاتا ہے جس طرح پانی گھاس کو جھاتا ہے۔  
نیز آپ نے فرمایا دو آوازیں دنیا و آخرت میں ملعون ہیں۔ مزار وقت نغمہ اور گریہ زاری  
وقت مصیبت۔ نیز آپ نے فرمایا اللہ صفا کی آواز کو مبغوض رکھتا ہے جس طرح غنا کو  
مبغوض رکھتا ہے۔ ان ہی دلائل سے اکثر حنفیہ مطلق غنا کو بھی حرام کہتے ہیں۔ اور نیز  
دفع کی کراہت کے قائل ہیں۔ لیکن بعض حنفیہ اعلان نکاح کے واسطے ایسے دفع کے  
بجائے کی اجازت دیتے ہیں۔ جس میں جھانجھ نہ ہو۔

مولانا عبدالحی فرماتے ہیں کہ حق تو یہ ہے کہ نفس غنا عموماً ممانوع نہیں۔ بلکہ  
اُس میں حرمت یا کراہت بوجہ عوارض خارجیہ کے عارض ہوتی ہے۔ اور مزار میر  
سب ممانوع ہیں بجز دفع کے کہ اُس کی اجازت نکاح وغیرہ میں وارد ہو گئی ہے۔  
محرمین سماع کا یہ استدلال بالحدیث ہے۔ جو انہوں نے سماع غنا اور مزار میر و معارف  
کے حرام مطلق ہونے میں بیان کیا ہے +

مجازین سماع اس کے باب میں فرماتے ہیں کہ رضوی نے امتناع میں کہا  
ہے کہ ایک جماعت خواہریہ و مالکیہ خابہ و شافعیہ نے اس باب میں سختی احادیث  
وارد ہوئی ہیں۔ سب کی تصنیف کی ہے۔ اور کہتے ہیں۔ ائمہ اربعہ نے اور دواؤ کو



ابوسفیان نے جو مجتہدین کے سردار اور اصحابِ ہرب ہیں۔ ان سے استدلال نہیں کیا  
اسی طرح دوسرے مجوزین کہتے ہیں کہ باب تحریم غنا اور آلاتِ لہوئیہ میں کوئی شے صحیح  
نہیں۔ محرمین اُن کی صحت و تصحیح پر زور دیتے ہیں۔ اور مجوزین کو قائل و معقول کرنے  
کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر مجوزین اپنے دعوے جواز و اباحت سماع و مزامیر و معازف  
کو احادیث سے ثابت کرتے ہیں۔ اور قصہ عزیزی ربیع بنت معوذہ اور قصہ غنا جاریتین  
فی یوم الفطر یا عبد الضحیٰ اور قصہ و فائے نظر جاریہ وقت رجوع غزوہ کو پیش کرنے  
ہیں۔ \*

محرمینِ طرح سے اس کا جواب دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اِن آیات میں جہاں  
غنا مذکور ہے۔ اُس سے مراد غنا لغوی ہے۔ یعنی کسی شعر کو ذرا آواز بنا کر پڑھ دیتا  
اور اُس میں گفتگو نہیں لیکن ہماری مراد باب تحریم میں اُس غنا سے ہے۔ جو خاص  
تحریک صوت و نغمات کے ساتھ برعایت قواعد موسیقی ہو۔ اور یہ بالانفاق حرام  
ہے۔ \*

دوسرے اِن آیات میں ف بجانے کا ذکر آیا ہے۔ اور یہ محل نزاع نہیں  
کیونکہ ہم اس کو آلاتِ غنا سے مستغنی جانتے ہیں۔ بدلیل حدیث اعلتوا النکاح  
ولو بالدف و سواہ الترمذی وغیرہ بالفاظ متعارفہ سوائے اس کے تمام  
آلاتِ غنا طبلہ و طبور وغیرہ بے نصوص صریحہ صحیحہ ممنوع ہیں۔ \*

مجوزین یہ تخصیص دے دیافت کرتے ہیں۔ محرمین کہتے ہیں کہ وجہ تخصیص  
حدیث مذکورہ ہے۔ جس میں علانِ نکاح کے واسطے ضربے کی اجازت دی ہے  
اور دوسرے آلاتِ منابہ سے منع فرمایا ہے۔ مجوزین کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن جعفر  
نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں غنا عود کے ساتھ سنا ہے۔ اور  
کتب معتبرہ میں آپ کی نسبت تحریر ہے۔ کہ ایسی بالفضاء باسگاہ زمانہ صحابہؓ  
کا تھا۔ اور آپ بھی صحابی تھے کسی نے آپ کو اس فعل سے منع نہیں کیا۔ اور یہ  
اجماع سکوتی کی دلیل ہے۔ جس سے غنا یا عود کی اباحت ہوتی ہے۔ \*

محرمین جواب دیتے ہیں کہ اول تو عبد اللہ بن جعفر کا فعل اس باب میں  
سند نہیں ہو سکتا۔ دوسرے ممکن ہے کہ عبد اللہ بن جعفر کو علم حرمت و نسخ کا نہ ہو



تیسرے آپ کا غنا بقاعدہ موسیقی نہ تھا۔ کیونکہ موسیقی کے قواعد آپ کے بعد منضبط ہوئے ہیں۔ بعض مجوزین نے بیان کیا کہ نبوت سملع میں وردیل ہے کہ اس کو فعل نبی کہہ دیا۔ اسی قسم کی کئی احادیث بھی بتا دیں جس میں آپ کا غنا سنا اور اسی سے وجد آنا۔ اور اس حالت میں چادر کا دوش مبارک سے سرک جانا صحابہ کا اس کو آپس میں تقسیم کر لینا بیان کیا گیا ہے۔ کَبْرُکْتُ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ۔

ایک روایت میں آیا ہے کسی شخص نے آپ کے سامنے یہ اشعار گائے۔  
لَقَدْ لَسَمْتَ حِیۡتَہُ الْهَوٰی کِیۡدِی فَلَآ طَبِیۡبَ لَهَا وَکَلَّ رَاقِ  
اَلَا الْحَبِیۡبَ الَّذِی شَغَفْتَ بِہِ فَعِنْدَا رَقِیۡتِی وَتَرِیۡا قِی  
راوی کہتا ہے کہ ان اشعار کے سننے سے ایسا وجد ہوا کہ آپ کے دوش مبارک سے چادر گر گئی۔

محررین کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کا جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے خود حدیث سے اس کا موضوع ہونا ثابت ہے۔ ابو بکر عمار ابن اسحاق نے اس سے نفرد کیا ہے۔ اور یہی اس کا واضح ہے۔ اور اس کی مثل دوسری حدیثیں بھی موضوع اور جھوٹی ہیں۔ جو دضعیں نے لوگوں کو جھٹلانے کے لئے بنا ڈالی ہیں۔ اور مضائقہ اس حدیث کے بنے ہیں۔ مَنْ کَذَبَ عَلٰی مُتَّحِدٍ اَفَلِیۡتَبَوَّا مَقْعَدَا مِنَ النَّارِ یعنی جس شخص نے جو بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندا۔ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں ٹھونڈ لے۔ رسول خدا صحابہ و تابعین نے کبھی کسی قسم کا سماع بیعت کذابہ نہیں کرایا ان کا سماع یہ تھا کہ جب ایک مقام پر جمع ہوتے۔ تو کسی شخص سے قرأت قرآن کی درخواست کرتے۔ اور اسی سے انہیں توجہ و مدد ہوتی ہوتی۔ اور یہ وہ سماع ہے جس کے سننے والوں کی تعریف اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے۔ اِذَا تَشَتَّى عَلَیْکُمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ حَسَّذَا سُبْحٰنًا وَّعَبْرٰتًا۔ یعنی جب ان کے روبرو آیات الہی

۱۲۔ بڑی باتیں ہیں۔ جو ان کے مومنوں سے نکلتی ہیں۔

۱۳۔ دنیوی خواہش کے سانچے میرے جگر کو ڈس لیا ہے نہ تو اس کا کئی چہرہ گر ہے۔ اور نہ منتری (پھونک کے ذریعہ زہر کو اتارنے والا) گروہ دوست جس کو میں چاہتا ہوں۔ اسی کے پاس میری منتری ہے۔ اور میرا تریاق ہے ۱۲۔

پڑھی جاتی ہیں۔ تو سجدہ کرتے ہوئے اور رقتے ہوئے گر پڑتے ہیں۔ پھر حسین اس پر فسق کے دلائل قائم کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ فقہ حنفی میں بالاتفاق سماع مع مزامیر و معارف کی حرمت ثابت ہے۔ اور بعض دیگر مذاہب بھی اس کی تحریم کی جانب جوع ہوئے ہیں۔ اور بزرگان دین نے بھی اس کی حرمت کی جانب زیادہ زور دیا ہے۔ تا تا رقانیہ میں ہے۔ اگر سماع غنا ہو تو حرام ہے۔ کیونکہ لغنی و مستماع غنا حرام ہے۔

اور مبسوط میں ہے۔ استماع المذمومہ والذغنی کلھا حرام اور محیط میں ہے۔ الذغنی والتقصیق بھا واستماعھا کلھا حرام یعنی گانا اور اس پر تالیاں بجانا۔ اور اس کا سننا یہ سب حرام ہے۔ اور ہدایہ میں ہے۔ مسئلہ ولالت کرنا ہے کہ ملا ہی تمام حرام ہیں۔ حتیٰ کہ غنا کرنا ساتھ ضرب تقصیق کے۔ مالا بد مذہب میں ہے۔ ملا ہی و مزامیر و طنبور و دہل و نقارہ و دف وغیرہ بالاتفاق حرام است۔ مگر طبل غازی یعنی نقارہ ہنگام جناب یا دف پرائے اعلان نکاح انتہی۔ اسی کے قریب قریب تمام کتب فقہ حنفی و شافعی میں مستحور ہے۔

محققین کہتے ہیں کہ جہاں کہیں کتب فقہ اور اقوال بزرگان دین میں معارف مزامیر و سماع و غنا کی حرمت آئی ہے۔ وہ حرمت مقید بلو ہے۔ حرمت مطلقہ نہیں ہے۔ اور اس بات کو ہم بھی مانتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے سماع غنا مع آلات یا بلا آلات بطور ہر کے کر یا وہ بالاتفاق حرام اور باعث وعید آخرت ہے لیکن جس سماع سے ثواب و عافیت رکھتے ہیں۔ وہ مباح ہے۔ اور اس کی سند میں تمام فقہاء کے اقوال صاف صریح موجود ہیں۔ اور بزرگان دین کو تو ہمیشہ اس کے سنے سے انس نہ ہے۔ یہ سماع باعث تقریب الی اللہ اور زیادہ محبت الہی و یاد حق ہے۔ چنانکہ غرض صحیح محبت الہی ہے۔ لہذا حرام نہیں ہو سکتا۔ مسئلہ سماع میں ان دونوں فریق کے یہ اقوال و دلائل ہیں۔ جن کو ہم نے بخوف طوالت بہت اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اس عبارت کو غور کے ساتھ پڑھنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بعض بعض جگہ دونوں فریق نے ٹھوکر کھائی ہے۔ محرمین کا یہ ماننا



کہ نفس غنابھی حرام ہے۔ اور اگر معہ آلات ہو۔ تو با اتفاق حرام مطلق ہے کسی قدر تحقیق سے گرا ہوا ہے۔ اور یہ کہ عبداللہ بن جعفر نے بقاعدہ موسیقی نہیں سنا۔ نیز انصاف کے خلاف ہے۔ کیونکہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۷ھ ہجری میں لجنہ دمی و فارسی عرب میں آیا تھا۔ اور حضرت عبداللہ بن جعفر کی وفات بقول اصح ۱۳۷ھ ہجری میں واقع ہوئی ہے پس ممکن ہے کہ کہنے بقاعدہ موسیقی سنا ہو۔ تاہم مجوزین کا اس فعل کو سنیدیں لانا۔ اور اجماع سکوتی فرمانا بہتر نہیں۔

مجوزین کی بڑی غلطی جو ناقابل معافی ہے یہ ہے کہ سماع کو فعل نہیں بلکہ کرتے ہیں۔ اور تمام معارف و مزامیر محرمہ کے ساتھ اس میں شریک ہونا مباح سمجھتے ہیں۔ ہم اس وقت محمد بن کے قول سے قطع نظر کر کے کہتے ہیں کہ بقول مجوزین سماع مباح ہے۔ مگر اس شخص کے واسطے جو اس کی اہلیت رکھتا ہے۔ اور اگر اسی مجلس میں کوئی نااہل بھی شریک ہوا۔ اور اہل نے اس کو شرکت سے منع نہیں کیا۔ تو ضرور اس کا وبال اہل پر پڑے گا۔ کیونکہ یہ اس کی گمراہی کا باعث ہوا ہے۔ اگر یہ چاہتا۔ اور اس کو شرکت سے باز رکھتا۔ تو کیوں وہ گمراہی میں پڑتا۔

اب ہمارے زمانہ کے مجالس سماع کو ملاحظہ فرمائیے کہ بزرگوں کی قبروں پر اور سربراہ اور مکینوں ایسی مجالس کرانے ہیں۔ جہاں عوام و خواص جھلا تمام شریک ہوتے ہیں۔ بلکہ اکثر صوفیہ نفس کے بغیر امیروں کو اپنی مجلس میں بلاتے ہیں اور ان کے ساتھ بخاطر مدارات پیش آتے ہیں۔ پس ایسی صورت میں ہم یقیناً کہتے ہیں کہ ایسا سماع اولہ اربعہ سے حرام اور قطعی حرام ہے۔ کیونکہ اس میں لہو شریک ہو گیا۔ اور جب تک یہ لہو ہمارے صوفیہ سے جدا نہیں ہوگا۔ سماع کی حرمت بھی جدا نہیں ہوگی۔ اب ہم مختصر سماع غنا کے اہل کی پہچان اور مجالس سماع کے شرائط بیان کرتے ہیں۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

جو تم سماع لے برادر کہ چنیت  
مگر مستمع را بدائم کہ کیست  
گراں آئین معنی بود طیار او  
فرشتہ فروماند از سیر او  
وگرم لہو است بازی دلغ  
قوی تر شود لہویش اند دماغ



ان اشعار میں شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے سماع کے اہل و نااہل کی تصریح فرمائی ہے۔ یعنی ایسے شخص میں سماع کی حقیقت تیرے رُوبرو بیان کروں کہ کیا ہے۔ مگر پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ مستمع کون ہے۔ سنو وہ شخص سماع کی اہلیت رکھتا ہے کہ اگر مرغِ روح اُس کا برج حقیقت میں جاگزیں ہے۔ تو وقتِ استماع سماع کے ایسی پرواز کرے کہ فرشتہ بھی اُس کی سیر سے عاجز و حیران رہ جائے۔ اور نااہل وہ ہے جو سماع کو براہِ لہو و ظرافت و بازی سُنتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ سماع سے اُس کے لہو اور اُسکی شہوت کو اور ترقی و قوت ہوتی ہے۔ دل کی حالت کو علام الغیوب ہی خوب جانتا ہے۔ مگر صوفیہ زمانہ حال کے قرائن سے لباس سے طریقوں سے اُن کے مصنوعی و تجد و حال سے عام مجالس میں سماع کرائے سے آلاتِ محرمہ کے ساتھ عتا سُنتے سے بازاری قوالوں۔ امردوں اور گانے والی عورتوں کی مجلس سے دلچسپی ظاہر کرنے سے اُن کو مواقعِ عرس و فاقہ بزرگان میں بلانے اور اُن کو شیرینی اور مٹھائی کی ٹوکریاں تقسیم کرنے سے اُن کو دعائیں دینا اور مائی کے خطاب سے یاد کرنے سے اُن کے گانے پر واہ واہ کرنے ناچنے اور بازاری قوالوں۔ ہجڑوں کے پاؤں پر گرنے سے آپس میں مل جل کر یونے۔ اور صدر مجلس کے پاؤں ہاتھ چومنے وغیرہ وغیرہ ناشائستہ حرکات کے کرنے سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مطلق سماع کے اہل نہیں۔ اور انہیں ہرگز سماعِ مُباح نہیں ہے۔ بلکہ حرام مطلق۔ اور مخبرہ کفر ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جو شافعی مذہب ہیں۔ اور جنہوں نے احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت وغیرہ کتب معتبرہ میں سماع کی اباحت پر سیکڑوں دلائل قائم کئے ہیں۔ وہ بھی ان کتابوں میں کئی مقامات پر ایسے سماع کو حرام قرار دیتے ہیں۔ اور کون عقلمند ہوگا۔ جو ایسے مواقع میں سماع کا سُنا مباح کہنگا جہاں نامحرم عورتوں، نااہل مردوں۔ اور امردوں کے جُھن صورت کے باعث فتنے اُٹھنے۔ اور نفسانی خواہشات کے بڑھنے۔ اور کثرتِ استماعِ سماع کے سبب اوراد و وظائف کے ترک ہو جانے کا اندیشہ و خوف ہو۔ اب سماع کے شرائطِ ملاحظہ فرمائیے۔ جو بزرگانِ دین نے بیان کئے ہیں۔ اور فرمایا ہے کہ ان میں

سر اگر ایک شرط بھی کم ہو۔ تو سماع حرام ہے ۔

فوائد الفوائد میں ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ فرمودند کہ چند شرائط موجود شود۔ سماع آنگاہ شنود و اس چیز مسموع است و مسموع دستمع و آلہ سماع است۔ و فرمودند مسموع گویندہ است باید کہ مرد و نام باشد کو دیک و عورت نہ باشد۔ اما مسموع آنچہ می گویند۔ باند کہ فحش نہزل نہ باشد۔ اما دستمع آنکہ می شنود باید کہ سخن شنود و مملو باشد از یاد حق۔ اما آلہ سماع و اس مزامیر است چوں چنگ و رباب و مثل اس باید کہ در میان نہ باشد این چنین سماع حلال باشد انتہی ۔

سوائے ان کے زمان و مکان اخوان کا ہونا بھی ضروری ہے۔ زمان یعنی ایسا وقت جس میں کوئی طبعی یا شرعی حاجت نہ ہو۔ مکان یعنی ایسا مقام جہاں عام آمد و رفت نہ ہو۔ اور نہ کوئی ہنگامہ قلبی مشغول کر لینے والا ہو۔ اخوان یعنی شرکاء مجلس میں سے کوئی ناچس نہ ہو۔ دنیا دار نہ ہو۔ ریاکار نہ ہو۔ بلکہ سب کے سب طریقت سے واقف مجاہدہ میں کامل۔ علم ظاہری و باطنی سے ماہر اصطلاحات عارفیہ سے باخبر ظاہر و باطن کو مطابق کرنے پر قادر ہوں ۔

علامہ علی قاری شہر فقہ اکبر میں فرماتے ہیں تَلَكُتُ فِي الْعِبَارَاتِ الْمِيْمَةِ الْفَارُضِيَّةِ فِي تَقْصِيْدَةِ الْخُمْرِيَّةِ وَ كَذَا فِي الْأَشْعَارِ الْحَافِظِيَّةِ وَ الْقَاسِمِيَّةِ وَ امثالہم کلمات کفریہ لمن حملہا علی المعانی الظاہریۃ کاہل الحاد و اکا باحیۃ یعنی میں کہتا ہوں۔ ابن فارض کے قصیدہ میمہ خمریہ میں۔ اور اسی طرح اشعار حافظیہ و قاسمیہ میں اُس شخص کے لئے کلمات کفریہ ہیں۔ جو ان اشعار کو مثل محمد بن اہل اباحت کے ظاہری معنی پر محمول کرے یہیں معلوم ہے کہ اکثر عارفیہ زمانہ اصطلاحات عارفیہ اور تاویل کلام اور رموز عارفین سے محض نااہل ہیں۔ فلہذا ما لمن حملہا علی المعانی الظاہریۃ۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں مزامیر و معازف کے ملانے کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ اور یہ اُس کی تزیین کے لئے مخلوق ہوئے ہیں فلہذا عن اب الیہر بما کانوا یخلفون۔ غرض شرائط جواز سماع بہت بڑی شرط یہ ہے کہ دستمع اصحاب طریقت اور اہل علم ظاہر و باطن سے ہو ۔



علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مؤقر رسالہ ابطال دعوی الاجماع علی  
تحريم مطلق السماع میں فرماتے ہیں کہ اختلاف اقوال و دلائل کے بیان کرنے کے بعد ہم  
کہتے ہیں، "اس میں شک نہیں کہ سماع امور مشتبہ سے ہے۔ اور مومن شبہات میں  
توقف کیا کرتے ہیں۔ جیسا حدیث صحیح میں آیا ہے۔ جس نے شبہات کو ترک کیا۔  
اُس نے اپنی آبرو اور دین کو بربادی رکھا۔ اور جو شخص شہر کے اداکار دھوا۔ وہ اُس  
میں داخل ہو گیا۔ بالخصوص وہ سماع جس میں قد و قامت خط و خال، ناز و کرم  
ہجر و وصال، بوس و کنار، تنہائی کشف اور شراب نوشی، بے حیائی۔ بے تقویٰ  
کا ذکر ہو۔ کیونکہ مجالس سماع میں ان واپسیت کا سُنے والا بلا و محنت سے ہرگز  
نجات نہیں پاسکتا۔ اگرچہ وہ محنت اٹھا کر ذات الہی میں ایسی حذرت پہنچ جائے  
جو وصف سے فاجر ہو۔ اور اکثر اس سیلہ سے عشق و محبت و تھیں گرنار ہیں  
اور خصوصاً جب کہ مثنوی حسن صوت و حسن صورت رکھتا ہو۔ جیسا کہ حسین عورت باغلام  
جلیل۔ اور عرب میں اس طرح کا غنا نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ وہاں کا غنا اس قسم کا ہے  
کہ اشعار کے ساتھ ذکر عرب اور وصف نیزہ زنی۔ اور وصف شجاعت و کرم اور  
تشبیہ اور ذکر دیار اور طرح طرح کے فنون کا وصف ہوتا ہے۔ پس وہ شخص جو اپنے  
دین کا تحفظ اور اسلام میں اغرب ہو۔ اُس کو چاہئے کہ پرہیز کرے۔ کیونکہ شیطان  
کے پاس بہت سے جال ہیں۔ پس جو شخص جس کے لائق ہوتا ہے۔ ویسا ہی حال  
اُس کے واسطے لگتا ہے۔ اور جس وصف کا غنا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ وہ نہایت  
خبیث فریب ہے، خاص اُس شخص کے واسطے جو ہرے زمانہ میں ہو۔ کیونکہ اس کا نفس  
لذات دنیوی کی طرف بالطبع زیادہ مائل ہوتا ہے۔ الی آخر یہ انتہی پس میں کہتا  
ہوں کہ فی زمانہ ہذا سماع و غنا بالاتفاق حرام ہے۔ بچہ و جوح

اول یہ کہ ہمارے زمانہ کے صوفیہ ایسے مقامات میں بھی مجالس سماع کرنے  
اور گانا سُنے سے نہیں چوکتے۔ جہاں عام لوگ شریک ہوتے ہیں۔ اور اُس میں  
آوارہ قوال فحش و ہزلیات گاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ سماع بکثرت سُنتے اور اس کی  
فرائض و اُوراد و وظائف پر ترجیح دیتے ہیں۔ تیسرے میاں اور عرسوں کے قطع نظر  
اپنے دولت خانہ فیمن کا شانہ پر بھی اجانب عورتوں کو مدعو کرتے۔ اور سماع سُنتے



ہیں ڈھولک اور دف کے سوائے دیگر معارف و مزامیر محرمہ بھی ہمراہ رہتے ہیں۔ جن کی حرمت منصوص ہے۔ چوتھے اکثر صوفیہ جہالت جبے علمی کے باعث عارفانہ کلام اور صوفیانہ اشعار کی تاویلات و رموزات کے فہم و افہام سے بالکل عاری ہوتے ہیں۔ اور اسی سبب مگر اسی کے انتہا درجہ کے عمیق گروہے میں گر پڑتے ہیں۔

حضرت مخدوم علامہ حاجی امداد اللہ رحمہ فرماتے ہیں کہ سماع اختلافی مسئلہ ہے۔ سماع محض میں بھی اختلاف ہے جس میں محققین کا یہ قول ہے کہ اگر شرائط جو اجتماع اور عوارض مانع مرتفع ہوں تو جائز ہے۔ ورنہ ناجائز۔

حضرت بحر العلوم شرح مشنوی مولوی رُوم میں فرماتے ہیں۔ ”لیکن ربوہ سماع موجب فتاویٰ اللہ و بقا باللہ کلام است“ چنانچہ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ تصریح فرمودند کہ سماع مفید رفع درجہ نبی تواند شد۔ اگرچہ مباح است و شوق می انگیزد۔ انتہی۔ جب رفع درجہ کے لئے جو غرض غایت ہے۔ مفید نہ ہو۔ تو اُس کی اباحت اور جواز کے لئے دلائل ڈھونڈنا۔ اور واقعات پیش کرنا بیکار ہے۔ ایک بات یہ بھی قابلِ بیان ہے کہ اکثر اوقات صوفیہ زیادہ تر رنڈیوں اور آوارہ قوالوں سے سورۃ قرآن کو تال سر پر لانے اور لغت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے اشعار پڑھنے کو فرمایش کرتے ہیں۔ سو اُس کی نسبت ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔ وَفِي الْخُلَاصَةِ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ عَلَى ضَرْبِ الذَّنْبِ وَالْقَضِيبِ مَعَ ذِكْرِ اللَّهِ تَعَالَى وَفِي الْمَصِطَفَى وَكَذَلِكَ التَّصْفِيقِ عَلَى الذِّكْرِ انْتَقَى۔ یعنی خلاصہ میں ہے کہ جس شخص نے قرآن شریف کو ضربِ ذَنْبِ قَضِيبِ پر پڑھا۔ اُس نے کفر کیا۔ میں کہتا ہوں اور کفر کے قریب کرتا ہے! اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ اور حضور پر نور کی لغت کے ساتھ ذَنْبِ قَضِيبِ کا بجانا۔ اور اسی طرح ذکر پر تالیاں بجانا۔ ہذا ما ذکر العلماء الاعلام والصوفیۃ الکرام واللہ اعلم وعلمہ استمر واحکم۔

## مرزائی اعتقادات کی تردید

منعلقہ صفحہ

مرزائی - قادیانی - اور احمدی - ان تینوں ناموں یا ان میں سے کسی ایک نام کے ساتھ وہ فرقہ پکارا جاتا ہے۔ جو مرزا غلام احمد ساکن قصبہ قادیان ضلع گورداسپور علاقہ پنجاب کے عقائد باطلہ کا پیرو ہے۔ اس فرقہ کا گرو یعنی مرزا غلام احمد مذکور ابھی کچھ سال ہوئے۔ وفات پا چکا ہے۔ اُس کا دعویٰ ہے کہ میں مسیح موعود مہدی آخر الزمان ہوں۔ اس نے اپنے زمانہ حیات میں قسم قسم کے دعادی قاسدہ شائع کئے جو باہم تقبیض اور جمع بین التناقض کی طرح محال اور سربالغوتھے۔ پہلے اُس نے مَدَنی مَدَنی اَدَس ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھر کہا کہ مجھے پروجی آتی ہے اور میں نبوت کے خلعت سے سرفراز کیا گیا ہوں۔ پھر اُس سے آگے بڑھا اور کہنے لگا میں ہی وہ موعود و مبشر ہوں جس کی آمد کی عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی ہے۔ اور قرآن پاک میں وہ بشارت بدیں الفاظ موجود ہے۔ **وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَآئِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاتِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي دُونِي مِنْ بَعْدِ اسْمِهِ أَهْمَدُ** یعنی اور جب عیسیٰ مریم کے بیٹے نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف خدا کا رسول ہوں۔ تو ریت کی تصدیق کرتا اور ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں۔ جو میرے بعد آئے گا۔ اور اُس کا نام احمد ہے۔

مرزائیوں کا پیشوا کہتا ہے کہ وہ احمد مبشر ہیں ہی ہوں۔ پھر اُس نے کہا مجھے پرکیت نازل ہوئی۔ **هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ فِي قَادِيَانٍ** یعنی خدا نے اپنا رسول قادیان میں بھیجا۔ اور یہ آیت اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ بِالْقَادِيَانِ وبالحق نزل یعنی ہم نے قادیان میں ایک رسول اتارا۔ اور حق پر اتارا۔ پھر کہا۔ قرآن کریم کی یہ آیت میری ہی شان میں نازل ہوئی ہے۔ **هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ** یعنی خدا تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا۔ تاکہ اُس کو



تمام ادیان پر غالب کرے۔ پھر اُس نے نبوت کا دعویٰ کر کے اور سچ موعود بن کر اکثر انبیاء پر اپنی فضیلت ظاہر کی۔ اور کہا میں ہی کلمۃ اللہ روح اللہ اور عیسیٰ ہوں بلکہ اُس سے بھی بڑھ کر۔ چنانچہ اُس کا خود قول ہے :-

ابن مریمؑ کے ذکر کو چھوڑو

اُس سے بہتر سلام احمد ہے

اور جب اُس سے کہا گیا کہ تو مثل عیسیٰؑ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ تمہیں میں وہ آیات باہرہ اور معجزات ظاہرہ موجود نہیں۔ جو قرآن کریم میں حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کی نسبت مذکور ہیں کہ وہ مردوں کو زندہ کرتے۔ اور مٹی کا پرندہ بٹسا کر اُس میں روح پھونکتے۔ اور وہ زندہ ہو کر اڑ جاتا۔ اور وہ بیماروں کو ڈپوں اور جزامیوں کو چنگا کرتے ؟

اُس نے جواب میں کہا کہ عیسیٰؑ یہ تمام کام مسمریزم کے ذریعہ کرتے تھے اور میں ایسی باتوں کو مکر وہ جانتا ہوں۔ ورنہ میں بھی کر دکھاتا ہوں

اُس نے بہت سی پیشین گوئیاں کیں۔ اور جب وہ انہیں جھوٹا ثابت ہوا تو کہنے لگا۔ مجھ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبروں کی پیشین گوئیاں جھوٹی ثابت ہو چکی ہیں حتیٰ کہ حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کی پیشین گوئیوں کو اُس نے جھوٹا کہا۔ اور سب سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُس پیشین گوئی کو جو واقعہ حبشیہ کے متعلق تھی۔ اُس نے جھوٹی پیشین گوئیوں میں گنایا

۱۔ دیکھو ازالۃ اللادام صفحہ ۳۲۲ جہاں لکھا ہے۔ غرض یا اعتقاد غلط اور فاسد اور شر کا نہ خیال ہے پھر لکھا۔ بہر حال یہ معجزہ صرف ایک کھیل کی قسم میں سے تھا۔ آمد مدنی و حقیقت ایک مٹی کی پستی اور ازالۃ اللادام صفحہ ۳۰۹ میں لکھتے ہیں بہر حال یسوعؑ کی یہ غریبی کا دعویٰ یا دسمزدی زمانہ کے مناسب حال بطور فاقہ مصیحت کے تھیں۔ مگر یاد رکھنا کہ یہ عمل ایسا قدر کے لائق نہیں جیسا کہ عوام الناس اُس کو خیال کرے ہیں۔ اگر یہ عاجز اس عمل کو مکر وہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا۔ تو خدا کے فضل و توفیق سے امید قوی رکھتا تھا کہ ان عجوبہ نما مٹیوں میں حضرت ابن مریمؑ سے کم نہ رہتا۔ الخ سبحان خدا تہ قرآن پاک میں حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کے جن معجزوں کو بطور فخر بیان فرماتا ہے۔ اور وہ وہ حقیقت معجزات ہیں۔ مرزا غلام احمد ان کو کھیل اور قابل نفرت اور مکر وہ کہتا ہے۔ ۲۔ دیکھو ازالۃ اللادام صفحہ ۳۲۲ جہاں لکھا ہے۔





بڑاری کہ مہدی اور عیسیٰ دونوں حقیقت میں ایک ہی شخص ہے جو مختلف ناموں سے پکارا گیا ہے۔ اور کہا کہ میں ہی مہدی اور عیسیٰ ہوں۔ پھر خود ہی کرشن مہراج ہونے کا بھی دعوے کیا۔ اور خلوت حبیناں کے مرنے اڑاتا رہا۔ جب چاروں طرف سے لعن طعن ہونے لگی۔ تو اُس کی پرواہ نہ کرتا ہوا اُس نے کہا کہ مجھے لوگوں کی تکذیب کی پرواہ نہیں۔ ہمیشہ سے انبیاء کی تکذیب ہوتی آئی ہے۔ اُس نے مجدد امام اور مبشر ہونے کا بھی دعوے کیا ہے۔ غرض کہاں تک اُس فرخرفات کو نقل کر کے قارئین کے دماغ کو پریشان کیا جائے۔ اُس کے دعوای میں ایسا تناقض ہے کہ ایک کم علم

(بقایا حاشیہ صفحہ ۲۰۴) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُن کی اقتدار کیلئے۔ اُس سے عوام کے خیال میں حضرت عیسیٰ کا حضرت مہدی سے مفضل ہونا ثابت تھا۔ لہذا نبی کریم نے فرمایا کہ مہدی فضیلت میں عیسیٰ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ اور وہ نبی مرسل ہیں اور حقیقت میں مہدی (ہدایت گزینوں کے) کمال علی الاطلاق جیسے ہی ہیں۔ یہ اُس صورت میں ہے جب حدیث صحیحہ اور حدیث صحیحہ ہو۔ مگر اکثر محدثین کے نزدیک یہ حدیث معلول اور ضعیف ہے۔ پس مرزا صاحب اس حدیث سے مہدی اور مسیح کے ایک ہونے کو ثابت کرنا غلط ہے۔ دوسری حدیث جب مرزا غلام احمد مہدی اور مسیح کے ایک ہونے کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اور اسی کو بڑاری کا مذہب بتاتے ہیں۔ وہ حدیث یہ ہے۔ ان ابابھر بنو رنہی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف انتم اذا انزل فیکم امین مر لیجروا اما مکرم مکرم یعنی اُس وقت تم کیسے خوش ہو گے۔ جب ابن مریم تم میں نازل ہوں گے۔ اور حال یہ کہ تمہارے امام تمہیں میں سے ہونگے (یعنی حضرت مہدی) یہ حدیث کتبِ حدیث میں انہیں الفاظ سے مرئی ہے۔ مگر مرزا صاحب نے اس حدیث میں لفظی ترکیب کی ہے۔ اور لکھا ہے بل هو اما مکرم مکرم اس تحریف فاحش سے ان کی اصل غرض یہ ہے کہ اس کا یہ مطلب ثابت ہو جائے کہ ابن مریم اور مہدی حقیقت میں ایک ہی شخص ہے۔ جس کا خود مرزا دعویٰ کرتے ہیں۔ تعجب ہے کہ ان کے پیروں نے جن میں بعض دئی علم بھی ہیں۔ اس تحریف کو نہ دیکھا۔ اور مرزا کی کو اہل تقلید کرنے لگے۔ سو اس کے کتبِ حدیث میں یہ مہرحت موجود ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی مرسل ہیں۔ جو قریب قیامت کے آسمان سے نزول کریں گے۔ اور مہدی علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اولاد حسن رضی اللہ عنہ سے فاطمی نسل سے ہیں۔ جن کا نام آنحضرت کے نام کی طرح اور جن کے باپ کا نام آنحضرت کے باپ کے نام کی طرح ہو گا۔ پھر مسیح و مہدی ایک کیسے ہو سکتے ہیں۔ اس حدیث کا مطلب صرف یہی ہے کہ آخر وقت میں حضرت عیسیٰ بطور تابع ترویج اسلام کے نزول کریں گے۔ اور اُس وقت حضرت مہدی ہی امامت کریں گے۔ اور حضرت عیسیٰ اُن کی اقتداء فرمائیں گے۔ کذا اصھر فی کتب الحدیث وغیرہ ۱۲



بچہ بھی اُس کے کذب بطلان اور محال و ناممکن ہونے کی گواہی دے سکتا ہے۔ مگر باوجود اس کے اکثر پڑھے لکھے لوگ قریب میں آ گئے۔ اور اُس کی طرح دینی و دنیوی خسران کا سامان جمع کیا۔ سچ ہے وَمَنْ يَضِلِلْ اَنْتَ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ اُس نے اُن مسلمانوں کو جو اُس کی جھوٹی نبوت کے منکر ہوئے کافر کہا۔ اور اُن کی مسجدوں میں نماز پڑھنے اور اُن کی اقتدا کرنے سے اپنے پیروں کو منع کیا۔ وہ بہ ظاہر یہ بھی کہتا رہا کہ میں مسلمان ہوں اور عام مسلمانوں کی طرح آنحضرت کو اپنا امام و پیشوا مانتا ہوں۔ لیکن حقیقت میں وہ مسلمانوں کو سیر باغ دکھا کر گمراہ اور بے دین بناتا تھا۔ چنانچہ جب کوئی سیدھا سادھا مسلمان اُس کے فرقہ میں داخل ہوتا۔ اور وہ سمجھ لیتا کہ اب یہ پوئے طور پر میرے مطیع ہو گیا ہے۔ تو وہ اُس کے سامنے اپنے عقائد باطلہ کی کتاب پیش کرتا۔ جس کی رو سے اُسے مرزا مذکور کو نبی اور مسیح موعود و غیرہ وغیرہ ماننا پڑتا۔ وہ اپنے پیروں سے یہ بھی منوا کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر نہیں اُٹھائے گئے ہیں۔ بلکہ قتل و مصلوب ہوئے ہیں۔ اور عام مسلمانوں کی طرح دفن کئے گئے ہیں۔ چنانچہ ہم نے اُس کی تردید علیحدہ کی ہے دیکھو صفحہ کتاب ہدایہ

اُس کے مرنے کے بعد نور الدین نامی ایک شخص اُس کا جانشین ہوا جس کو وہ اپنی زندگی میں بھی بڑا عزیز اور موثر رکھتا تھا۔ اور جس سے اُس کو اپنے مشن کے کامیاب بنانے میں بڑی مدد ملی تھی۔ اُس نے مرزائیوں کے مشن کو اپنی زندگی میں خوب نبھایا۔ مگر اُس میں مرزائیوں کا سادہ منہ نہ تھا۔ اور نہ وہ مرزا کی طرح رٹا کو اور بد زبان تھا کہ خواہ مخواہ مقابلے کرتا۔ اور حیل جرائز آجاتا۔ تو مذہب شہدوں کی سچ لیاں بولنے لگتا۔ اُس نے نہ مرزا کی مانند کسی کو بدو عادی۔ اور نہ کوس کوس کر اپنے دل کا بخار نکالا۔ وہ گریہ مسکین کی عرصہ خاموشی سے اپنا شکار آنکھیں بند کئے ہوئے تار تار رہتا۔ اور جب کوئی قسمت کا مارا اُس کی زد میں آ جاتا تو جھٹ چلا نکار کر اُس کو دبوچ لیتا۔ مگر اُس کی گرفت سست تھی۔ اکثر دبوچے ہوئے

۱۔ دیکھو صفحہ ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰ میں لکھا ہے۔ یاد رکھو۔ جیسا کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے تمہارے پر حرام اور حلالی حرام ہے کہ کسی کھنی اور کذب اور تردد کے پیچھے نماز پڑھو۔



شکار اُس کے پنجے سے نکل جاتے۔ اور وہ پنجے جھاڑتا رہ جاتا۔ غرض حیثیت یا مسرت  
کسی طرح بھی اُس نے اِس کے مشن کو چھوڑا یا۔ اور چند سال کے بعد اپنے پیش رو کے  
پاس چلتا ہوا ۛ

نور الدین مذکور کی وفات کے بعد مرزا بیوں کے دو فرقے ہو گئے۔ ایک  
فرقہ اس بات کا قائل ہوا کہ مرزا غلام احمد میں حقیقی یا بروری یا ظلی کوئی نبوت رہتی  
اور عیسیٰ مسیح تھا۔ ہاں وہ ایک مبشر اور مجدد کی شان میں ظاہر ہوا تھا۔ اور اسی تجدد  
کی جانب لوگوں کو دعوت دیتا تھا۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ہمارے یہ قول مرزا کی نصیحت  
سے ثابت ہے۔ اور خود مرزا اِس حدیث کو لا یشقی مِنَ النُّبُوَّةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتِ  
پیش کر کے کہا کرتا تھا۔ کہ نبوت کبھی تم کی بھی ہو۔ آنحضرتؐ کے آنے سے ختم ہو گئی  
ہاں مبشرات باقی ہیں۔ پس وہ مبشر ہونے کا دعوے کرتا تھا۔ اور رائے حاضرہ کا  
مجدد ہونے کا بھی۔ یہ فرقہ عام مسلمانوں کی تکفیر نہیں کرتا۔ اور اُس کے سجدہ دار  
لوگ ہر ایک مسلمان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز سمجھتے ہیں ۛ

دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ مرزا مذکور حقیقی نبی تھا۔ اور وہی مسیح موعود اور  
مہدی منتظر اور کرشن ہمارا ج تھا۔ وہ اپنے منکروں کو بکفر سمجھتا تھا۔ اور  
کسی غیر مرزائی کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا۔ اور نہ پڑھنے دیتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ  
خاتم النبیین میں الف لام استغراقی نہیں ہے وہ آنحضرتؐ کے بعد انبیاء کے آنے کا  
قائل تھا۔ اور خود کو دیا ہی نبی سمجھتا تھا۔ جیسا کہ آنحضرتؐ کے پہلے دوسرے  
انبیاء ہو گئے ہیں ۛ

یہ فقرہ کہتا ہے کہ مرزا مذکور نے نبی ہونے کا دعوے نہیں کیا۔ تو عام  
مسلمانوں نے اُس کی تکفیر کیوں کی۔ اور ہاتھ دھو کر اُس کے پیچھے کیوں پڑ گئے  
پس مرزا نبی تھا۔ اور اُس کی کتابوں سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے ۛ

یہ ہیں مرزا مذکور کے حالات اور اُس کے مذہب کے نشوونما کے  
واقعات۔ ہم نے اُن کو اور اِس گروہ کی تفریق و تقسیم کو مختصر الفاظ میں ناظرین  
کی تصنیف طبع کی خاطر درج کر دیا ہے۔ اور اُس کی تردید کی جانب التفات نہیں کی۔  
دو وجہ سے ایک یہ کہ خود اُس کی دعاوی اور عقائد سے اُس کا لغو اور بیہودہ

ہونا ظاہر ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ علمائے عرب عجم اور فضلاء ہند اس کے خیالات و اہمیت اور دعاوی باطلہ کی تردید میں سینکڑوں رسائل و کتب تصنیف و تالیف فرما چکے ہیں۔ اور اس کو اور اس کے فرقے کو بے طرح لاجواب عاجز کر چکے ہیں۔ اب ہمیں ضرورت کیا ہے کہ اس کی طرف توجہ کریں۔ لیکن اتنا ثابت دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ مرزا کے تمام تر دعویٰ بیہودہ اور ناقابل قبول ہیں۔ مہدی وہ اس لئے نہیں ہو سکتے کہ حدیث میں حضرت مہدی کا حضرت امام حسنؑ کی اولاد سے ہونا وارد ہے۔ اور مرزا صاحب قوم کے مغل ہیں۔ سید نہیں۔ دوسرے مہدی کی علامتوں سے ایک یہ ہے کہ حدیث میں وارد ہے یٰوَاحِیُ اسْمِیْ اسْمِیْ یعنی مہدی کا نام میرے نام پر ہوگا۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ جو میرا نام ہے۔ وہی مہدی کا نام ہوگا۔ اور جو میرے باپ کا نام ہے یعنی عبداللہ وہی مہدی کے باپ کا نام ہوگا۔ اور ایک حدیث ہے۔ دنیا کی مدت تمام نہ ہوگی جب تک میرے اہلبیت سے ایک شخص ظاہر ہو کر تمام دنیا کو عدل و انصاف سے نہ بھر دے اب دیکھنا چاہئے کہ مرزا صاحب کا نام تو غلام احمد ہے۔ اور ان کے باپ کا نام غلام مرتضیٰ تو وہ کس طرح مہدی ہو سکتے ہیں۔ پھر مہدی کی تعریف ہے یدلہ علی الارض قسطاً وعدلاً۔ تمام زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیگا مرزا نے کون سے عدل و انصاف سے زمین کو بھرا۔ پھر اسی حدیث کا باقی عکس ملتا ہے۔ کَمَا مَلَئْتُ ظُلُمًا وَجُورًا یعنی جس طرح وہ پہلے اس کے ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ تو مرزا صاحب کے زمانہ میں کون سے ظلم و جور سے زمین بھری ہے اس کی تشریح ضرور ہے۔ غرض مہدویت کا دعویٰ کسی طرح مرزا پر صادق نہیں آتا۔

راعیسی یا پیشعلی ہونے کا دعویٰ۔ تو وہ اس سے بھی زیادہ ناممکن ہے۔ حضرت علیؑ علیہ السلام ایک نبی مرسل صاحب کتاب و شریعت ہیں۔ مرزا ایک معمولی شخص جس کی علمیت بھی چنداں قابل توجہ نہیں۔ وہ صرف تشبیہ استعارہ کے رنگ میں باتیں بتانا اور جھلا سے ان کو منوانا جانتا تھا۔ دوسرے حضرت عیسیٰؑ مقتول و مصلوب نہیں ہوئے۔ بلکہ وہ مجیدہ الشریف آسمان پر اٹھائے



گئے ہیں۔ چنانچہ یہ بات باتفاق مفسرین و علمائے حدیث بحال طور پر ثابت ہے۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شربِ مراح میں حضرت عیسیٰ سے ملاقات کی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ عنقریب عیسیٰ تم میں نازل ہونے والے ہیں۔ پس اُن کو اس علامت سے پہچان لینا کہ وہ ایک شخصِ مریض و مریضہ الی الحرقۃ والیبیان ہے یعنی درمیانی قدم والا ہے۔ مہربخ و سفید رنگ کی طرف مائل۔ مرزا صاحب کے قدم و قامت اور رنگِ ردپا میں یہ خصوصیت مطلق نہیں تھی۔ ہم نے دیکھنے والوں سے یہ تحقیق یہ بات سنی ہے۔ اور اُن کی تصدیق یہودیوں نے بھی کی تھی۔ اور جس کو مرزا کے حینِ حیات میں ہی ہم نے دیکھا تھا یہ بات بخوبی ثابت ہے کہ وہ دراز قد سیاہ قام سا آدمی تھا۔ اور اس دعوے کا بالکل اور سدا پابیندہ اور قابلِ مضحکہ ہونا ایک سو اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت مہدی ایک علیحدہ شخص ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ ایک دوسرے شخص۔ چنانچہ یہ امر اس حدیث سے صاف واضح ہے۔ فیہ نزل عیسیٰ عندا صلواتہ الفجر فیقول لہذا میں الناس تقدم یا روح اللہ فصل بنا فیقول انکم معشر ہذا الامۃ امراء بعضکم علی بعض تقدم انت فصل بنا فی تقدم فیصلی لہم الخ ویرشور میں یہ حدیث انہیں الفاظ سے مروی ہے۔ اور دوسری کتب حدیث میں دوسرے الفاظ سے مکر مطلب واحد ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نماز صبح کے وقت (آسمان سے) نازل ہونگے۔ تو لوگوں کا امیر (مہدی) اُن سے کہیگا کہ اے روح اللہ آگے بڑھو اور میں نماز پڑھاؤں۔ تو حضرت عیسیٰ کہیں گے کہ تم گروہ اس امت کے بعض بعض پر امیر ہو (اے امیر) تو آئی آگے بڑھ کر ہمیں نماز پڑھا۔ چنانچہ وہ (امام مہدی) نماز پڑھائیں گے۔ اس سے اور اس قسم کی بہت سی حدیثوں سے صاف طور پر عیاں ہے کہ مہدی اور عیسیٰ الگ الگ دو شخص ہیں اور مرزا صاحب خود ہی مہدی اور خود ہی مسیح ہونے کا دعوے کرتے ہیں۔ پس اُن کا دعویٰ غلط اور سترنا پا غلط ہے۔



مرزا صاحب کرشن مہاراج ہونے کا بھی ادا کرتے ہیں۔ تو ہمیں اُن کے اس دعوے سے کوئی جھٹ نہیں۔ ہندو صاحب چاہیں۔ اُن کے اس دعوے کو تسلیم کریں۔ اور چاہے اپنے طور پر اُس کی تردید کریں۔ اس کے متعلق ہم تو صرف اتنا ہی کہتے ہیں۔ کہ کرشن مہاراج ہونے کا دعویٰ کرنے سے پہلے مرزا صاحب کو مسلمانوں کی اُن کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے تھا۔ جو ہندوؤں کے کرشن جی کے حالات و صفات و عادات کے متعلق لکھی گئی ہیں۔ پھر اگر وہ اپنی ذات میں ان عادات و صفات کو پاتے۔ تو انہیں اس دعوے کا حق تھا۔ پھر بھی یہ مسئلہ حل طلب ہوتا جاتا ہے۔ کہ ایک ہندو نے مسلمان کے گھر کیونکر جنم لیا۔ اور آیا مسلمانوں کے مذہب میں تنازع کوئی چیز بھی ہے۔ سچ یہ ہے کہ مرزا صاحب نے اس بے حاصل دعاوی سے بجائے اس کے کہ اُن کی کچھ وقعت ہوتی عقلمندوں کے نزدیک رہی سہی پت بھی کھودی جھڑ شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا ہے

خیالات نادان خلوت نشین  
بہم برکت عاقبت کفر و دیں

## حضرت عیسیٰ کا آسمان نازل ہونا

اور

## مرزائی عقیدہ کی تردید

گذشتہ جمعہ میں ایک دیدار بھائی کی طرف سے جامع مسجد بڑا بن پور کے متون پراس مضمون کا ایک متنفا چسپاں کیا گیا تھا۔ کہ ایک شخص حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ السلام کے متعلق کہتا ہے کہ وہ آسمان پر نہیں اُٹھائے گئے۔ بلکہ اپنی موت سے مرے ہیں۔ اور لکھا تھا کہ وہ اپنے اس قول کی تائید میں آیات قرآنی اور حدیث بخاری سے مندر لاتے ہیں۔ اس کے بعد

علمائے کرام سے استدعا کی گئی تھی کہ وہ اس کے متعلق اپنی تحقیق سے اہل اسلام کو مستفید کریں۔ اگرچہ ہمارے معزز علما کو اس مسئلہ کی طرف توجہ کرنا چنداں ضروری نہ تھا۔ کیونکہ سوائے چند نادانوں کے تمام اہل اسلام حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اٹھائے جانے اور پھر قرب قیامت کے وقت آسمان سے اُن کے نازل ہونے کے قائل اور معتقد ہیں۔ اور یہ عقیدہ اُن کے ایمانیات میں اخل ہے لیکن امورات ذیل اس امر کے داعی ہوئے۔

(۱) عامہ مسلمین کے دلوں میں اس ہفتا کے دیکھنے سے شکوک۔

و شبہات پیدا نہ ہوں۔

(۲) قائل یہ خیال نہ کرے کہ اُس کے مزخرفات کا جواب دینے والا

اس شہر میں نہیں ہے۔

(۳) امر منکر کی تردید و تنبیہ از روئے حدیث صحیح علما پر واجب ہے۔

(۴) حضرت عیسیٰ کا آسمان پر اٹھایا جانا۔ اور وقت موعودہ پر نازل

ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اور اُس سے انکار حقیقت میں قرآن حدیث

سے انکار ہے پس اس شبہ اُردہ کا دفع کرنا اُن حضرات پر جن کو خدا نے اپنے

پاک علوم سے ممتاز کیا ہے۔ واجبات سے ہے۔

## فَاتَوَلَّوْا مَا تَوْفِیْقِیْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

واضح ہو کہ یہ اعتقاد قادیانی فرقہ کا ہے۔ جو ابھی چند سال سے حادث

ہوا ہے۔ اس کا بانی مرزا غلام احمد انجمنی ہے۔ جو قادیان ضلع گورداسپور

کا رہنے والا تھا۔ یہ فرقہ مرزا غلام احمد کو مسیح موعود۔ مہدی مسعود۔ اور کرشن

ہماراج مانتا ہے جس کا خود مرزا مذکور نے اپنی ذات کے لئے جھوٹا دعویٰ کیا

اُس نے اپنا اُتو سیدھا کرنے اور لوگوں کو گمراہ و گھٹنٹال بننے کے لئے قرآن شریف

اور احادیث نبوی کی اللہ علیہ آلم وسلم میں معنوی تحریف کی۔ اُس نے قرآن

حکیم کے سابق و سابق اور ربط لاحق و سابق کی رعایت نہ کر کے اور سلف صالحین

کے معنوں سے آنکھوں پر پٹی باندھ کر قرآن و حدیث کی ایسی ناروا تفسیر



و تاویل کی جو اُس کے دعوے کے ثبوت ہو سکے۔ مگر علما اعلیٰ سے یہ باتیں کہیں چھپ سکتی ہیں۔ انہوں نے جب دیکھا کہ یہ توں ہر کش بغیر تا زیادہ علم کے سیماھا ہوئے والا نہیں۔ پس پھر کیا تھا۔ ہزاروں کتابیں اُس کی تردید و تکفیر میں بہ تحقیق شائنہ و نقیض بائبل تصنیف کر کے اطراف و اکناف عالم میں پھیلا دیں تاکہ اہل اسلام پر ظاہر ہو جائے کہ اُس کے تمام دعویٰ جھوٹے ہیں۔

بت کریں آرزو خدائی کی

شان ہے تیری کبریائی کی

مگر وہ سے بہت باوجود اس کے بھی کچھ لوگ اُس کے ہتھے چڑھ گئے۔ انہیں میں سے کچھ جو شیخہ نوجوان جا سجا مختلف لباسوں میں مختلف طریقوں میں اپنے مشن کو کامیاب بنانے کے لئے پھرتے ہیں۔ اور انہیں اگرچہ کچھ نہ آتا ہو۔ مگر خود مرزا کے تصنیف کئے ہوئے اردو رسالے طوطے کی طرح رٹ لیتے ہیں۔ اور وہی بولیاں بولتے پھرتے ہیں۔ اس لئے کہ کوئی عقل کا اندھا ملے۔ اور اُن کی دیریں چہ شک پر فریفتہ ہو کر ایک منہلیجے کی طرح اُن کا مقتدر ہو جائے۔ آدم برسر مطلب۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک الو العزم پیغامبر اور خدا تعالیٰ کے برگزیدہ رسولوں سے ہیں۔ اُن کی پیدائش ایک معجزہ اور قدرتِ خداوندی کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ وہ حضرت مریم علیہا السلام کے اکلوتے بیٹے ہیں۔ وہ اُس وقت پیدا ہوئے۔ جب مریم کنواری تھیں۔ اور انہیں کسی بشر نے نہیں چھوٹا تھا۔ جبریل علیہ السلام کی بشارت پر وہ خود حیران تھیں کہ ایسی حالت میں انہیں کس طرح سچہ ہوگا۔ لیکن اُن کی حیرانی کو یہ کہہ کر دور کر دیا گیا کہ کائناتِ الہیہ میں متصل مائشاء و مغرض حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے۔ اُن کی خاطر کچھ کے خشک ٹھنک کو ہرا اور بارور کیا گیا۔ اُس نے تازہ تازہ کھجوریں گرائیں جو مریم نے کھائیں۔ اور اپنے بچے کو بھی چٹائی۔ اُس مولودِ مسعود نے اُس وقت جب کہ وہ چھوٹا گوارہ میں پڑا تھا۔ لوگوں سے اپنی رسالت کے متعلق بزبان فصیح باتیں کیں۔ وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ کے خطاب سے سرفراز ہوا۔ وہ تیرہ برس کی عمر کو پہنچا تھا کہ اُس کو باقاعدہ پیغمبری کا خلعت بخشا



گیا۔ اور وہ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوا۔ وہ ہمدانی کوڑیوں کو چنگا کرتا اور اللہ کے حکم سے مردوں کو جلاتا۔ وہ مئی سے پرنس کی صورت بنا کر اُس میں پھونک مارتا۔ نو وہ پرنس حکم الہی زندہ ہو کر اڑ جاتا۔ اُس نے بنی اسرائیل کی بھٹکی ہوئی بھیڑوں کو راہ پر لانے اُن کی بدعتوں کو میٹھنے اور اُن میں توحید الہی کی اشاعت کرنے کے متعلق فرمن بڑی مستعدی اور دل سوزی سے ادا کیا۔ وہ ہر ایک مملکہ میں پہنچا۔ اور ہر ایک خطرہ میں جا گھسا۔ اس کو تبلیغ رسالت میں کوئی خطرہ مانع نہیں ہوا جس نے اُس کے الہی احکام پر تسلیم خم کیا۔ ناجی ہوا۔ اور آسمانی یاد شاہرت کا مالک بنا۔ اور جس نے نہ مانا۔ وہ ابدی ذلیل و ناری ہوا۔

اُس نے دُنکے کی چوٹ کہہ دیا کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ تو ریت کی تصدیق کرتا۔ اور اپنے بعد ایک بہت بڑے رسول کریم علیہ التمجید و التحمید کے آنے کی بشارت دیتا ہوں۔ جس کا نام پاک احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوگا۔ جب وہ آئے۔ تو ہم سب اُس کی اشاعت پر جھک جانا۔ وہ شہر یثرب کا کامل کرنے والا۔ اور ایک ہی کامل شہر بیت کا مالک ہے۔ وہ تمام انبیاء و مرسلین کا سردار ہے۔ اور کسی فرد بشر کو اُس کی اطاعت سے چارہ نہیں۔ وہ تیریا تنقیتس برس کا تھا۔ کہ جب بنی اسرائیل نے اس پر ایک بہت بڑا داؤ چلانا چاہا۔ اور بادبختوں نے اُس کے قتل کی ٹھان لی۔ ظالموں نے ایسا کیا کہ عین اشاعت حق کے وقت اُس کو چالیا۔ اور پکڑ کر ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کے مکر سے عیسیٰ علیہ السلام کو بچا لیا۔ اور اُن سے بشری عواقب کو مساوی کر کے بغیر موت کے اُن کو آسمان پر اٹھایا۔ اور عالم قدس میں محل کرامت اور قرار گاہ ملائکہ میں جگہ عطا فرمائی۔ جہاں وہ وقت مقررہ تک زندہ و سلامت رہینگے۔

اور جب بنی اسرائیل کا سردار یہودا نام کو ٹھڑی کے اندر گیا۔ تاکہ انہیں موبلی چڑھا دے۔ تو عیسیٰ علیہ السلام کو نہ پایا۔ گھبراتا ہوا باہر آیا اور کہا۔ کہ عیسیٰ تو مکان میں نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا۔ تو ہی تو عیسیٰ ہے۔ کیا ہمیں

دھوکا دیتا ہے (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُسے عیسیٰ کی شبیہ بنا دیا تھا) ہر چند وہ کتنا رہا کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں۔ پر لوگوں نے نہ مانا۔ اور سُولی پر لٹکا دیا۔ لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ جب اُسے سُولی پر لٹکا چکے۔ اور اپنے سردار کو نہ پایا۔ تو فرط حیرت سے کہنے لگے اِن کا نَ ہَذَا عیسیٰ فابن صاحبنا یعنی اگر یہ عیسیٰ ہے تو ہمارا صاحب کہاں ہے۔ غرض اس طرح اُن کا مکر اُن پر مار گیا۔ اور وہ جس حربہ سے عیسیٰ کو ہلاک کرنا چاہتے تھے۔ اُسی حربہ سے اُن کے سردار کو ہلاک کر دیا گیا یہی معنی ہیں اِس آیت کے وَمَكْرُؤًا وَّمَكْرًا اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔

قِسۡمۃ کوتاہ حضرت عیسیٰ آسمان پر اُٹھائے گئے۔ اور وہ قرب قیامت تک وہیں رہیں گے جس وقت دجال ابو علیہ اللعن خرچ کرے گا۔ تو حضرت عیسیٰ بحکم الہی آسمان سے نازل ہونگے۔ اور وہاں پر بعیت حضرت محمدی علیہ السلام چڑھائی کریں گے۔ وہ انہیں دیکھتے ہی ایسا پگھل جائیگا۔ جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔ پھر رُوحِ زمین پر صرف ایک دین اسلام ہی رہ جائے گا۔ باقی سب فنا ہو جائیں گے۔ اِس طرح حضرت عیسیٰ چالیس برس زمین پر قیام کریں گے۔ پھر فوت ہونگے۔ اور مسلمان اُن کی نماز جنازہ پڑھائیں گے۔ یاد رکھو کہ عیسیٰ علیہ السلام کوئی جدید شریعت لے کر نہیں آئیں گے۔ وہ اسی شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع اور اسی شریعت کے قرار دینے والے اور مجدد ہونگے۔ کیونکہ یہ شریعت کامل اور آخرت رافع ہے۔ اور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر رس ہیں۔ تو وہ ایک حکم اور تقسط کی نشان میں نزول کریں گے۔ اُس دن نہ وہ مسلمانوں کے سلطان ہونگے۔ نہ امام نہ قاضی اور نہ مفتی وغیرہ۔ وہ اُس وقت نازل ہونگے۔ جب علم دنیا سے اُٹھ جائیگا۔ اور لوگ علم سے خالی ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کو شریعت محمدی کا علم قبل نزول کے آسمان پر عطا کرے گا۔ پس اُسی علم کے ذریعے وہ لوگوں میں حکم کریں گے۔ اور خود اُس کا عمل اُسی علم پر ہوگا۔ تمام مومنین اُس کی طرف۔ جمع لائیں گے۔ کیونکہ اُس وقت صرف وہ



ایک ہی مصلح ہو گا۔ حضرت عیسیٰؑ کا تابع شریعت محمدیؐ ہونا اس حدیث سے ثابت ہے۔ لو کان موسیٰ حیاً ما وسعہ الاہ اتباعی توجب عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں تو ان کو شریعت محمدیؐ کے سوا انجائش نہیں۔ حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کی نسبت سطور بالا میں جو کچھ تحریر کیا گیا ہے۔ وہ آیات قرآنی اور احادیث نبویؐ کا ترجمہ اور نہایت مستند کتب تفاسیر و عقائد کا لب لباب ہے جس کو ہم بوقت ضرورت اصل عبارت کے ساتھ مع نشان صفحات وغیرہ پیش کر سکتے ہیں۔ اختصار کے لحاظ سے اس وقت ہم نے اصل عبارت کو محفوظ رکھا ہے۔ خدا کرے یک بصیرتیں اس سے روشنی حاصل کریں۔ اور مرزائیوں کے اغوا و افترا سے مجتنب رہیں۔ جو کرم شرب ناب کی طرح رات کی اندھیری میں ٹانک ٹومیاں مارتے پھرتے ہیں۔ اور ان کو یہ نہیں معلوم کہ آفتاب عتاب کی تجلی ریز شامیں ہر وقت رات کی تاریکی کو پھاڑنے اور جگنو کی دہمی روشنی کا پول کھولنے کو موجود ہیں۔ مرزائی سمجھتے ہیں کہ ان کی تحقیقات ہی سب کچھ ہے۔ بقول شخصے ۵

ہر آن کرے کہ در سنگے نہاں است

زمین و آسمان او ہماں است

## ہذا والآن اشروع فی المقصود

شرع مقصود کے پہلے یہ بیان کر دینا ضرور ہے کہ چونکہ قرآن شریف کے لطائف معانی بوجہ احسن و اکمل سمجھنے سے عام فہم میں ادسطحی اور اکات قاصر ہیں۔ اس لئے علماء کرام کا یہ نہایت مضبوط قائم کردہ کلیہ ہے کہ ان کے حقائق و معارف کو خود آیات سے اور اگر ان میں نہ ملیں تو احادیث نبویؐ سے تحقیق کرو۔ اس کے بعد کشف معضلات اور ایضاح مجملات کے لئے صحابہ کرام ائمہ مجتہدین اور علمائے سلف صالحین کے معتبر اقوال کی طرف رجوع لاء۔ اور یہ اس لئے کہ خیر القرون کا زمانہ میں تحقیق کے اعتبار سے مابعد کے زمانہ سے زیادہ تر راجح بصواب ہے۔ کیونکہ مابعد کا زمانہ حسب اخبار مجرب صادق علیہ التعمیۃ و الثبناۃ افشا کذب زور کا زمانہ ہے۔ پھر اگر العباد بانشر کوئی عقل سے خالی دماغ یہ کہے کہ موجود



زمانہ تحقیق کا ہے۔ اور غیر القرونِ تاریخی کا زمانہ تھا۔ تو جان لو کہ وہ جھک مارتا۔ اور جھوٹ بکتا ہے۔ اس مقدمہ کے بعد ہم استفتی کے جواب کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ گو ہمیں یہ نہ معلوم ہو سکا کہ قائل کس آیت اور کس حدیث بخاری کو اپنا مطلب ثابت کرنے کے لئے پیش کرتا۔ تاہم غالب گمان یہ ہے کہ قائل کو لفظ متوفیہ اور لفظ توفیتنی سے حضرت عیسیٰ کی موت کا وہم ہوا ہے یہی حدیث تو اگرچہ قائل نے اس کو پیش نہیں کیا ہے لیکن ہم نظر یہ فہم قائل کے دیکھ سکتے ہیں کہ کسی اس قسم کی مبہم حدیث سے قائل کو یہ گمان ہوا ہوگا۔ لہذا ہم لفظ متوفی اور اس کے مشتقات کے جو قرآن حکیم میں قریباً ۲۷ جگہ آئے ہیں۔ ضروری اقتباسات نقل کر کے بتاتے ہیں کہ لغت عرب میں اس لفظ کے متعدد معنی آئے ہیں۔ جو سیاق و سباق کے لحاظ سے سمجھے جاسکتے ہیں متوفی اسم نال ہے۔ باب تفضل سے۔ اور اس کا مادہ یعنی توفی لفیف مفروق ہے۔ توفی کے معنی۔ اٹھانا۔ سلانا۔ قبض کرنا۔ جان نکالنا۔ پھیر لینا۔ اور پورا دینا۔ وغیرہ وغیرہ ہیں۔ ہر ایک کی مثال میں دیکھو آیات ذیل :-

۴ اٹھانے کی مثال۔ قولہ تعالیٰ :- حتی یتوفھن الموت یراں تک کہ اٹھائے ان کو موت ۵

سلانے کی مثال۔ قولہ تعالیٰ :- هو الذی یتوفکم باللیل اور وہی ہے جو قبض کرتا ہے تم کو رات میں (یعنی سلانا ہے) ۶

قبض کرنا عرب کہتا ہے۔ توفیت مالی۔ میں نے اپنے مال پر قبضہ کیا ۷  
جان نکالنا۔ قولہ تعالیٰ :- توفتہ رسلنا۔ جان نکالتے ہیں ان کی رسول ۸  
(یعنی ملک الموت اور اس کے ہمراہی) ۹

پھیر لینا۔ قولہ تعالیٰ :- فلما توفیتنی۔ اور جب تو نے مجھے پھیر لیا۔ یعنی اٹھا لیا ۱۰

پورا دینا۔ قولہ تعالیٰ۔ ودفیت کل نفس ما کسبت اور پورا دیا جائیگا ہر جی جو کچھ کمایا ہے ۱۱

اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اپنی تائید مزید میں معتبر تفاسیر کی عبارت

نقل کر دیں۔ اور قولہ تعالیٰ :- وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا مَعْشَرَ الْإِنْسَانِ اتَّقُوا رَبَّ ۚ الٰہ کے معنی بیان کر دیں۔ جو متفق علیہ علمائے اعلام ہیں۔ تفسیر بیضاوی صفحہ ۱۱۷ مصری میں ہے۔ یا عیسیٰ انی متوفیک ای متوفی الجسد و متحرک الی الجسد المسخى عاصماً ایاک من قتلهم و قابضک من الارض من توفیت مالی ادمیتک من الشهوات العائقة عن العروج الی عالم ملکوت و رافعتک الی محل کرامتی و مقصر ملائکتی اور تفسیر جلالین کے صفحہ مذکور میں ہے متوفیک ای قابضک و رافعتک الی من غیر موت۔ یہی معنی تفسیر مدارک میں ہیں۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی یہی معنی کئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ توفی کے معنے موت کے اس آیت کی تفسیر میں کسی نے نہیں کئے۔ اور سب اس پر متفق ہیں کہ یہاں متوفیک کے معنی پھیر لینے والے اور نگاہ رکھنے والے اور تاخیر اجل مسخ و غیرہ کے ہیں۔ کیونکہ اس کے بعد کے لفظ رافعتک الی نے اس کو صاف کر دیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو قتل اور صلیب سے محفوظ رکھ کر اپنی طرف بغیر موت کے زندہ ہی جسم اٹھالیا۔ اور فلما توفیتنی کے معنی بھی اسی طرح کئے ہیں۔ چنانچہ بیضاوی صفحہ ۲۱۲ میں ہے۔ فلما توفیتنی قبضتنی یا لرفع الی السماء یہاں توفیتنی کا ترجمہ بھی صاف ہو گیا۔ اس جگہ ہم نے عربی عبارت کا ترجمہ قصداً چھوڑ دیا ہے۔ تاکہ وہ لوگ جو من اور عن میں فرق تک نہیں کر سکتے۔ اور باوجود اس کے مرزائی عقیدہ کے پیروں کو دعوے ہمہ دانی کا کرتے ہیں۔ آپ ہی معنی سمجھ لیں۔ ورنہ عند الضرورت ہم تعلیم دینے کے لئے موجود ہیں۔ بتوفیق اللہ تعالیٰ :-

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا ایک اور دلیل سے بھی ثابت ہے۔ جو اس سے بھی زیادہ روشن ہے۔ اور وہ بھی قرآنی بیان سے اخذ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ یعنی تمام اہل کتاب عیسیٰ کی موت کے پہلے ان پر ایمان لائیں گے۔ چنانچہ بیضاوی اور جدیدین میں ہمہ اور



موتہم کی ضمیریں حضرت عیسیٰ کی طرف پھیری ہیں +

بیٹھا دی میں ہے۔ وان من اهل الكتاب الا ليومنين به قبل

موتہم والمعتن انہ اذا نزل من السماء امن به اهل الملل جميعاً +

اور جلاہین میں ہے۔ قبل موت عیسیٰ مای نزل قرب الساعة

کما روى في الحديث وعن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والذی نفسی بیدہ

لیوشاک ان یزال فی کمر ابن ماریو حکماً عدلاً فیکسر الصلیب

ویقتل الخنزیر ویفیض المال حتی لا یقبلہ احد تکون

السجدۃ الواحده خیر من الدنیا وما فیہا شئ یمتولک

ابو ہریرۃ فاقروا ان شئتم وان من اهل الكتاب الا لیومنین

بہ قبل موتہم الا یتہ رد الہ خمسۃ الہ النساء سو اس کے اور

بہت سی حدیثیں حضرت کے رفع الی السماء اور نزول من السماء کی تائید میں

موجود ہیں۔ مگر فی الحال اختصار کو مناسب جانا۔ اگر خدا نخواستہ مخالفین فی

ریختہ چاہا۔ تو ان کے لئے ہر وقت موجود و مستعد ہیں۔ ہذا اما علمہ

ربی واللہ یرہدی من یشاء الی صراط المستقیمہ و آخر دعوانا

ان الحمد للہ رب العالمین۔ والصلوۃ والسلام علی سید

الموسلین وآلہم اجمعین +

## امامت کی بحث

حاشیہ متعلقہ صفحہ

مباحث امامت اگرچہ موضوع علم کلام سے نہیں ہے۔ جیسا کہ اس

کتاب کے مقدمہ سے ظاہر ہو گیا ہے۔ لیکن چونکہ اہل بدعت و ضلالت اپنے

عقائد فاسدہ اور متفادات باطلہ کی اشاعت کر کے عقائد حقہ دین اسلام میں

خرابی ڈالنے لگے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ظلیفہ یا فضیل اور خلفائے



ثالثہ یعنی اللہ عنہم خصوص جناب ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو غاصب اور ماذن شد  
ظالم تک کہنے لگے تو علمائے اسلام نے اس جانب توجہ فرمائی اور علم  
کلام کی کتابوں میں مباحث امامت کو دیکھ فرمایا۔ تاکہ اہل اسلام فرقہ ہائے  
شیعہ کے عقائد بد سے محفوظ رہیں۔ اور اپنے عقائد حقہ کو سلامت اور امن  
رکھیں اس طرح مباحث امامت منہات بلکہ موضوع علم کلام سے ہو گئے۔  
چنانچہ بعض علمائے علم کلام کی تعریف میں امامت کی بحث کو بھی داخل کر دیا ہے  
اور فرمایا ہے۔ *هو البحث عن الاحوال الصائغہ تعالیٰ والنبوۃ و*  
*الامامۃ والمعاد وما يتصل بذا الیک*۔ یعنی علم کلام وہ ہے جس  
میں احوال صائغہ تعالیٰ اور نبوت اور امامت اور معاد وغیرہ کے متعلق  
بحث ہوتی ہے۔ ایک جہاد خال بحث امامت کی یہ بھی ہے کہ ایک طرح سے  
مسائل امامت اعتقادی ہیں۔ نہ کہ عملی۔ چنانچہ اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ خلیفہ  
برحق بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابوبکر ہیں۔ پھر عمر پھر عثمان  
پھر علی رضی اللہ عنہم اور یہ کہ ان خلفائے راشدین کی فضیلت بھی اسی ترتیب سے  
ہے۔ امامت کے معنی اہل اسلام پر استحقاق تصرف عام کے ہیں۔ چنانچہ المسائے  
میں ہے *ھو استحقاق تصرف عام علی المسلمین*۔

اور شرح مواقف میں ہے۔ *الامامۃ خلافتہ الرسول*۔  
*انامۃ الذین وحفظ حوزۃ الملئۃ بحیث یجب اتباعہم*۔ مکمل  
اکافتہ الزمۃ یعنی امامت کے معنی جناب رسول خدا کی خلافت کے ہیں۔  
وین گئے قائم کرنے اور ملت اسلام کی محافظت کرنے میں اس طرح کہ اس کی  
اتباع تمام امت پر واجب ہوتی ہے۔

اور اسی طرح مقاصد میں ہے کہ امامت دینی و دنیوی ریاست عامہ کو  
کہتے ہیں۔ جو حقیقت میں آنحضرت کی نیابت ہے۔ پس امام اس کو کہا جائیگا۔  
جس کو مذکورہ نیابت و ریاست اور تصرف عام حاصل ہو۔

اور واضح ہو کہ اہل سنت امامت کا اطلاق چند معنوں پر کرتے ہیں  
ایک معنی تو وہی ہے۔ جو اوپر بیان ہوا۔ یعنی خلافت رسول اللہ صلی اللہ

علیہ آلم وسلم جس میں ملک میں تصرف ہونا باوصف استحقاق اور غلبہ شوکت کے  
 اور جاری ہونا سکم کا غروری ہے۔ اور یہ امامت محدود و منحصر ہے۔ خلق، اربعہ  
 اور حضرت امام حسن و امام مہدی میں کہ سوائے ان کے کوئی امام مستحق ان صفات کا  
 نہیں ہو سکتا۔ دوسرے بمعنی پیشوائے دین کے چنانچہ امام عظیم و امام شافعیؒ کہ  
 امام فقہ کے تھے۔ اور امام غزالیؒ و امام رازیؒ کہ امام عقائد و کلام کے ہوئے ہیں۔  
 اور زانیہ و امام شافعیؒ کہ قرأت کے امام تھے۔ غرض جس علم میں کسی شخص کو کامل دستگاہ  
 ہوتی ہے۔ وہ اس علم کا امام کہلاتا ہے۔ حتیٰ کہ نماز کے امام کو بھی امام کہتے ہیں  
 اور اسی طرح امیر الحج کو کہ یہ سب امور دین میں سے کسی امر کے امام ہیں۔ اور آئمہ  
 اطہار اس دوسرے معنی کے لحاظ سے تمام باتوں میں امام و پیشوا ہوئے ہیں۔  
 تیسرے امام کے معنی مطلق رئیس و بادشاہ کے لیتے ہیں۔ کہ وہ ہر چند خوش سیر  
 نہ ہو۔ لیکن بعض امور دین میں جیسے چہاد اور غیرت کا بانٹنا۔ اور جمعہ و عیدین کا  
 قائم کرنا یہ بھی پیشوائی کی بات ہے۔ حاصل حکام یہ کہ امامت بمعنی خلافت کے  
 یہ تو سوا پانچ شخصوں مذکورہ اور مہدی موعود کے کسی کی ذات میں ممکن نہیں۔  
 مگر امامت دوسرے معنی کے لحاظ سے عام ہے۔ ہر قابل و کامل کے لئے یہ سب  
 معنی قرآن شریف سے ماخوذ ہیں۔ امام کے لئے تصرف کا ہونا غروری نہیں ہے  
 چنانچہ وہ لوگ جو بظاہر تصرف نہیں رکھتے تھے۔ قرآن حکیم میں ان کو لفظ آئمہ  
 سے یاد فرمایا ہے وَجَعَلْنَا هُمْ اٰمَةً يَتَّبِعُونَ يَا مَعْزُتُ الْعَالَمِينَ اور کیا ہم  
 نے اُن کو امام کہ راہ بناتے ہیں۔ ہمارے حکم کی بلکہ ہر کسی کو یہ دعا تلقین فرمائی۔  
 وَجَعَلْنَا الْمُتَّقِينَ اِمَامًا۔ یعنی اور کہ ہم کو متقیوں کے لئے امام اور خلافت  
 میں ہر گز ارض کی قید پڑھائی ہے کَيْسَ تَخْلُقْنَاهُمْ فَاِذَا خَلَقْنَاهُمْ  
 فَجَعَلْنَاهُمْ خُلَفَاءَ الْاَرْضِ اِلَى عَشِيرَةِ اٰلِ اَدَمَ

عقائد کی کتابوں میں جہاں کہیں امامت کے مروجہ ذکر آیا ہے۔

اس سے مراد پہلے معنی ہیں یعنی مسلمانوں پر تصرف عامہ کا استحقاق جس  
 کے دوسرے معنی حاکم یا بادشاہ کے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ اہل سنت  
 کے نزدیک مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ واسطے محافظت امور دین



دنیا کے اپنے اتفاق سے ایک امام یعنی حاکم نصب و معین کریں۔ تاکہ کئی و جزئی اور دینی و دنیوی انصرام و تصفیہ اس کے حکم سے ہو۔ اور انتظام مسلمان میں حرج و مرج واقع نہ ہو۔ امام کے مقرر و قائم کرنے کے وجوب پر اکثر احادیث دال ہیں۔ جیسا کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے متن میں بیان کیا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے۔ من لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتة فی الجاہلیۃ یعنی اگر کسی شخص کے زمانہ میں کوئی امام یعنی بڑا حاکم مسلمانوں کا ہو اور اس میں امامت کی شرطیں پائی جائیں۔ اور وہ اس امام یعنی موجودہ حاکم یا بادشاہ کی معرفت یا اطاعت نہ کرے۔ تو اس کی موت ایسی ہوگی۔ جیسے جاہلیت کی موت کہ کسی طرح اس کی نجات نہیں ہو سکتی۔ اور حقیقت امام زمانہ کی اطاعت نہ کرنے سے انسان شرعاً باغی کہلاتا ہے۔ پھر جو باغی کا حکم ہے۔ وہی اس کا ہاں اگر حاکم میں فسق و فجور ہو۔ اور شرائط امامت موجود نہ ہوں۔ تو اس کی اطاعت واجب نہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ قتال و جدال لازم ہے۔ یا ایسا ملک ہو۔ جہاں مسلمان نصب امام سے عاجز و مجبور ہوں۔ جیسے ہندوستان وغیرہ۔ تو اس صورت میں یعنی جب مسلمانوں میں امام بشرائط ضروریہ موجود نہیں ہے۔ تو اس کی معرفت و اطاعت کی تکلیف بھی نہیں ہونے کی حالت میں نہ سچانے پر احادیث میں وعید وارد ہے۔ اور مسلم کی حدیث میں بروایت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مات بغیر امام مات میتة جاہلیۃ مطلبہ ذیل کا ایک ہے۔

## نصب امام سے غرض

اب ہم بتاتے ہیں کہ امام کا قائم و مقرر کرنا جو کتاب سنت اور اجماع امت سے واجب ہے۔ تو اس سے کیا اعراض متعلق ہیں۔ اور امام بمعنی مذکورہ کن صفات کا ہونا چاہیئے۔ عقائد نسفی میں ہے۔ المسلمون لا یدلّون من امام یرقوم لتنفيذ احکامهم و اقامۃ حد و دہم و سد ثغورهم و تحمیز جیوشہم و اخذ صدقاتہم و قضا



المتغلبۃ والمتلصقة وقطاع الطريق واقامة الجمع والاعیاد  
 وقطع المنازعات الواقعة بین العباد وقبول الشهادة القائمة  
 على الحقوق وتزویج المتغافلین الا اولیاء لہم وقسمۃ  
 الغنائم یعنی مسلمانوں کو ایک امام یعنی حاکم قائم کرنا ضرور ہے تاکہ وہ  
 امام قیام کرے واسطے جاری کرنے حکموں اور قائم کرنے حدود اور بند کرنے  
 فتنوں اور آمادہ و طیار کرنے لشکروں اور لیتے صدقات اہل اسلام کے۔  
 اور نیز قیام کرے متغلیوں چوروں اور لپیروں پر سزائیں۔ اور قہر کرنے پر  
 اور قائم کرے جمعوں اور عیدوں کی نماز کو۔ اور دُور کرے جھگڑوں اور  
 خصومتوں کو جو درمیان بندوں کے واقع ہوں۔ اور قبول کرے اُن شہادتوں  
 کو جو حقوق شرعی پر دی جاویں۔ اور نکاح کرے اُن صغار کاجن کو ولی نہیں  
 ہے۔ اور قسمت کرے غنیمتوں کو جو کفار سے حاصل ہوں۔ ان تمام اغراض  
 مذکورہ کے۔ نئے ایک حاکم کی ضرورت ہے کہ یدون وجود حاکم کے یہ اغراض  
 پورے نہیں ہو سکتے۔ اور چاہئے کہ حاکم مذکور۔ مرد۔ مسلمان۔ عاقل۔ بالغ  
 متواریع۔ عادل اور شجاع ہو۔ اسی واسطے شرح مواقف میں ہے۔ نصب  
 الامام عندنا واجب علینا سمعنا یعنی امام کا مقرر کرنا ہم پر شرعاً  
 واجب ہے۔ اور حصر امامت کا کسی تعداد میں نہیں ہے۔ اور نہ یہ کسی حدیث  
 صحیح سے ثابت ہے۔

عقائد نقسی میں مذکور ہے۔ یکون الامام من قریش ولا  
 یجوز من غیرہ یعنی امام قریشی ہونا چاہئے۔ غیر قریشی کی امامت  
 جائز نہیں۔ تو اُس کی بنا ایک حدیث صحیح پر ہے۔ جو بالفاظ مختلفہ  
 حضرت ابو بکر صدیقؓ۔ علی مرتضیٰؓ۔ و ابو ہریرہؓ۔ و ابن عمرؓ۔ و سعد بن  
 ابی وقاصؓ۔ و جابرؓ۔ و ابن مسعودؓ۔ و انسؓ۔ و ابو موسیٰؓ۔ و ام ہانیؓ۔  
 و ابو بردہؓ۔ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ لہذا اہل سنت  
 نے قریشی ہونے کو شرط امامت قرار دیا ہے۔ مگر اس شرط کی وجہ  
 اُسی حدیث کے مختلف طریقوں کے جمع کرنے سے بخوبی ہوتی ہے چنانچہ

بعض قریشیوں کی امامت قریشی میں نہ ہوں۔ تو  
 جائز ہے۔

حدیث ابو ہریرہؓ جس کی تخریج ابو داؤد طیلسی اور احمد بن حنبل اور ابوالعلی نے اپنی مسانید میں اور طبرانی نے اپنی معجم میں کی ہے۔ اُس کے الفاظ یہ ہیں۔ الاِئمة من قریش ما حکموا فعدلوا وادعوا واخوفوا ورسموا واسترحموا علاوہ اس کے اور حدیثیں بھی مختلف طریق سے مسانید و صحاح میں مروی ہیں جن سب کا مقادیر ہے کہ قریش جب تک عدل کریں گے۔ اور وعدہ پورا کریں گے۔ اور رحم کریں گے۔ اور دین کو قائم کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ اُس وقت تک امامت و سلطنت انہیں ملے گی۔ ورنہ ان میں امامت و سلطنت کا ہونا ضروری نہیں۔ اور قریشی بادشاہ مذکورہ کے مقابلہ میں اگر غیر قریشی گھڑا ہوگا۔ تو ذلیل و خوار ہوگا۔ اور اگر ان اوصاف کا قریشی نہ ہوگا۔ تو قریشیت شرط امامت نہ رہے گی۔ چنانچہ اسلام میں بہت سے امام ایسے ہوئے ہیں جو قریشی نہیں تھے۔ اور ان کی امامت کو تمام علما نے تسلیم کیا ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھو۔ کہ امام کے مقرر کرنے کے لئے چالیس مردوں ذی علم اور اصحاب الایمان کا اتفاق ضروری ہے اس سے کم کے اتفاق سے امامت قائم نہیں ہو سکتی۔ اور شرط امامت سے ہے۔ امام کا ظاہر ہونا۔ تاکہ جو ضرورتیں امام کے قائم کرنے کی داعی ہوتی ہیں۔ وہ پوری ہوں۔ اور امام کا خطائے معصوم ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور یہ امر قرآن شریف سے ثابت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ إِنَّ اللَّهَ فَالَّيَكُنْ لَكُمْ كَلُوتٌ مُلْكًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے طاوت کو بادشاہ بنا کر مبعوث کیا۔ پس طاوت موافق نصّ النبی کے امام تھا۔ اور اُس کی اطاعت فرض تھی۔ اور حالانکہ بالاجماع وہ معصوم نہ تھا۔ اور امام کو لازم نہیں ہے کہ خدا کی طرف سے اُس کے واسطے نص ہو۔ یہ تو مکلفین پر واجب ہے کہ وہ اپنی حاجت اور ضرورت کے لئے حسب مصلحت اپنے میں سے ایک شخص کو اپنا امام اور عالم مقرر کر لیں۔ تاکہ دینی و دنیاوی امور انت کا انصرام اُس کی ذات سے متعلق ہو۔ اور امام کو لازم نہیں ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے خدا کے نزدیک افضل ہو۔ اس واسطے کہ طاوت کو خدا نے حاکم مقرر کیا۔ حالانکہ اُس کے وقت حضرت شیمل اور حضرت داؤد موجود



تھے اور جوہ طالوت سے افضل تھے ۔

## خلافتِ راشدہ کی مدت

جاننا چاہئے کہ امام بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلا فاصلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ۔ پھر حضرت عثمان ذی النورینؓ اور پھر حضرت علی مرتضیٰؓ ان کے بعد حضرت امام حسن رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ یہ پانچ بزرگوار ہیں۔ جنہوں نے موافق حدیث الخلفاء من بعدی ثلاثون سنۃ کے خلافتِ کاملہ کے تینس سال پورے کئے۔ اس طرح کہ حضرت ابوبکرؓ نے دو سال چار ماہ خلافت کی۔ اور حضرت عمرؓ نے دس سال چھ ماہ۔ اور حضرت عثمانؓ نے بارہ سال چند روز کم۔ اور حضرت علیؓ نے چار سال نو ماہ۔ اور حضرت حسن المجتبیٰؓ نے پانچ ماہ۔ اس حساب سے خلافتِ خلفائے اربعہ کی انتیس برس اور سات مہینہ میں تمام ہوتی ہے۔ اور پانچ مہینہ جو باقی رہے۔ ان میں حضرت امام حسنؓ خلیفہ ہے۔ پس یہ بھی خلفائے میں سے ہوئے۔ اس کے بعد امام حسنؓ نے امیر معاویہ سے صلح کر لی۔ اور امیر معاویہ فقط بادشاہ و حاکم ہے نہ خلیفہ چنانچہ حدیث میں ہے کہ خلافت بعد میرے تیس سال ہے۔ پھر مالک ثری اور امیر ہوتا نہ خلافت ۔

یہاں ایک شبہ وارد ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ اکثر علما نے خلفائے عباسیہ اور بعض خلفائے مروانیہ مثل عمر بن عبد العزیزؓ کو خلیفہ مانا ہے۔ جواب یہ ہے۔ کہ مراد خلافتِ منحصرہ درسی سال سے خلافتِ کاملہ ہے کہ اُس میں مخالف کو بالکل دخل نہیں۔ اور وہ سب پہلے متابعت جاری رہی۔ لیکن بعد تیس برس کے یہ طریق لازم نہیں رہا۔ تو اس سے ظاہر ہوا کہ بارہ اماموں میں سے صرف اوّل کے دو امام یعنی علی مرتضیٰؓ اور حسن مجتبیٰؓ اہل سنت کے نزدیک اہل تعریف امام مصطلح ہیں۔ اور باقی نو کو اہل سنت مذہبی پیشوا مانتے ہیں۔ اور اسی معنی سے اُن کو امام کہتے ہیں۔ چونکہ وہ بادشاہ وقت نہیں تھے۔ اور مسلمانوں کے انتظامی اُمور میں اُنہوں نے کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ اس واسطے اہل سنت اُن کو امام مصطلح

اہل سنت کا مسلک بارہ اماموں کے باب میں



نہیں کہتے۔ اور نہ کوئی عاقل ایسے شخص کو جس نے ایک منطقی حکومت نہ کی ہو بادشاہ یا امام کہہ سکتا ہے۔ اور نہ کسی صحیح حدیث میں اُن کی امامت و سلطنت کی خبر دی گئی ہے۔ یہ اعتقاد صرف شیعہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ امام مہدی مبشریہ کے امام ہونے کے اہل سنت ضرور قائل ہیں۔ لیکن جن کو شیعہ نے امام فرض کیا ہے۔ اور وہ حسن عسکری کے بیٹے بتائے جاتے ہیں۔ جن کی ولادت و وجود کے نہ اثر اہل سنت معتقد ہیں۔ اور نہ اُن کو امام مہدی مبشریہ جانتے ہیں۔ اہل سنت کے امام مہدی قریب قیامت میں پیدا ہونگے۔ اور چالیس برس کی عمر میں اُن کا ظہور ہوگا۔ چونکہ قیامت کا حال معلوم نہیں کہ کب آئے گی۔ اس واسطے یہ نہیں کہہ سکتے کہ امام مہدی کب پیدا ہونگے۔

## دو خلیفوں کا نصب زمانہ واحد میں جائز نہیں

یاد رہے کہ عصر واحد میں دو اماموں کا نصب کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے منازعات اور جھگڑاؤں کے پیدا ہونے کا خوف ہے۔ اور نیز امور دین و دنیا میں اختلاف پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ بعض علماء جو نصب امامین کو زمانہ واحد میں جائز رکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ فاصلہ بعید ہونے کی حالت میں درست ہے۔ تو اُن کی تردید اس حدیث مسلم سے ہوتی ہے۔ اذ ابروع الخلیفتین فاقتلوا اخر منہما یعنی جب دو خلیفوں سے بیعت کی جائے۔ تو اُس خلیفہ کو قتل کر ڈالو جس کی بیعت آخر میں ہوئی ہے۔ رواہ ابی سعید الخدری۔ اور چاہئے کہ امام ظاہر ہو نہ مخفی خوف اعدا سے تاکہ مہمات امور مسلمانین اس کی نظر رجوع ہوں۔

## شیعوں کے اماموں کے نام

شیعہ کہتے ہیں کہ امام کا خوف اعدا سے چھپنا درست ہے۔ چنانچہ اُن کے نزدیک ترتیب خلافت اس طرح ہے۔ جو سراسر غلط ہے کہ امام سجن بعد رسول اللہ کے علیؑ ہیں۔ پھر اُن کے بیٹے حسنؑ۔ پھر اُن کے بیٹے حسینؑ۔ پھر اُن

کے بیٹے زین العابدین۔ پھر اُن کے بیٹے محمد باقر۔ پھر اُن کے بیٹے جعفر صادق۔  
پھر اُن کے بیٹے موسیٰ کاظم۔ پھر اُن کے بیٹے رضا۔ پھر اُن کے بیٹے محمد تقی۔ پھر  
اُن کے بیٹے علی نقی۔ پھر اُن کے بیٹے حسن عسکری۔ پھر اُن کے بیٹے محمد قائم  
مہدی منتظر۔

اور واضح ہو کہ یہ عقیدہ فرقہ امامیہ کا ہے۔ اُن کے دوسرے فرقے امامت کی  
ترتیب اس طرح نہیں مانتے۔ خصوصاً اسماعیلیہ کے امام دوسرے ہیں۔ اور اسی طرح  
دوسرے فرقوں کے دوسرے۔ غرض اُن کے اختلاف کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔  
شیعہ لوگوں نے دین حق میں اور مسئلہ امامت میں عجیب طرح کے فسادات مخرابیاں  
پیدا کی ہیں۔ جو ہمارے موضوع سے خارج اور سہ تباہی وادی ہیں۔

## اولیاء اللہ کی کرامات کے بیان میں

جاننا چاہئے کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک اولیاء اللہ کی کرامت  
حق ہے۔ اور صالح میں ملی اُس شخص کو کہتے ہیں۔ جو ذات و صفات خدا کا عاقل  
شرعیّت نبوی کا بوجہ کمال تابع۔ طاعات و عبادت پر مواظب اور معاصی و کبائر سے  
مجتنب ہو۔ اگر ایسے شخص سے کوئی امر خارق عادت صادر ہو۔ تو وہ کرامت ہے۔  
بشرطیکہ نبوت کا دعویٰ اُس میں شامل نہ ہو۔ بلکہ وہ امر مقارن بایمان و عمل صالح  
ہو۔ اور اگر کسی ایسے شخص سے کوئی امر خارق عادت صادر ہو۔ جو عمل صالح اور ایمان  
بجدا و کور آخرت و انبیاء علیہم السلام سے عاری ہے۔ تو اُس کے فعل کو استدراج  
کہتے ہیں۔ چنانچہ فرعون نے بے عون کہ اگر وہ پانی کو پہاڑ پر چڑھانا چاہتا۔ تو چڑھاتا  
اور دریائے نیل اُس کے تابع تھا۔ اُس کے کہنے کے موافق گھٹتا بڑھتا تھا۔ اور  
اُس کے ماتھے رواں ہوتا تھا۔ پس فرعون کا یہ فعل استدراج اور کبر اللہ ہے۔ کہ  
غرض خداوندی اس سے سوائے اُس کے کچھ نہیں کہ مومنین صادقین کی ہر بات  
کرے۔ اور کفار کو اُن کے کفر میں زیادہ سخت اور دلیر کرے۔  
علامہ اعلام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص پانی پر مصلیٰ کچھ کرے



دربار پار کرے یا ہوا پر اڑے۔ لیکن اُس کے اعمال و اخلاق خلاف شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہوں۔ تو اُس کو دلی نہ کہو۔ اور نہ اُس کے فعل کو۔ اگرچہ خارق عادت ہو۔ کرامت کہو۔ کیونکہ امر خارق عادت جو مخالف طریقہ محمدی کے ہے۔ اُس کو کرامت نہیں۔ بلکہ استدراج کہتے ہیں۔

کرامت کا ظہور دلی تابع شریعت حقہ سے کئی صورت سے ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ مسافت بعیدہ کو مدت قلیل میں قطع کر لیتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آصف بن برخیا و زید حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرامت سے خبر دی ہے۔ کہ وہ تخت بلقیس کو اتنی جلدی ایک مہینہ کی مسافت سے لے آئے۔ کہ سلیمان علیہ السلام ہلک نہ مار سکے۔ اور نیز اصحاب کہف کا حال خدا نے بیان فرمایا ہے کہ وہ کہڑ میں لیتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ یہ سب کرامتیں ہیں۔ کیونکہ مقارن فعلی بنوت نہیں۔ اور نیک لوگوں سے سرزد ہوتی ہیں۔

## تین مردانِ خدا کی ایک دلچسپ حکایت

ارشادِ مسبین میں بحوالہ حدیث صحیح لکھا ہے کہ ایک روز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہم ماضیہ کے عجائبات سے ہمیں مطلع فرمائیے۔ تاکہ اُس کے سننے سے ہمارے دل کو اطمینان اور ذوقِ سلیم حاصل ہو۔ آپ نے فرمایا تم سے قبل تین آدمی کسی جگر جا رہے تھے۔ جب بات ہوئی۔ تو ایک غار میں آرام لینے کو گھس گئے۔ اتفاقاً غار کا پنجرہ گر پڑا۔ اور اُس سے غار کا منہ ڈھک گیا۔ پنجرہ پڑا وزنی تھا۔ وہ اُن سے سرک نہ سکا۔ ناچار ہو کر اُنہوں نے باہم کہا کہ اب کوئی چارہ کار نہیں بچھڑا س کے کہ ہم باری تعالیٰ سے اپنے اُن اعمال کا اعادہ کریں۔ جو بے ریا ہم سے ظہور میں آئے ہیں۔ اور اُنہیں اعمالِ صالحہ کو ہم خدا کی جناب میں اس ملک سے رہائی پانے کے لئے شفیع لادیں۔ اُن میں سے ایک شخص نے خدا کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ یا رب! کیا تجھے معلوم ہے کہ میری ایک ماں اور ایک باپ تھا۔ اور دیہوی مال سے میرے پاس کچھ نہ تھا۔ سوائے ایک بکری کے



کہ میں اُس کے دودھ سے اُن کی اور اپنی اوقات بسر کرتا تھا۔ میں ہر روز دودھ لے کر بازار جاتا۔ اور اُس کو فروخت کر کے صبح و شام کا کھانا مہیا کرتا۔ ایک شکیلا ذکر ہے کہ میں دودھ کو بیچ کر اور اُس سے کھانا حاصل کر کے مکان کو آیا۔ اور رات کا کھانا والدین کی خدمت میں لے گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ سو رہے ہیں۔ میں اس انتظار میں کہ اب جاؤں نہیں گئے۔ تمام رات لئے کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ جب وہ خواب سے بیدار ہوئے اور مجھے اس حالت میں دیکھا۔ تو خوش ہوئے۔ میں بھی بھوکا تھا۔ اُن کے پاس کھانا لے گیا۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہو گئے۔ تو اُن کے بعد میں نے کھانا کھایا۔

اے خدا اگر میں اس قول میں سچا ہوں۔ تو پھیل اُس راست گوئی کے میرے لئے کننادی بھیج۔ اور اس مہمک سے نجات دے۔ اُس کی اس گفتگو سے پتھر اس قدر سرگ گیا کہ کچھ کچھ شکاف غار نظر آنے لگے۔

دوسرے نے کہا۔ بارالہا مجھے معلوم ہے کہ میں ایک پری جمال نہایت حسین لڑکی پر فریفتہ تھا۔ ہر چند میں چاہتا تھا۔ مگر وہ کسی طرح قبضہ میں نہیں آتی تھی۔ مجبوراً ایک سودینار دے کر میں نے صرف اُس کو اس بات پر راضی کیا۔ کہ ایک شب میرے ساتھ خلوت کرے۔ جب وہ میرے پاس آئی۔ تو میرے دل میں ترس اور خوف خداوندی غالب ہو گیا۔ اور میں نے اُس کو بدوں خلوت و خلعت کر دیا۔

خداوند! اگر یہ میرا واقعہ درست ہے۔ تو ہمارے اس طرح کٹاؤں بھیج۔ اور سامان ہماری رمانی کا بچا کر۔ فی الحال پتھر اتنا اور سرگ گیا کہ غار کا منہ کھل گیا۔ مگر ابھی اتنا نہیں ہٹا تھا کہ باہر آسکیں۔

تیسرے نے کہا الہی تو جانتا ہے۔ کہ میرے یہاں مزدور کام کیا کرتے تھے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ تمام مزدور اپنی اپنی مزدوری لے کر چلے گئے۔ مگر ایک شخص یونہی بغیر مزدوری لئے چلا گیا۔ میں نے اُس کی اجرت سے ایک پکری خرید لی۔ اور وہ چالیس برس تک نہیں آیا۔ اس بکری سے بہت بچے پیدا ہوئے، اور اُس کی نسل خوب بڑھ گئی۔ ایک روز وہ مزدور آیا۔ اور مجھ سے کہنے لگا۔ اے

عزیز تجھے یاد ہو گا۔ میں نے ایک دن تیرے یہاں مزدوری کی تھی۔ اور بغیر اجرت لئے چلا گیا تھا۔ اب مجھے اپنی اجرت کی ضرورت ہے۔ اگر اس وقت مل جائے تو نہایت خوب ہے۔ میں نے کہا۔ فلاں جگہ جا۔ اور وہاں غنئی بکریاں کھڑی ہیں سب لے جا کہ وہ تیری ملک ہیں۔ اُس نے کہا اے عزیز میرے ساتھ تسخر کرنا ہے۔ میں نے کہا۔ نہیں۔ میں راست کہتا ہوں۔ اور تمام قصہ بیان کیا۔ چنانچہ وہ شخص بکریاں لے گیا۔

اے اللہ اگر میں اپنے کلام میں راست گو ہوں۔ تو اپنی جناب سے وسعت و فرح عنایت کرنی الحال پتھر مذکور اس قدر ہٹ گیا کہ وہ تینوں شخص باطمینان اُس سے باہر نکل آئے۔ ظاہر ہے کہ یہ کرامت ہے۔ معجزہ نہیں۔ اور کرامت حق ہے۔

## حرج راہب کی حکایت

ایک دوسرا قصہ حرج راہب کا ہے۔ اور وہ بھی بردایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے۔ کہ بنی اسرائیل میں ایک راہب تھا حرج نام نہایت مرائی و مجاہد کہ عبادت و ریاضت میں اپنا زمانے سے گئے سبقت لے گیا تھا۔ اُس کی ایک ماں بھی مستورہ و عقیفہ کہ صالحات روزگار سے شمار ہوتی تھی۔ ایک روز وہ اپنے فرزند حرج کے دیکھنے کو معبد میں آئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ حرج اندر سے صنوبر کا دروازہ بند کئے ہوئے عبادت الہی میں مشغول ہے۔ ناچار وہ صنوبر محروم لوٹ گئی۔ دوسری اور تیسری مرتبہ بھی دیدار فرزند سے محروم پھر گئی۔ اب تو اُس سے نہ رہا گیا۔ اور دل مشتاق دیدار پسر سے مجبور ہو کر خدا کی جناب میں دعا کی۔ انہی صریح نے مجھ کو اپنی ملاقات سے محروم رکھا۔ اور تین تین مرتبہ آئی اور پلٹ گئی۔ خداوند اُس کو پکڑا اور سو آگ۔ ان صنوبر کا تیر دعا ہت اجابت پر پہنچا۔ اور ایسا ہوا۔ کہ اُس وقت ایک عورت تھی بدکار و قاشہ اُس نے عزم یا پھر تم کیا کہ میں صریح کو بے راہ کر دوں گی۔ اس ارادہ سے اُس کے پاس آئی



مگر حرج نے اس کی جانب التفات نہیں کی۔ فاحشہ وہاں سے روانہ ہو کر رستہ میں ایک مردِ آوارہ بد معاش سے ملاقی ہوئی۔ اتفاقاً اس سے حمل رہ گیا۔ جب پیدا ہوا۔ تو مشہور کیا کہ یہ فرزندِ حرج راہبِ کلچے۔ لوگوں نے حرج کو پکڑا۔ اور سلطان وقت کے پاس لے گئے۔ حرج نے عورت مذکورہ کی خلوت وغیرہ سے انکار کیا۔ لوگوں کو یقین نہیں آیا۔ حرج نے کہا۔ اگر تم کو باور نہیں۔ تو بچہ سے دریافت کرو۔ سب نے کہا۔ بچہ کیونکر بول سکتا ہے۔ آخر حرج بچہ کی جانب مخاطب ہو کر بولا۔ اے کو دک بچہ خدائے عزوجل سچ کہو کہ تیرا باپ کون ہے۔ اس نے کہا۔ میرا باپ فلاں شخص ہے۔ میری ماں جھوٹ کہتی ہے۔ اور بچہ پر ناحق تہمت لگاتی ہے۔

ہماری غرض ان حکایات کے بیان کرنے سے اثباتِ کراماتِ اولیاء ہے تاکہ منکرانِ دین کرامتِ اولیاء اللہ سے انکار نہ کریں کہ کرامت کا انکار حقیقت میں معجزہ نبی کا انکار ہے۔ آج کل عوام لوگ اور خصوصاً جدید تعلیم یافتہ اصحاب کرامت اور معجزہ کا انکار کرتے ہیں۔ اور اس کو خلافِ عقل بتاتے ہیں۔ لیکن جو لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے قائل ہیں۔ اور آپ کی تمام باتوں کو سچا اور منجانبِ اللہ سمجھتے اور قرآن کریم پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ ہرگز کرامت کا انکار نہیں کر سکتے۔ پھر ان کے سوا اگر کوئی بے دین شخص اپنے الحاد کے سبب معجزات و کرامات کا منکر ہو۔ تو یہاں ہم کو ان سے بحث نہیں۔ معجزہ اور کرامت امورِ واقعہ و قطعیت سے ہیں۔ لہذا کوئی ذی عقل آدمی اس سے ہرگز ہرگز انکار نہیں کر سکتا۔ قرآنی آیات سے آصف برخیا حضرت مریم اور اصحاب کف وغیرہم کی کرامت ظاہر ہے۔

واقعات صحابہ سے اثباتِ کرامت

کرامت کی دوسری قسم

اب ہم واقعات صحابہ اور تابعین سے مسئلہ کرامت پر روشنی ڈالتے



ہیں۔ دوسری قسم کرامت کی یہ ہے کہ دلی تابع شریعت ہوا پر اڑ جانا۔ اور پانی پر چلتا ہے۔ چنانچہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت زید علم بردار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب جنگ موتہ میں آپ کو علم برداری کی خدمت سپرد ہوئی۔ تو آپ اس قدر مشغول بہ جنگ ہوئے کہ آپ کے دونوں ہاتھ کٹ کر گر پڑے۔ اس کے بعد آپ اپنے بازوؤں سے اپنے لٹنے لٹنے شہید ہو گئے جب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس واقعہ پر اطلاع پائی۔ فرمایا کہ جعفر طیار شہید ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو دیر بشت میں جگہ کرامت فرمائی۔ اُن کے دونوں ہاتھوں کے عوض اللہ تعالیٰ نے اُن کو یاقوت سرخ کے دو بازو عنایت فرمائے۔ تا وہ جہاں چاہیں۔ ریاض و روغات جہاں میں پرواز کرتے پھریں۔

## کرامت کی تیسری قسم

تیسری قسم کرامت کی یہ ہے کہ جہاد و حیوانات دلی تابع شریعت سے کلام کرتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت فاطمہؓ سے منقول ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ جب پہلی شب کو جناب علیؓ کرم اللہ وجہہ میرے بستر پر آئے۔ تو میں نے زمین کو آپ کے ساتھ کلام کرتے سنا۔ میں ڈری۔ اور صبح رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس واقعہ کو ذکر کیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ فاطمہؓ ڈرو نہیں۔ زمین تمہارے شوہر سے راز کہتی ہے۔

## چوتھی اور پانچویں قسم

چوتھی قسم یہ ہے کہ دلی آتی ہوئی بلا و مصیبت دفع کر دیتا ہے۔ پانچویں قسم یہ ہے کہ وہ دشمنان دین سے اپنے ادنیٰ اشارے کے ساتھ بسر آتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ مروی ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے روز جب کہ آپ خطبہ پڑھ رہے تھے۔ اپنے لشکر کو ہانڈ میں دیکھا۔ جو قریباً ایک عینہ کی مسافت ہے۔ اور اس وقت آپ نے

حضرت ساریہؓ کو جو شکر مذکور کے امیر تھے۔ فرمایا یا ساریہؓ الجبل الجبل آپ نے خطبہ کے درمیان مین دفعا ایسا ہی کہا۔ یعنی اے ساریہؓ پہاڑ کی جانب سے آگاہ ہو۔ یہ کہہ کر پھر خطبہ میں مشغول ہو گئے۔ لوگ کہنے لگے کہ شاید عمرؓ پر جنوں طاری ہو گیا ہے۔ جب حضرت ساریہؓ نے اس لشکر سے مدینہ کی جانب مراجعت کی۔ تو اٹھائے سخن میں کہنے لگے جمعہ کے روز صبح سے ہم جدال و قتال میں مصروف تھے۔ کہ ناگاہ وقت نماز جمعہ میں نے ایک آواز سنی کہ منادی ندا کرتا ہے۔ یا ساریہؓ الجبل الجبل۔ یہ سن کر ہم نے دشمن کا پتہ لگا لیا۔ جو گھات لگائے۔ پہاڑ کی آڑ میں بیٹھے تھے۔ پھر تو ہم نے اتنا قتل و غارت کیا کہ دشمن کو شکست فاش نصیب ہوئی۔ ساریہؓ کی زبانی اس واقعہ کے سننے سے جن لوگوں کو حضرت عمرؓ پر جنوں کا گمان ہوا تھا۔ وہ یک زبان بول اٹھے کہ حقیقت میں حضرت عمرؓ ایسے ہی کامیاب کے لئے منتخب ہوئے ہیں۔ جو ہماری فہم سے بالاتر ہیں۔ دوستو! ان کے حال سے تعرض نہ کرو۔

نیز حضرت عمرؓ کی جملہ کرامات سے ایک یہ ہے کہ شواہد النبوت میں مذکور ہے کہ جب ملک مصر کو اہل اسلام نے فتح کر لیا۔ تو اُس وقت امیر المومنین حضرت عمرؓ کی جانب سے حضرت عمر بن العاصؓ وہاں کے حاکم تھے ایک شخص اہالیان مصر سے عمر العاصؓ کے پاس آکر کہنے لگا کہ روڈ نیل جب خشک ہو جاتا ہے۔ اور بار بار روز اسی طرح گزر جاتے ہیں۔ تو یہاں کا قاعدہ ہے کہ ایک سین خوب صورت روڈ کی کو تلاش کرتے ہیں۔ پھر اُس کے ماں باپ کو بڑت سا مال و متاع دے کر روڈ کی کو حاصل کرتے ہیں۔ اور زرد و جاہر پہنا کر اُس کو دریائے نیل میں ڈال دیتے ہیں۔ اس طرح کرنے سے دریائے نیل اپنی معمولی رفتار کے موافق بہنے لگتا ہے۔ اب وقت آ گیا ہے۔ اور ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔

عمرؓ والعاصؓ نے جب یہ بات سنی تو فرمایا آئین اسلامی میں یہ عمرؓ کی نوع جائز نہیں۔ اور نہ ہم لوگ اس توہمات کے قائل ہیں۔ پھر دین امیر المومنین سے دریافت کرتا ہوں۔ وہاں سے جو حکم ہو گا۔ کیا جائیگا۔ الغرض جب عمرؓ والعاصؓ کی کتابت امیر المومنین کی خدمت میں پہنچی۔ تو آپؓ نے ایک پرچہ کا قاعدہ پر دریائے



نیل کو یہ عبارت بھی من عبد اللہ امیر المؤمنین الی سرد النیل آمنا بعد قانا لا نشقعر برسوم الجاهلیۃ وکن سر یا ذن اللہ یعنی خدا کے بندے امیر المؤمنین کی جانب سے ورنیل کو معلوم ہو کہ ہم جاہلیت کی رسموں کو بالکل نہیں مانتے۔ تجھے چاہئے کہ حسب معمول خدا کے حکم سے جاری رہے۔ اور عمرو العاص کو لکھ دیا کہ اس مکتوب کا غد کو دیائے نیل میں ڈال دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور اس سے آج تک ورنیل حسب معمول بتاتا ہے۔

## حضرت خالدؓ کی کرامت

ایک دفعہ حضرت خالد بن ولیدؓ رضی اللہ عنہ کا بھی اس بات میں قابل ذکر ہے۔ کہ جب آپ کو حضرت ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ نے اپنی زبان خلافت میں خیبر کی جانب بھیجا۔ تو اہل خیبر نے ایک شخص عبد المسیح نامی کو تھوڑا زہر دے کر حضرت خالدؓ کے پاس روانہ کیا۔ حضرت خالدؓ نے دریافت کیا۔ یہ کیا ہے؟ وہ گھبرا کر بول اٹھا یہ زہر ساعہ ہے۔ اہل خیبر نے ہدیہ کے طور پر آپ کے پاس بھیجا ہے۔ یہ وہ زہر ہے جس کے کھانے سے ایک ساعت میں انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ آپ نے اس سے زہر لے لیا۔ اور یہ کہہ کر پی گئے۔ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ دَبَّ الْاَدْوِیُّ وَالتَّمَاءُ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اَسْمِهِ شَیْءٌ وَلَا دَاۤءٌ عَبْدُ الْمَسِیْحِ یہ دیکھ کر اپنی قوم کی طرف پلٹ گیا۔ اور کہنے لگا۔ ان لوگوں سے صلح کرو۔ یہ ایسے مقبول ہیں کہ سہم ساعتہ تھے بھی ان پر کچھ اثر نہیں کیا۔

اسی طرح تابعین تبع تابعین اور اکثر اولیاء اُمت سے بتواتر لاتعداد کرامتیں منقول ہیں۔ جن سب کا بیان موجب تطویل کلام ہے۔ غرض کرامت کا مسئلہ ایک مسئلہ ہے۔ اس سے سوائے محمدؐ اور بے دین لوگوں کے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ ہم اتنا بھی بیان نہیں کرتے۔ کیونکہ شیخ شہاب الدینؒ اپنی کتاب میں اس مسئلہ کو بخوبی لکھ چکے ہیں۔ لیکن بخیاں اس امر کے کہ ان کا بیان وجیز و مختصر ہے۔ ہم نے اس

لے اللہ جل جلالہ کے نام پاک سے (اس ہر کو پیتا ہوں) اللہ کریم کے مبارک نام سے جو زمین اور آسمان کا پروردگار ہے۔ وہ ذات پاک جس کی برکت سے کوئی شے اور کوئی بیماری ضرر نہیں کرتی۔



مسئلہ پر پوری روغنی ڈالنا مناسب بنانا

## معجزہ کرامت اور سحر میں فرق ایک نہایت لکشت پیرا ہے

اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس موقع پر معجزہ کرامت اور سحر کے درمیان فرق بھی بتادیں۔ اور اس باب میں صرف مولانا سحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ کے اسی بیان پر اکتفا کریں جو انہوں نے ثنوی شریف حضرت مولوی دومی قدس سرہ کی شرح شریف میں فتوحات مکیہ سے تحریر فرمایا ہے۔ دیکھو شرح ثنوی مولانا روم صفحہ ۴۹ و ۵۰ دفتر سوم یہ بیان نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ اکثر دلیر اور گستاخ لوگ جو حقائق الہیہ سے واقف نہیں ہوتے۔ اس موقع پر کدیا کرتے ہیں کہ نبی کی رسالت اور ولی کی ولایت کی دلیل میں ان کے معجزات اور کرامات پیش کرتے ہو۔ مگر ہم وہی عجائبات سحر ساحر میں بھی پاتے ہیں۔ پھر نبی و ولی کو ساحر سے کس طرح تمیز کیا جاسکے۔ اور معجزہ کرامت اور سحر میں کیونکر فرق ہو سکے۔

جاننا چاہیے کہ حضرت مولوی دومی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں لکھا ہے کہ جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لئے عام ٹانک محروسہ جادوگر جمع کئے تو انہیں میں دو مشہور نوجوان جادوگر دوں کو پیغام طلب بھیجا وہ دونوں اپنی ماں کے پاس آئے اور کہا ہمیں بابا کی قبر بتا دے۔ تاکہ ہم اُس سے ضروری باتیں استفسار کریں۔ ماں اُن کو اُن کے باپ کی قبر پر لے گئی۔ دونوں نوجوان بچوں نے اپنے باپ کے دریافت کیا۔ اے بابا ہماری طلبی میں فرعون کا پیغام آیا ہے کہ وہاں جا کر دو دو پیشوں یعنی موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے مقابلہ کریں۔ اُن کے پاس سوا عصا کے کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ پس اے بابا ہم کو اس سے آگاہ کر کہ وہ درویش کیسے ہیں۔ اور ہمارا جانا سود بخش ہوگا۔ یا نہیں؟ باپ نے جواب دیا۔ میں اس کام کی اصل حقیقت سے پورا آگاہ ہوں۔ مگر ظاہر طور پر کہنے کی اجازت نہیں۔ اے سعادت مند فرزندو! میں تم کو ایک بات کہتا ہوں۔ اسی سے اصل حقیقت کا پتہ لگا لینا۔ وہ یہ کہ تم دونوں جاؤ۔ اور درویشان مذکور کی خواہگاہ تلاش کرو۔ جب موسیٰ کو سوتا پاؤ تو اُس کی عصا چرانے کا ارادہ کرنا پس اگر

نم عصا کے چرانی میں کامیاب ہو گئے۔ تو سمجھ لینا کہ یہ یعنی مونسے اور مارڈوں دونوں  
 ساحر ہیں۔ تو تم کو سحر کار رو کر ناپوئے طور پر آتا ہے۔ تم اس میں ہر طرح کا مل ہو۔ و  
 اگر تم ان کا عصا چرانہ سکے تو یہ یقین جا کہ وہ ساحر نہیں۔ بلکہ وہ ہمتی اور اللہ  
 تعالیٰ کے فرستادہ ہیں۔ دونوں بیٹے باب یہ حکم سن کر حضرت مونسے علیہ السلام کی  
 تلاش میں گئے معلوم ہوا کہ آپ ایک رخت کے تلے سو رہے ہیں۔ اور عصا قریب  
 ہی رکھا ہے۔ دونوں نے اس موقع کو غنیمت جانا۔ اور عصا چرانے کے لئے آگے  
 بڑھے چاہتے تھے کہ عصا کو اٹھائیں۔ اتنے میں عصا نے حرکت کی۔ اور ایسا کرنے  
 میں آیا کہ دونوں ساحر بچہ اس کو دیکھ کر خوف کے مارے خشک ہونے لگے اس  
 کے بعد عصا نے اژدہ لٹے خوشخوار بن کر ساحر بچوں پر حملہ کیا۔ دیکھ کر دونوں  
 بھاگ گئے اللہ ۞

حضرت مولانا صاحب العلوم لکھتے ہیں کہ مولانا نے ان آیات میں سحر و معجزہ  
 کے درمیان فرق بتایا ہے اس طرح کہ سحر ساحر کی غفلت کی حالت میں باقی نہیں رہتا  
 بخلاف معجزہ کے کہ وہ غفلت رسول کی حالت میں بھی باقی رہتا ہے۔ اس کا سبب  
 یہ ہے کہ معجزہ ایک ایسا امر ہے جس کو اللہ تعالیٰ رسول کے ہاتھ پر پیدا کرتا ہے  
 تاکہ اس سے رسول کے دعوے کی صداقت ہو۔ اور خدا کی پیدا کی ہوئی چیز مفتی  
 نہیں ہوتی۔ جب تک کہ ارادہ اعلیٰ اس کو قائم و باقی رکھنا چاہے۔ وہ قائم و  
 باقی رہتی ہے۔ پس رسول کی غفلت اور عدم غفلت کو نفاک امر معجزہ اور عدم نفاک  
 معجزہ میں دخل نہیں ہے۔ اور سحر ایک ایسا امر ہے جو بصیر یا دیگر قوی پر واقع ہوتا  
 ہے۔ اور درحقیقت اس میں کوئی واقعیت نہیں ہوتی۔ مسعود اس کو خلافت  
 مَا هُوَ عَلَيْكَ اَوْ اَكْرَمًا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے قَدْ اَحْبَبْتُ لَكَ  
 وَعَصِيكَ لَكَ لِيَكُنْ مِنْ سِحْرِ هَمَّ اَنْتَ تَسْعَى لِسَاحِرٍ  
 کی رسیاں اور لائٹھیاں دیکھنے والے کے خیال میں دوڑتی دکھائی دیتی ہیں۔  
 یہ سحر قوت بشریہ کے تحت میں نفل ہے۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم  
 وہ ہے جو خاص اسما یعنی منتر وغیرہ پڑھنے سے متعلق ہے۔ جب ساحر منبروں  
 کا تلفظ کرتا ہے۔ تو اس کے ذریعہ بصیر یا دوسری قوتوں پر ایسی چیزیں ظاہر



ہو جاتی ہیں۔ جو نفس الامر میں محسوسات میں موجود نہیں ہیں۔ دیکھئے۔ الا صرف منتر کے زور سے غیر واقعی چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اگر وہ مبصرات سے ہیں یا ان کی آواز سنتا ہے۔ اگر وہ مسموعات سے ہیں۔ یہ ساحروں کا فعل ہے اس قسم میں ساحر خود جانتا ہے کہ حقیقت میں وہ مرئی اور وہ مسموع نہیں ہے۔ مگر ابصار یا اسماع میں ۔

دوسری قسم توجہ اور صرف قوتِ نفسیہ سے متعلق ہے یعنی صرف ساحر کی توجہ اور قوتِ نفسیہ کے صرف کرنے سے بصیر یا دیگر قوی پر صورت وغیرہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس قسم میں کبھی تو ساحر کو خود معلوم ہوتا ہے۔ کہ درحقیقت ان کا وجود نہیں۔ اور کبھی وہ اپنے جمل مرکب سے سمجھتا ہے کہ یہ چیزیں سچ سچ کوئی وجود رکھتی ہیں۔ غرض ان دونوں قسم سحر میں یہ ضرور ہے کہ ساحر سحر کی جانب سے غفلت نہ کرے۔ ورنہ سحر کا اثر جاتا رہیگا۔ اور خود سحر بھی باقی نہیں رہیگا۔ لیکن معجزہ امر فارقِ عادت کو کہتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدعی رسالت کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے۔ تاکہ وہ اُس کے صدق کے لئے آیہ قطعیہ ہو اس میں رسول کے صرف ہمت اور صرف قوتِ نفسیہ وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ یعنی یہ نہیں ہے کہ جب رسول امر فارقِ عادت کے طور کے لئے ہمت یا توجہ کو صرف کرے۔ اُس وقت وہ امر فارقِ عادت ظاہر ہو۔ وہ تو فعلِ الہی ہے۔ رسول کی صرف ہمت اور عدم صرف ہمت کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ معجزہ کا رجوع ایسے امور کی جانب ہے۔ جو خدا کی جانب راجع ہیں۔ حتیٰ کہ رسول کو بھی اس کا علم نہیں ہوتا۔ یہ معجزہ فارقِ عادت ہے کہ طاقتِ بشریہ اُس سے عاجز ہے۔ اگر ہمت سے ہوتا۔ تو طاقتِ بشری اُس سے عاجز نہ ہوتی۔ اور یہ فارقِ عادت واقع میں جملہ اشیائے واقعیہ کی مانند موجود ہے۔ رسول کو کبھی تو اس کا علم ہوتا ہے۔ اور کبھی نہیں ہوتا۔ تمہیں معلوم نہیں کہ جب خدا نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا۔ اے موسیٰ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا میرے ہاتھ میں عصا ہے کہ میں اُس سے کار چوپائے وغیرہ میں نفع اور مدد لیتا ہوں۔ فرمایا۔ ہاتھ سے ڈال دو۔ جب ڈال دیا۔ تو عصا سانپ بن گیا موسیٰ





سے ہوتی ہے۔ اور اُس کی ہمت سے متعلق ہے۔ اور یہ امر جو تصرفِ الٰہی اور اُس کی ہمت سے واقع ہوا۔ یہ بھی نفسِ الامری میں موجود ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی کرامت صرف ہمتِ ولی سے واقع ہو۔ تو اُس میں بھی دلی کا عالم ہوتا اس امر سے ضرور ہے۔ بخلاف معجزہ کے کہ نہ اُس میں نبی کی صرف ہمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور نہ پہلے سے اُس کا علم ہوتا ہے۔ وہ قدرتِ الہیہ میں غل ہے۔ اللہ تعالیٰ جب اور جس وقت چاہتا ہے۔ رسول کے ہاتھ پر کچھ بظاہر کر دیتا ہے۔ اور سحر ساحر کا تصرف ہوتا ہے۔ خواہ وہ تصرف اس کی قوتِ نفسانیہ سے متعلق ہو۔ خواہ منتر وغیرہ کے پڑھنے سے۔ یہ تصرف دیکھنے والوں کے حواس میں ہوتا ہے۔ اور نفسِ الامری میں موجود نہیں ہوتا۔

## ایک اور طریق سے معجزہ اور سحر میں فرق

امرار الشریعۃ النظارہ صفحہ ۶۶ میں ہے۔ ومعرفة المعجزات تعتبر بالامان من بين الاول صلاح الرسول في نفسه وفصله وعلى غيره وعصمة من الكذب والمعاصي والثاني التحدى بالمعجزه وادعاءه ان الخلق على كسر تهم ومعارفهم وعلومهم التي اشتهلوا عليها لن ياتوا بمثل ما هو ياتي به ويوقفت الخلق العجز الضروري عن اتيان بمثل معجزه الرسول فلذا لاك وجوب اتباعهم وحرمات معصيته اور معجزہ کی معرفت دو باتوں پر موقوف و معتبر ہے۔ اول نبی کا فی نفسہ صلاح اور اپنے غیر پر مثال ہونا۔ اور اُس کا معصوم ہونا جھوٹ اور گناہوں سے۔ دوسرے معجزہ کے ساتھ مخالفین کو چیلنج دینا۔ اور یہ دعویٰ کرنا کہ مخلوق باوجود کثرت و سوت معلوم ہے کہ نبی کے معجزہ کے مثل لانے سے عاجز ہے۔ اور کبھی عجز ضروری مخلوق کو نبی کے معجزہ کی مثل لانے سے روک دیتی ہے۔ اسی واسطے نبی کی متابعت واجب ہوئی۔ اور اُس کی نافرمانی حرام۔

اس کے بعد معجزہ اور سحر میں فرق بتاتے ہیں۔ اور اُس کو دو طرح سے



ثابت کرتے ہیں۔ اول یہ کہ جاؤ ہمیشہ بدکار نہ بنے آدمی کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے  
دوسرے یہ کہ سیکھنے اور شوق پیدا کرنے سے جاؤ پر قدرت حاصل ہوتی ہے اور  
وہ حق کے ظہور کے وقت باطل ہو جاتا ہے۔ اور بالکل باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ وہ  
نظر بندی اور تخیل ہے۔ اور خیال حقیقت کے ظاہر ہونے پر ناپید ہو جاتا ہے  
اور کرامت اور سحر کے مابین دو طرح فرق ہے۔ اول یہ کہ کرامت دلی خدا کے ہاتھ  
پر ظاہر ہوتی ہے۔ ثمن خدا کے ہاتھ پر کسی ظاہر نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ دلی  
اس بات کا مقرر اور معترف ہوتا ہے کہ اس کی کرامت اس نبی کی پیروی اور سچی  
مطابقت کی برکت سے ہے جس کا وہ تابع ہے۔ اور جس پر وہ ایمان لایا ہے۔ اور  
جس کی سنت کی وہ پوری اطاعت کرتا ہے۔ اور اگر وہ با استقلال یعنی بلا توسط  
کسی نبی متبوع کے کرامت کا دعویٰ کرے۔ تو اس کی اور اس کی کرامت کی تکذیب  
ہوگی۔ اور اگر اپنے لئے نبوت کا دعوے کرے۔ تو ولی ہونا کجا۔ وہ تو فاسق اور مرتد  
سمجھا جائے گا۔

عورتوں کو متعہ کرنے کی عرصہ کے بیان میں

علمائے اہل سنت و الجماعت کے نزدیک بالاتفاق منکرہ النساء یعنی عورتوں سے  
مدت معین تک ایک مقررہ معاوضہ کے ساتھ فائدہ اٹھانا حرام ہے۔ منکرہ کی تفصیل  
حسب روایت ترمذی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ ہے کہ منکرہ ابتداءً اسلام میں تھا  
جب کوئی شخص کسی ایسے شہر میں قیام کرتا تھا۔ جہاں اُس کا کوئی جان پہچان نہ ہوتا  
تھا۔ تو وہ عورت اُس کی محافظت کرتی۔ اور اُس کے لئے اُس کی چیز طیار کرتی  
تھی۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ اَلَا عَسَىٰ اَنْزِلَ اِیْھَاکُمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ  
ایْمَانُھُمْ اَبْنِ عِبَاسٍ ثَمَّ کَمَا۔ کل من چر سوا ہما حرام یعنی بیویوں و  
لوٹیلیوں کے سوا تمام عورتیں حرام ہیں۔ اس سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے خود منکرہ کو حرام فرمایا۔ بعد اُس کے جو مین دن کی اجازت  
دے دی تھی۔ اور اس تحریم کو مؤید کیا۔ بآلی یَوْمَ الْقِیَمَةِ یعنی آپ نے



فرمایا۔ متعہ قیامت تک حرام ہے۔ اور یہ اجازت تین دن کی او طاس کی لڑائی میں تھی اس کے بعد سے متعہ قیامت تک حرام کیا گیا۔ اور تحریم متعہ کی حدیث بروایت حضرت امیر علیہ السلام اس قدر شہرت و تواتر کو پہنچ گئی ہے کہ حضرت امام حسنؑ کی اولاد اور محمد بن حنفیہ کی اولاد نے روایتیں کی ہیں۔ اور موطا و بخاری و مسلم و غیرہ میں متعدد طریق سے یہ روایات ثابت ہیں۔ وَ قَدْ رَوَى ابُو نَصْرِ بْنِ ابِي الْحَیْم عَنْ عَبْدِ اللَّهِ الصَّادِقِ أَنَّهُ سَمِعَ عَنْ الْمُتَعَةِ هِيَ مِنَ الْأَرْبَعِ قَالَ لَا وَكَأَنَّ السَّبْعِينَ وَتَحْقِيقُ رَوَايَتِ ابِي نَصْرِ بْنِ ابِي الْحَیْمِ۔ حضرت عبداللہ صادقؑ سے کہ پوچھا اُن سے متعہ کے معاملے میں کیا وہ چار میں داخل ہے۔ فرمایا نہیں۔ اور نہ ستر میں داخل ہے۔ یہ روایت صحیح دلالت کرتی ہے کہ عورت متعہ کی زوجہ نہیں ہے۔ ورنہ وہ چار میں محسوب ہوتی۔ اور یہی سبب ہے کہ جو احکام زوجہ کے ہیں۔ اُس میں سب منتفی ہیں۔ جیسے عدت اور طلاق اور ایلا اور ظہار اور احسان حاصل ہونا کسی کی مباشرت سے اور امکان لعان اور ارث خود شیعہ کے نزدیک بھی ۛ

اور خود جناب امیرؑ سے مروی ہے۔ اِنَّهٗ قَالَ اَمْسُ فِي رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِنْ اَنَادَى بِتَحْرِیْمِ الْمُتَعَةِ یعنی جناب علیؑ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا ہے کہ میں متعہ کو حرام کرنے کی منادی کر دوں ۛ

غرض متعہ کے حرام ٹھہرنے کی حدیثیں اہل سنت کی کتابوں میں بڑا ایت صاف و نیز حضرت امیرؑ اس درجہ تواتر و شہرت کو پہنچی ہیں کہ اُن میں شبہ کی مطلق گنجائش نہیں۔ اور نیز شیعہ کی روایت سے بھی متعہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے جیسا اوپر کی حدیث سے معلوم ہوا۔ اسی واسطے شیعان علیؑ میں بعض فرقہ ایسے بھی ہیں۔ جو متعہ کو حرام جانتے ہیں۔ اور اُس کو زنا سمجھتے ہیں۔ مثلاً فرقہ اسماعیلیہ وغیرہ کہ فقیر مت رحم کو خود اُن کے ملاؤں کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ متعہ اُن کے نزدیک حرام ہے۔ ہمارے یہاں صرف اثنا عشریہ کا فرقہ بظاہر ایسا ہے کہ وہ عورتوں سے متعہ کو جائز بلکہ موجب ثواب جانتا ہے۔ اور عوام اہل سنت کو

قریب دینے کے لئے کہتا ہے کہ متعہ کی عورت کے حقوق و شروط بالکل منکوحہ عورت کے سے ہیں۔ صرف اس میں مدت معین کرنے کی قید ہے۔ اور نکاح میں نید نہیں۔ ان کا یہ بیان سراسر غلط ہے۔ منع النساء قرآن شریف کی آیات اور احادیث نبوی سے حرام ثابت ہو چکا ہے۔ متعہ کی عورت کے حقوق وغیرہ بھی منکوحہ عورت کے سے خود مشیدہ کے نزدیک بھی ہرگز نہیں ہیں۔ چنانچہ بیان ہوا۔ اور خود شیعہ بھی اس کو سبب احسان نہیں جانتے۔ اور حدیث نگاری کی متنع غیر منکوحہ پر جاری نہیں کرتے۔ اور نہ اس کو اور اس کی اولاد کو ارث پہنچاتا ہے۔ متعہ سے منکر آپ منی کا بہانا۔ اور برتن بنی کا خالی کرنا غرض ہوتی ہے۔

اب سُنئے کہ باوجود اس قدر دلائل ظاہرہ کے اور باوجود خود ان کے بعض فرقوں کے متعہ کو حرام جاننے کے فرقہ امامیہ کیوں متعہ کو جائز بلکہ موجب ثواب جانتا ہے اس کا سبب فقط جناب فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عنادر کھنا ہے کہ ان کے خیال باطل میں یہ بات سمجھا گئی ہے کہ متعہ کو جناب عمرؓ نے حرام فرمایا ہے۔ ورنہ متعہ شریعت نبوی میں جائز تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ متعہ کی حرمت خود جناب امیرؓ کی روایت سے ثابت ہے۔ اور نیز جناب امیرؓ کی روایت سے ثابت ہے کہ آپؓ نے متعہ کے باب میں حضرت ابن عباسؓ پر رد کیا۔ اور ان کو الزام دیتے ہوئے فرمایا۔ تو دیوانہ آدمی ہے اور خود جناب ابن عباسؓ اس علم کے بعد متعہ کو خوک مُردار اور خون کے کھانے کے برابر سمجھتے تھے کہ یہ جہیزیں و حقیقت حرام ہیں۔ مگر غائر غلطی کی حالت میں ان کا کھانا بجیوری روا ہے۔ یہی حال متعہ کا ہے۔

بات یہ ہے کہ متعہ کو خود جنگ طاؤس کے بعد سے جناب سول خدا نے حرام فرما دیا تھا۔ اور حکم ہو گیا تھا کہ متعہ قیامت تک حرام ہے (بعض شیعوں کا یہ کہنا کہ جنگ خیبر میں متعہ پھر حلال ہو گیا۔ بالکل غلط ہے) مگر بعض لوگوں کو اس کی حرمت معلوم تھی۔ اور بعض کو معلوم نہ تھی۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت تک یہی حال رہا۔ کہ نادقیق لوگ متعہ کرتے رہے۔ آپؓ نے بالکل اس کے انداد کے واسطے فرمایا کہ متعہ حرام ہے قیامت تک۔ اس کے بعد



جو شخص متعہ کر لیا۔ اُس پر حد جاری کی جائیگی ہمیں متعہ کی بحث کو طول دینا منظور نہیں۔ اور نہ یہاں ہماری یہ غرض ہے۔ ہماری غرض یہ ہے کہ شیعہ لوگ اہل سنت کو دھوکا دینے کے لئے بہت کچھ باتیں بناتے رہتے ہیں۔ چنانچہ متعہ کی بابت بھی کہتے ہیں کہ متعہ حلال تھا۔ حضرت عمرؓ نے اُس کو حرام کر دیا ہے۔

ہمارے اس مختصر بیان میں اُن کی غلطی معلوم ہو جائے گی۔ اور اہل سنت سچے ہیں مگر کہ متعہ حرام ہے۔ اور اُس کی حرمت ائمہ اہل بیت سے بھی ثابت ہے۔ شیعہ صرف حضرت عمرؓ کی مخالفت کے سبب اس بے فہم فعل کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اور یہ اُن کا عام رویہ ہے کہ باوجود اس کے کہ اکثر امور اُن کے یہاں بھی بالاتفاق ممنوع ہیں۔ مگر اہل سنت کی مخالفت اُن کے ارتکاب پر اُنہیں مجبور کرتی ہے۔ حسی طرح متعہ آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ سے حرام ہے۔ لیکن صرف حضرت عمرؓ کی مخالفت کے سبب وہ اُس کو حلال اور باعثِ ثواب جانتے ہیں۔ اور مثل اور آیات کے متعہ کی حرمت کی آیات میں بھی ایسی تحریف کرتے ہیں کہ معاذ اللہ، چنانچہ اسی متعہ کے باب میں نمونہ کے طور پر میں ایک قرآنی آیت پیش کرتا ہوں جس میں اُنہوں نے غضب کی تحریف کی ہے۔ وہ یہ ہے۔ فَمَا اسْتَعْتَمِمْ بِهِ مِنْهُنَّ ذَاتُوهُنَّ اجْزِهِنَّ فَرِيضَةً یعنی جو کچھ کام میں لاد۔ اُن عورتوں کے نو دواں کو اجرت اُن کی مقرری۔ اول تو شیعہ اس آیت سے متعہ کی حلت ثابت کرتے ہیں۔ مگر جیٹس میر کا میاب نہیں ہوتے۔ اور جب جواب میں کہا جاتا ہے کہ مراد استمتاع سے فائدہ پانا ہے۔ یعنی صحبت اور دخول بدلیل کلمہ فاکہ واسطے تعقیب کے ہے۔ تو وہ اس آیت کو اس طرح تحریف کرتے ہیں۔ فَمَا اسْتَعْتَمِمْ مِنْهُنَّ اِلَى اجْلِ مَسْحَى ترجمہ میں یہ کہ فائدہ پکڑو تم اُن عورتوں سے مدت مقررہ تک اور کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن عباسؓ اور عبداللہ ابن مسعودؓ نے اوپر والی آیت کو اسی طرح پڑھا ہے شیعہ کا یہ صریح بتناں اور اقترا ہے کسی قرآن میں یہ آیت اس طرح نہیں۔ پس یہ اُن کی فریب ہے اور دھوکا بازی ہے۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْهَا۔



## تقیہ کی بحث

تقیہ کے باب میں مصنف علام نے جو کچھ بیان کیا ہے اگرچہ طالب تحقیق کے لئے وہ کافی و دافی ہے۔ اور منکر کے لئے مسکت تاہم ہم نے مناسب جانا۔ کہ اس موقع پر فریق مخالف کی روایات متبرہ نقل کر کے یہ ثابت کر دیں کہ تقیہ حقیقت اُن کے نزدیک بھی نہایت مذموم اور منافقانہ فعل ہے۔ اور اس سے حضرات ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم تمام و کمال بیزار و متنفر تھے۔ اہل شیعہ جو اُن بزرگوں کی نسبت و اضافت تقیہ اختیار کرنے اور اُس کو اپنے اور اپنے تابعین کے حق میں مفید سمجھنے کی طرف کرنے ہیں حقیقت میں یہ اُن بزرگواروں کے ساتھ انتہا دور کی گستاخی اور اظہار کینگی ہے۔ یہ تو مخالفین کو معلوم ہی ہے کہ اہل ہدایت تقیہ سے بیزار اور اُس کی مذمت کرتے و لے ہیں۔ اور اگر کسی شیعہ نے اُس کی نسبت کسی سنی عالم کی طرف کی ہے۔ تو اُس نے خود اپنا مضحکہ اڑایا ہے۔ اس لئے کوئی عقلمند یہ خیال بھی نہیں کر سکتا کہ جو شخص تقیہ کو برا سمجھنے والوں سے ہو۔ وہ خود اپنی تصنیف میں تقیہ کی مدح کرے۔ اور اُس کو کسی سُنی کے حق میں جائز سمجھے۔ لہذا ہم اقوال اہل تسنن سے جو اس بات میں ارد ہیں قطع نظر کرتے ہیں۔ اور اس طول فضول سے بچکر صرف علمائے شیعہ کی کتابوں سے بالا حقار تقیہ کا مذموم ہونا ثابت کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ شیعہ الہی کسی گمراہ کا ہاتھ پکڑے صراطِ مستقیم اہل حق و یقین پر لا ڈالے۔ وہو الما مل ۛ

## نبج البلاغت سے نقیہ کی تردید

کتاب نبج البلاغت میں حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی نص صریح تقیہ کی مذمت میں موجود ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آپؑ نے فرمایا علیہ السلام لا ایمان ایثارک الصدق حدیث لیضرب علی الکذاب حدیث یتفعل ایمان کی علامت یہ ہے کہ تو سچ بولنے کو مقدم کرے ایسے مقام پر جہاں نیر اضر منصور ہو۔ جھوٹ بولنے پر ایسے مقام میں جہاں تجھ کو فائدہ پہنچنے

کی اُمید ہو۔ یہ نفس صاف ظاہر کرتی ہے کہ تقیہ کرنے والے کا ایمان نہیں۔ ورنہ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ نقصان پہنچنے کے مقام پر بھی تقیہ نہ کرے۔ اور سچ بولے۔

نیز زنجی بیج البلاغت میں حضرت امیرؓ سے ایک روایت لایا ہے جو تقیہ کو بالکل باطل کرتی ہے۔ وہو ہذا، قال امیر المومنین انی والله لو قیتہ واحد وھم طلوع الارض کلھا ما بالیت ولا اسکو حشدت وانی من ضلالتھم التي ھو فیھا والھد علی الذی انا علیہ لعلی بصیرتہ من نفسی و یقین من ربی و انی الی لقاء اللہ وحسن ثوابہ لمنظر سراچہ امیر المومنینؓ نے فرمایا۔ خدا کی قسم اگر میں اکیلے مقابل ہوں۔ اور وہ بڑے زمین بھر کر ہوں تو میں ہرگز پرواہ اور خوف نہ کر دوں گا۔ اور میں بے شک اُن کی گمراہی پر جس پر وہ ہیں۔ اور اپنی ہدایت پر جس پر میں ہوں۔ پورا خبردار ہوں۔ اپنی نفس سے اور یقین سے اپنے پروردگار سے اوپر۔ اور میں بے شک اللہ کی ملاقات اور اُس کے حسن ثواب کا منتظر اور اُمید دار ہوں۔

پس جو شخص تمام روئے زمین کے دشمنوں سے تنہا جنگ کر سکتا ہو اور بالکل نہ ڈرے وہ کیونکر تقیہ کر سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جناب امیرؓ بھی تقیہ کو باطل سمجھتے تھے۔ اور آپؓ نے کبھی اور کسی وقت تقیہ نہیں کیا۔ نہ زمانہ خلافت عظمیٰ ثلاثہ میں۔ اور نہ اُس کے بعد اور نہ کبھی آپؓ کی اولاد و اجداد علیہم السلام نے تقیہ کیا کسی طرح اور بہت سی روایتیں بطلان تقیہ میں جناب امیرؓ سے وارد ہیں۔ جو شیعہ کی متبرک کتابوں مثل بیج البلاغت اور کافی وغیرہ میں منقول ہیں اُن میں سے کچھ روایات بطور نمونہ کتب لمئے اہل اہنت مثل صواعق محرقة اور تحفہ اثنا عشریہ اور آیات یلینات وغیرہم میں اتمام حجت کے طریق پر درج ہیں۔ فلیطلب ثمہ، اور سنئے جناب امیرؓ کے تقیہ کے باب میں بھی اہل تشیع میں باہم اختلاف ہے جمہور شیعہ کہتے ہیں کہ قبل حاکم ہونے کے تقیہ جناب امیرؓ

لے بعض کہتے ہیں تقیہ حاکم سے ہوتا ہے بحکوم اور عامۃ الناس سے نہیں۔



پر واجب تھا۔ اُس کے بعد نہیں۔ اور سید مرتضیٰ کہ جملہ امامیہ سے ہیں۔ وہ قائل ہیں کہ بعد حاکم ہونے کے بھی جناب امیر پر تقیہ واجب لاہم تو ان کی دونوں باتوں کو گورنر شتر سمجھتے ہیں۔ ہمارا ایمان یہ ہے کہ جناب علیؑ نے کبھی تقیہ نہیں کیا۔ اور آپ تقیہ کو نہایت مذہب سمجھتے تھے۔ اُن کی ذات اس سے ارفع تھی کہ دین کے مقدمہ میں ضمیر کے خلاف ظاہر کرتے۔ آپؑ نے بخوشی تمام اصحابِ ثلاثہ کی مخالفت کو تسلیم کیا۔ ہر امر میں اُن کے شریک معاون اور مددگار رہے۔ اگر اُن کی کوئی بات آپ کے خیال و رائے میں خلاف معلوم ہوئی۔ تو آپؑ نے فوراً اُس سے مخالفت کی اور اپنا خلاف ظاہر کر دیا۔ پھر جب ظاہر ہوا کہ آپؑ خلاف حقیقت میں آپؑ کی رائے کی غلطی سے تھا۔ تو اُسی وقت علیؑ رؤس الاشہاد۔ آپؑ نے اُس سے رجوع کیا۔ پھر اگر تقیہ جائز ہوتا۔ تو سب سے زیادہ موقع حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کو تقیہ کرنے کا حاصل تھا۔ کہ آپؑ کے ہمراہ سفر میں صرف ستر بہتر آدمی تھے۔ اور ناموس اہل و عیال کا بھی خیال تھا۔ ادھر بڑی پلید کا لشکر تیس ہزار کی تعداد میں تھا۔ جو آپؑ سے لڑنے کو بھیجا گیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ اتنی افواج کثیرہ کے مقابلہ میں صرف ستر یا بہتر آدمیوں کی کیا لگتی تھی۔ مگر آپؑ نے ایسا نہیں کیا۔ اور جب آپؑ کو معلوم ہو گیا کہ یزید ناسن فاجر مخالف شریعت ہے۔ تو آپؑ بلا دھڑک آمادہ جنگ ہوئے۔ حتیٰ کہ درجہ شہادت پایا۔ اور آپؑ کے ہمراہی بھی شہید ہو گئے۔

یزید صرف آپؑ سے یہی چاہتا تھا کہ آپؑ اُس کی بیعت قبول کر لیں۔ فقط اتنی بات کے ماننے سے آپؑ کی جان و مال کی حفاظت ہوتی تھی۔ چونکہ آپؑ تقیہ کے جائز ہونے کے معتقد نہ تھے۔ لہذا آپؑ نے سرادجر ایزید کی مخالفت کی۔ اور اپنے خویش و اقارب اور جان و مال سب کو راہ حق میں نثار کر دیا۔ فرضی اللہ عنہم وعن احبابہم

## تقیہ کے متعلق ایک واقعہ

فرقہ انجیل کے ایک شیخیؒ سے میری ملاقات تھی۔ اور کبھی کبھی وہ میرے



پاس آتا جاتا تھا۔ ایک دفعہ اثنائے گفتگو میں علمی مذہبی بحث ہو پڑی اس بحث کے شروع ہوتے ہی پہلا جملہ جو اُس کی زبان سے نکلا یہ تھا۔ التَّقِیَّةُ دینی و دین ایاہی یعنی تقیہ کرنا میرا اور میرے بزرگوں کا دین ہے۔ میں نے کہا جب آپ اس بحث میں تقیہ کو استعمال فرمائیں گے یعنی حقیقت الامر کو چھپا کر اپنے ضمیر کے خلاف بانیں کریں گے۔ تو اوّل نوحوت کا خاتمہ مشکل ہے۔ دوسرے فیصلہ میرے حق میں ہوگا۔ اور آپ تقیہ کے طور پر ہی ماراں لیں گے۔ دیکھئے تقیہ کیسی بُری چیز ہے۔ کہ انسان کو اظہار حق سے ساکت و صامت کرتا۔ اور شیروں کو بزدل اور ڈرپوک بناتا۔ اور ہر ایک معرکہ میں ہرا دیتا ہے۔ افسوس کہ آپ ایسے مذموم فعل کو واجب سمجھتے ہیں۔ اور اُس کی نسبت ائمہ کرام خصوصاً جناب امیرِ مومنین و جعفر صادقؑ کی طرف کرتے ہیں۔

شیعی ملا نے جواباً کہا۔ تقیہ تو ہمارے ہاں واجب ہے خواہ وہ ہر اے

یا جنادے۔ ہم اُس کا ثبوت صرف جناب امیرؑ وغیرہ کی قصود سے نہیں کرتے ہیں کیونکہ آپ لوگ انہیں کی کتابوں سے اُس کی تردید کرتے ہیں۔ بلکہ ہم قرآن کی آیت سے تقیہ ثابت کرتے ہیں۔ دیکھو خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اَكْثَرَ مَا كُفِّرْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتَقَا كُفْرًا ہمارے شیعہ علماء نے اس آیت کے معنی کئے ہیں کہ مومنین میں خدا کے نزدیک اُسی کی کرامت اور بزرگی زیادہ ہے۔ جو زیادہ تقیہ کرتا ہے۔ میں نے کہا اگر اُس کے یہی معنی ہوں۔ تو لازم آتا ہے کہ حضرت زکریا حضرت یحییٰ اور حضرت اِمام حسین علیہم السلام جنہوں نے بالاجماع تقیہ نہیں کیا۔ ہرگز خدا کے نزدیک بزرگ اور مکرم نہ ہوں۔ اور جمیع منافقین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ میں تھے۔ خدا کے نزدیک اُن سے زیادہ بزرگ و مکرم ہوں۔ یہ سن کر شیعہ ملا ایسا خاموش ہوا کہ پھر اُسے گفتگو کا یارا نہ رہا۔

غرض تقیہ کے بطلان اور مذہب میں ہزاروں بدیہی دلیلیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ تقیہ بالکل داسیات اور نہا ہی خیز فعل ہے۔ انبیاء اور بزرگانِ خدا نے کبھی تقیہ نہیں کیا۔ اور نہ اُس کو جائز جانا۔ یہ شیعہوں کی من گھڑت باتیں ہیں۔

## ایمان کی حقیقت: اس کے قسام کی بیان

تفسیر عزیزی میں تحت آیہ کہ **يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ** کے مترجم ہے کہ ایمان عرف شرع میں تصدیق کو کہتے ہیں۔ یعنی اُن تمام باتوں کو سچا جاننا جو یقینی طور پر ہم کو دین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہونے کا علم ہے۔ اس واسطے کہ قرآن کریم میں جا بجا آیا ہے کہ ایمان دل کا فعل ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ **وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ** اور **كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ** اور **لَمَّا يَدْخُلُ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ** اور ظاہر ہے کہ دل کا کام سوائے تصدیق کے کچھ نہیں۔ پھر قرآن میں کہیں تو ایمان کو عمل صالح سے مقرون کیا ہے جیسے اس آیت میں۔ **إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ** اور کہیں اُن اعمال سے جو ماضی سے متعلق ہیں۔ چنانچہ ان آیات میں **وَأِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا** اور **وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَمْسَسْهُمْ جُرُؤُا** تو اس سے معلوم ہوا کہ نفس ایمان میں کسی قسم کے عمل کو خواہ وہ نیک ہو یا بد کوئی دخل نہیں۔ اور اگر اقرار ہو۔ تصدیق اُس کے ہمراہ نہ ہو۔ تو قرآن شریف میں ایسے اقرار کی مذمت کی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ **وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ** اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم خدا پر اور روزِ آخرت پر ایمان لائے ہیں۔ اور وہ حقیقت وہ مومن نہیں ہیں۔ (یعنی زبانی اقرار کرتے ہیں۔ ولی تصدیق اُس کے ہمراہ نہیں ہے) تو ثابت ہوا کہ اقرار محض ایک حکایت ہے۔ اس ایمان سے اُس کو تعلق نہیں ہاں اگر اقرار زبانی محکم یعنی تصدیق کے ہمراہ ہو۔ تو قابل پذیرائی ہے۔ ورنہ کفر و حد و زور و فریب ہے۔

## ایمان کے وجود میں قسَم ہیں

### وجود عینی

اور یاد رکھو کہ جس طرح ہر چیز کے لئے تین قسم کے وجود ہوتے ہیں







نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ أَنْ تَنْوِرَ أَنْفُسَهُمْ فِي نُورٍ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ  
 اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَنْتَرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ رُشْنِي أَوْ رُشْنِي كَيْ  
 هَدَايَتِ كَرْتَا هَيْ اَللّٰهُ اِيْنِي نُوْرِكِي جِس كُو چا هْتا هِي۔ اور بيان كرتا هِي۔ مثالوں  
 كو ۞

## وجود ذہنی اور اُس کے دو مرتبہ

اور ایمان کا وجود ذہنی دو مرتبے رکھتا ہے۔ اول یہ کہ معارف متجلیہ  
 اور غیوب منکشفہ کا کلی طور پر ملاحظہ اجمالی ہونا۔ چنانچہ مفاد کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ کا یہی ہے۔ اس ملاحظہ کا نام تصدیق اجمالی  
 ہے۔ دوسرے یہ کہ افراد غیوب متجلیہ اور معارف و حقائق منکشفہ کے ہر فرد  
 کا تفصیلی ملاحظہ حاصل ہو۔ معہ اُس کے تمام روابط متعلقہ کے اس کا نام تصدیق  
 تفصیلی ہے ۞

## وجود لفظی

رہا وجود لفظی ایمان کا تو اُس کو اصطلاح شائع میں شہادۂ دین کہتے  
 ہیں۔ اور یہ امر پوشیدہ نہیں کہ کسی چیز کا وجود لفظی بدون تحقیق اُس کی حقیقت  
 کے کچھ فائدہ بخش نہیں ہوتا۔ ورنہ پانی کا نام لینا پیاسے کو سیراب اور روٹی کا  
 نام لینا بھوکے کو شکم سیر کر دیتا ہے۔ لیکن ایمان میں وجود لفظی یعنی شہادۂ دین کا  
 اس سبب سے رتبہ عظیم اور مدخل جیم ہے کہ اظہار مافی الضمیر یعنی تصدیق قلبی کے  
 ظاہر کرنے کی بدولت اُس کے کوئی صورت عالم بشریت میں امکان نہیں رکھتی۔  
 یہی باعث ہے کہ تلفظ کلمہ شہادت سے بظاہر آدمی کے ایمان پر حکم لگایا  
 جاتا ہے۔ چنانچہ حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے اَمْسِكْ اَنْ  
 اَقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی يَقُوْلُوْا اِلَـٰهَ اِلَـٰهَ اللّٰهُ فَاِذَا قَالُوْهُمَا عَصِمُوْا  
 مِنْ دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحَسَابِهَا عَلَی اللّٰهِ

مجھے علم ہوا ہے کہ لوگوں میں قتال برپا رکھوں۔ یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں۔ پس جب وہ کلمہ مذکورہ پڑھ لیں۔ تو بچالیں مجھ سے جانوں اور مالوں کو ساتھ حق اُس کے اور حساب اُن کا اوپر اللہ کے ہے۔ جل جلالہ ۛ

## ایمان میں زیادت اور نقصان

اس تحقیق سے یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ ایمان کے زیادت و نقصان کے کیا معنی ہیں۔ اور یہ کہ ثبوت و ضعف ایمانی کس کو کہتے ہیں۔ اور نیز واضح ہو گیا۔ کہ حدیث میں جو وارد ہے۔ لایس فی الزانی حین یزنی و هو مؤمن۔ اور الحیاء من الایمان اور ولا یومن احدکم حتی یامن حیا سرا۔ یہاں تک کہ یہ اور اس قسم کی تمام حدیثیں کمال ایمان پر محمول ہیں۔ اپنے وجود عینی میں جو لوگ زیادت و نقصان کی نفی کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک مراد ایمان سے وجود عینی ایمان کا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ فور ہے۔ اور اُس میں ضعف و قوت اور کمال و نقصان متصور و متحقق ہے۔ بلکہ مراد اُن کی وجود ذہنی کا مرتبہ خستہ یعنی یعنی لاحظہ اجمالی غیوب متجلیہ اور معارف منکشفہ کا۔ اور ظاہر ہے کہ اس تصدیق اجمالی میں زیادت و نقصان نہیں۔ کیونکہ نفس تصدیق میں زیادت و نقصان غیر ممکن ہے۔ اس سلسلہ میں کوئی نزاع اور خلاف مابین فریقین کے نہیں رہتا ۛ

## ایمان کے قسام متعدد

اور ایمان کی دو قسمیں ہیں۔ تقلیدی، اور تحقیقی، پھر تحقیقی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ استدلالی و کشفی۔ پھر ان میں سے ہر ایک قسم منقسم بہ دو قسم ہے۔ ایک وہ جو انجام رکھتا یعنی اپنی حد سے تجاوز نہیں کر سکتا ہے۔ دوسرے وہ جو انجام

لے شدا کوئی شخص کسی کو مار ڈالے یا زنا کرے بحکم شرع اُس پر قصاص اور حد وارد ہوگی۔ یا اگر کسی کا مال لے لیا۔ دوا یا جانیکا۔ اور حساب ان کا اللہ پر یعنی ہم حکم ظاہر اسلام پر کریں گے اگر دل میں کفر وغیرہ کھتا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں سچے لیگا ۛ مظاہر حق صدف ۛ



نہیں رکھتا۔ اول کو علم یقین کہتے ہیں۔ اور دوسرا دو قسم ہے۔ ایک وہ جو شاہدہ سے متعلق ہے۔ اُس کو عین یقین کہتے ہیں۔ دوسرا جو شہود ذاتی سے متعلق رکھتا ہے۔ اُس کو حق یقین کہتے ہیں۔ لیکن دو قسم اخیر یعنی عینی اور حقی ایمان بالغیب میں داخل نہیں ہیں۔

## ایمان بالغیب

اور جاننا چاہئے کہ ایمان بالغیب ہی مقبول پسندیدہ و کار آمد ہوتا ہے۔ اور جمہور ذی عقل اسی ایمان کے ساتھ مکلف ہیں۔ اور خدا نے متقین کی پہلی صفت یہی بیان فرمائی ہے کہ یومنون بالغیب یعنی متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ اور غیب اُس چیز کو کہتے ہیں جس کی دریافت اور ادراک حقیقت سے ہر اس ظاہرہ و باطنہ دونوں عاجز ہوں۔ جیسے ذات و صفات پروردگار عالم اور حقیقت فرشتگان و روزِ آخرت اور نیز وہ چیزیں جو قیامت اور اُس کے بعد ہونے والی ہیں۔ مثل حشر اجساد۔ وزن اعمال۔ مرد و صراطِ ماجنت و دوزخ وغیرہ اور قرآن مجید صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایمان بالغیب کو دوسرے معنوں پر عمل فرمایا ہے۔

## ایمان بالغیب کی فضیلت پر ایک قصہ صحیحہ

حضرت عبداللہ ابن مسعود سے بروایت احمد اور بروایت حاکم اور دیگر محدثین کے نایت ہے کہ حارث ابن قیس نے ایک روز اُن کو کہا کہ میں لخص ان باتوں کا جو ہم سے فوت ہوئیں۔ اور تم کو حاصل ہوئیں۔ بہت افسوس اور حسرت ہے۔ اے یار ابن محمد! تم آنحضرت کے دیدارِ فرحت آثار سے مشرف ہوئے۔ اور ہمیں یہ شرف نصیب نہیں ہوا۔ عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا۔ ہم بھی اُس چیز پر حسرت افسوس کرتے ہیں۔ جو ہم سے فوت ہوئیں۔ اور تم کو حاصل ہو گئیں۔ وہ یہ کہ تم نادیدہ آنحضرتؐ پر ایمان لائے۔ بخدا کہ نبوت آنحضرتؐ کی اُس شخص کے نزدیک جس نے آپؐ کو دیکھ دیا۔ آفتاب سے ظاہر تر ہے۔ ایمان



حقیقت میں تمہارا ایمان ہے۔ پھر انہوں نے سورہ بقرہ کو مفلحان تک تلامذت فرمایا۔ اور یہ مضمون یہ تلامذت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس طرح ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ مجھ سے بیان کرو کہ کن لوگوں کا ایمان افضل ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ فرشتوں کا ایمان۔ آپؐ نے فرمایا فرشتوں کے ایمان کو کون چیز مانع ہے۔ (وہ خدا تعالیٰ کا مرتبہ پورے طور پر جانتے ہیں) اور تم فرشتوں کے مرتبہ کو جانتے ہو کہ خدا کے نزدیک ان کا کیا مرتبہ ہے۔ پھر عرض کیا۔ اے حضور پیغمبروں کا ایمان افضل ہے۔ فرمایا کہ پیغمبروں کے ایمان میں کیا عجب ہے خدا نے تو ان کو تو اپنی رسالت و نبوت سے ممتاز بھی کیا۔ ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ ان بزرگوں کا ایمان افضل ہے۔ جو انبیاء کی خدمت میں حاضر رہ کر اپنی جان کو دین پر نثار کرتے رہے۔ حتیٰ کہ فائز یہ مرتبہ شہادت ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اس میں بھی کوئی عجب نہیں وہ انبیاء کی صحبت سے مشرف تھے۔ اور اس طرح انہوں نے انبیاء کے اوصاع و اطوار کو دیکھ کر پورا یقین حاصل کر لیا۔ پھر صحابہؓ عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپؐ ہی فرماتے کہ کن لوگوں کا ایمان زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ان لوگوں کا ایمان جو ابھی باپوں کی صلب میں ہیں۔ اور میرے بعد پیدا ہوں گے۔ اور مجھ پر ایمان لائیں گے۔ حالانکہ انہوں نے مجھ کو نہیں دیکھا ہے۔ صرف چند سیاہ کردہ اوراق ان کو نظر پڑ گئے۔ پس یہ سبب ثبوت ایمان کے انہوں نے اُس نوشتہ پر عمل کیا۔ اُس گروہ کا ایمان افضل ہے دوسروں سے۔

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگیختگی

### پانی نکلتا

اسی قصہ کو طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس طرح روایت کیا ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں صبح کو

اٹھے۔ اور فرمایا۔ پانی ہے۔ تاکہ وضو کروں۔ لوگوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جگہ پانی نہیں ہے۔ فرمایا کسی کے پاس پینے کا پانی بھی ہے۔ لوگوں نے ایک آنچورہ پانی سے بھرا ہوا لاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اُس آنچورہ میں انگلیاں ڈالیں۔ اور حضرت بلالؓ کو فرمایا کہ شکر میں ندا کر دو کہ لوگ اگر وضو کریں۔ اوگ آتے تھے۔ اور حضورؐ کی انگلیوں کے درمیان سے وضو کرتے تھے۔ پانی آپ کی انگلیوں سے قوارہ کی مانند جوش مارتا تھا۔ ابن مسعودؓ اُن لوگوں میں اُس پانی کے پینے میں مشغول تھے۔ اور بار بار پیتے تھے۔

جب تمام لشکر وضو سے فارغ ہو گیا۔ آنحضرتؐ اٹھے۔ اور صبح کی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ اے لوگو! بندگانِ خدا میں کون سا ایسا فرقہ ہے جس کا ایمان فضیلت و عروج کی رکھتا ہے۔ عرض کیا۔ فرشتوں کا ایمان، فرمایا۔ وہ تو امر و نہی خدا کا پہنچاتے ہیں۔ وہ خود کیوں نہیں ایمان لائیں گے پس اُن کے ایمان میں کیا عجب ہے۔ عرض کیا پیغمبروں کا ایمان۔ فرمایا۔ کہ پیغمبروں پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے۔ وہ کیونکر ایمان نہ لائیں گے۔ عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کے یاروں۔ یعنی صحابہؓ کا ایمان۔ فرمایا۔ میرے یار کیوں نہیں ایمان لائیں گے۔ میں تو خود اُن کے ہمراہ موجود ہوں۔ اور وہ ہر لحظہ و ہر لمحہ مجھ سے جو کچھ دیکھتے ہیں۔ دیکھتے ہیں۔ پھر فرمایا۔ اُن لوگوں کا ایمان عروج و فضیلت رکھتا ہے کہ جو میرے بعد آئیں گے۔ اور نادیدہ مجھ پر ایمان لائیں گے۔ اور میری تصدیق کریں گے۔ وہی لوگ میرے بھائی ہیں اور تم میرے یار ہو۔

داؤد طبلسی نافع سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا۔ اور کہا۔ یا ابا عبد الرحمن تم نے اپنی آنکھوں سے حضورؐ اور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیدار مبارک دیکھا ہے۔ جواب دیا۔ ہاں اُس نے کہا۔ تم اپنی اس زبان سے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہم کلام بھی ہوئے ہو۔ جواب دیا۔ ہاں۔ پھر کہا۔ تم نے اپنے ہاتھوں سے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم



سے بیعت بھی کی ہے۔ جواب دیا۔ ہاں۔ یہ سن کر اُس شخص پر وجد کا عالم ہو گیا۔ اور کہا۔ آپ بڑے خوش نصیب ہیں۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ میں تم سے ایک بات کہتا ہوں۔ وہ یہ کہ میں سنا کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے تھے۔ وہ شخص خیرِ حال ہے جو مجھے دیکھ کر ایمان لایا۔ اور خوش حال ہے پھر خوش حال ہے۔ پھر خوش حال ہے وہ شخص کہ نادیدہ مجھ پر ایمان لایا۔ اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ایک جماعت میری اُمت سے میرے بعد پیدا ہوگی۔ کہ میری محبت میں اس قدر فریفتہ ہوگی کہ اگر ممکن ہو تو میرے دیدار کو مال و مہیاں اور اہل گھر خرید لیں۔ غرض ایمان بالغیب کا خواہ کسی قسم کا ہو۔ بڑا مرتبہ و فضیلت ہے۔ اور علمائے اُمت کا قول ہے کہ ایمان ہی مقبول ہے جوین دیکھے۔ اور بندہ کے اختیار اور قصد سے ہو۔ اور اس لئے ہو کہ اس کے بعد بندہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مستقیم رہیگا۔ اور طاعات الہی پورے طور پر سچا لائے گا۔

## ایمان باس مقبول نہیں

عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے۔ وَ اِيْمَانُ الْبَاسِ غَيْرُ مَقْبُوْلٍ یعنی اُس وقت کا ایمان لانا غیر مقبول ہوگا جب سکرانِ موت میں مبتلا۔ اور احوالِ آخرت کا معائنہ کرنا ہو۔ کیونکہ لغت میں باس کے معنی شدت و مذاکے ہیں۔ اور احادیث سے ثابت ہے کہ بندہ موت کے وقت اپنا مقام دیکھ لیتا ہے کہ اُس کی جگہ بہشت ہے یا دوزخ۔ اس حالت میں ایمان لانا غیر معتبر ہے کہ یہ ایمان بغیب اور باختیار نہیں ہے۔ بلکہ ایمان اضطراری ہے۔ چنانچہ قیامت میں تمام کفار پکار اٹھیں گے۔ سَرَّيْنَا اَبْصَرْنَا وَ سَمِعْنَا فَارْجِعْنَا لِنَعْمَلَ صَالِحًا اَنَا مَوْقِنُونَ اَللّٰی هُمْ اَرٰی اَسْتَكْبِیْهِمْ بَنِي اٰدَمَ اَوْ كَانُ شَتَوًا اَوْ كُنْتُ ابْهَمَ فَمَنْ لَمْ يَقْنِیْ جَانَ لَمَّا كُنْتُ تَمِیْرًا مَحْتَرَمًا یَغْمِیْرُوْنَ فَمَنْ لَمْ یَتَّیْرَ طَرَفًا مِّنْهُ فَمَنْ لَمْ یَتَّیْرَ طَرَفًا مِّنْهُ فَمَنْ لَمْ یَتَّیْرَ طَرَفًا مِّنْهُ فَمَنْ لَمْ یَتَّیْرَ طَرَفًا مِّنْهُ



میں پھر بھی دے کہ ہم اعمال صالحہ کریں۔ بے شک ہم یقین لانے والے ہیں۔

اُس وقت کفار کا یہ استدراوا عتراف مفید نہ ہوگا۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ ان الله يقبل توبته العبد ما لم يغسر عن يمينه شك الله تعالى بنده کی توبہ کو قبول کرتا ہے۔ جب تک اُس پر صحت موت اور شدتِ سکرات طاری نہ ہو،

اور قرآن حکیم میں ہے فَلَاحِ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْاْ يَاسِنًا نَّهِيں فائدہ دینا اُن کو اُن کا ایمان جب تک کہ اُنہوں نے ہمارے عذاب کو۔ اس آیت میں مراد رویتِ باس سے علاماتِ قیامت کا ملاحظہ کرنا ہے۔ جیسے طلوعِ شمس از جانب مغرب اور بیان اُس کا تفصیل عقائد توحیدی میں گذرا ہے۔ دیکھو صف۔

لیکن ذیل کی آیت صریح اس امر پر دال ہے کہ اختصار یعنی حضور موت کے وقت ایمان غیر مقبول ہے۔ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَاتِ حَتّٰى اِذَا احْضَرَ اَحَدَهُمْ الْمَوْتُ مَّا لَ اِنِّ تَدِيْتُ اَلَا اَنْ نَّهِيں ہے توبہ اُن لوگوں کے لئے جو گناہ کرتے رہے۔ حتیٰ کہ اُن میں سے کسی ایک کے پاس موت آکھڑی ہوئی۔ تو دُکھرا کہ کہنے لگا بے شک میں اب توبہ کرتا ہوں۔ غرض حالتِ باس میں ایمان لانا۔ اور گناہوں سے توبہ کرنا غیر مقبول ہے۔ اور اسی طرح حالتِ غرغزہ میں۔ یہی ہے مذہبِ تمام فقہاء اور اشاعرہ اور ماتریدیہ کا۔ بعض کہتے ہیں کہ ایمان باس مقبول ہے۔ لیکن اُنکا قول معتبر نہیں۔

## ایمانِ فرعون غیر مقبول ہے

اسی بنا پر تمام علمائے امت کا اتفاق ہے کہ ایمانِ فرعون کا غیر مقبول ہے۔ کیونکہ حیات سے نا اُمید ہونے اور وقت اور اک غرق۔ اور رویتِ عذابِ دباس کے اضطراب و وقوع میں آیا۔ لہذا جا بجا قرآن حکیم میں فرعون کی مذمت

کی گئی ہے۔ اور یہ کہ اُس کے واسطے دنیا و آخرت میں سخت عذابِ خواری ہے۔

ایک جگہ فرمایا: **وَاتَّخَذْنَا هُمُ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً** وَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوحِينَ یعنی ہم نے اس دنیا میں فرعون اور اُس کے لشکر پر لعنت کی۔ اور قیامت کے دن وہ مذمت کے ہوؤں میں سے ہے۔

اور فرمایا: **فَاتَّخَذَ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَى** یعنی اُس کو دنیا و آخرت میں خوار کیا۔

پس ان آیات اور ان کے سوا دوسری متعدد آیات سے ثابت ہے کہ فرعون بے ایمان مرا۔ اور حضورِ نبوت کے وقت اُس کا ایمان لانا کوئی مفید نہیں ہوا۔ اور اگر جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے ایمان فرعون مقبول ہوتا اور وہ دنیا سے ظاہر و مظهر جاتا۔ تو قرآن شریف میں متعدد جگہ اُس کی مذمت کیوں کی جاتی۔ غرض ایمان باس اور ایمان فرعون کا غیر مقبول ہونا اور فرعون اور اُس کے اعوان و جند کا حالتِ کفر میں مرنا آیات و احادیث اور اجماع صحابہ و تابعین و مجتہدین سے ثابت ہے۔

اس باب میں کسی مخالف کا قول خواہ وہ کسی پایہ کا ہو۔ قابلِ اعتبار نہیں۔ وہ خلاف جو ایمان فرعون کے باب میں شیخ محی الدین ابن عربی سے قصصِ احکم میں منقول ہے۔ تو اُس کی تردید علما سے ثابت اور ایمان فرعون کے باب میں اُن کا قول غیر مقبول ہے۔ اُن کی یہ خطائے اجتہادی ہے جس سے سوائے انبیاء کے کوئی معصوم نہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھو تکمیل الایمان از صفحہ ۲ تا صفحہ ۳۳۔

الحمد للہ العلیوم نے شرح تفسیر مولانا زہد میں باتبارع قدوسہ عقائد شیخ ابن عربی ایمان فرعون پر بڑی ذہر و دست بحث کی ہے۔ اور مخالفین کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مولانا عبدالحق فرماتے ہیں کہ فرعون کا کفر پر مرنا اجماع سے ثابت ہے۔ لیکن اثباتِ اجماع خیلے دشوار است۔



## اُن مسائل کے بیان میں جن سے فرقہ اہل سنت والجماعت کی فرقائے باطلہ سے تمیز ہوتی ہے

اس فائدہ کے تحت میں ہم عمدۃ الفسفی سے وہ مسائل نقل کرتے ہیں جن سے اہل سنت والجماعت کی دوسرے فرقوں سے تمیز ہوتی ہے ان میں بعض مسائل اصول علم کلام یعنی مباحث ذات و صفات و افعال و معاد و نبوت و امامت سے متعلق نہیں ہیں تاہم بہ متبع و تقلید علامہ عمر اشقی اور نیز برائے تمیز و تفریق و شناخت فرقہ حقہ اہل سنت والجماعت کے اُن کا بیان کرنا ضرور ہے۔ اُمید ہے کہ نیک دل اصحاب اس بیان سے مستفید ہونگے۔ اُن میں سے جن مسائل کو صاحب کتاب عقائد توریشی نے تحریر فرما دیا ہے۔ اُن کو ہم باختصار لکھ دیں گے۔ اور مزید تحقیق کے لئے کتاب کا حوالہ دے دیں گے۔ لیکن جو مسائل نقل و بیان سے رہ گئے ہیں۔ اُن پر تفصیلی بحث کریں گے۔ تاکہ فائدہ تام ہو۔ مگر اطمینان ہے کہ یہ تفصیل بقدر ضرورت ہوگی اور موضوع کتاب سے خارج نہ ہوگی۔ **وَاللّٰهُ التَّوَفِیْقُ۔**

## فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے

وَتَجُوزُ مِنَ الصَّلَاةِ خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاحٍ اور وہ ہے نماز پڑھنا پیچھے ہزنی کا کار اور بدکار کے اگرچہ بدکار و فاسق اور اہل بدعت کی اقتداء شرعاً مکروہ ہے۔ اور اسی سبب سے علمائے سلف ذی اُن کی اقتداء سے ممانعت کی ہے۔ لیکن اصل مسئلہ نزدیک اہل سنت والجماعت کے یہ ہے کہ فاسق و بدعت کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ اگر اُس کی بدعت اور بدکاری منجر کفر نہ ہو۔ فرقہ معتزلہ اگرچہ فاسق کو غیر مومن کہتا ہے۔ لیکن فسق کی اقتداء اُن کے نزدیک بھی جائز ہے۔ اور روافض فاسق کی امامت ناجائز سمجھتے ہیں۔ وہ اس امامت صغریٰ کے لئے بھی مثل امامت کبریٰ



جس عصمت کی قید لگاتے ہیں ان کا یہ قول فاسد اور جہالت پر مبنی ہے  
چنانچہ ہم عصمت کی تعریف میں کتب بدلائل بیان کر چکے ہیں۔ دیکھو عقائد توریتی

منتفی کے پیچھے نماز پڑھنے کی فضیلت

ادبِ نبوتِ صمیم میں ہے۔ صَلُّوْا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَّفَا جِرْنَاز  
پڑھو پیچھے ہر نیک کار۔ اور بدکار کے متقی کی اقتدار کرنے کی۔۔۔۔۔  
فضیلت بہت بڑی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی پرہیزگار  
کے پیچھے نماز پڑھتا ہے۔ اُس کو کسی پیغمبر کے پیچھے نماز پڑھنے کا ثواب  
ملتا ہے۔ اور جو شخص کسی فقیہ متقی کے پیچھے نماز پڑھتا ہے۔ اُس کو اتنا ثواب  
ملتا ہے۔ گویا اُس نے آنحضرت علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھی۔

کن لوگوں کی افتدانا جائز ہے۔

اور بعض کتب میں ہے کہ دس قسم کے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا  
 روا نہیں ہے۔ مرد کا عورت اور کودک یعنی نابالغ لڑکے کے پیچھے نماز کا  
 پڑھنا۔ اور جائزہ دار کا بے جامہ۔۔۔۔۔ کے پیچھے۔ اور غیر متعذر کا معذور  
 کے پیچھے۔ اور عالم کا اُمی کے پیچھے۔ اور راکع و ساجد کا اشارہ سے نماز  
 پڑھنے والے کے پیچھے۔ اور گنہگار کا گونگے کے پیچھے۔ اور ایسے شخص کی اقتدا  
 بھی روا نہیں ہے۔ جو ادائے حروف پر قادر نہ ہو۔ یا قادر تو ہو۔ مگر غیر صحیح  
 پڑھتا ہو۔ اور مفید المستفید میں ہے کہ پندرہ شخصوں کی امامت مکروہ ہے  
 مبذہ۔ عمدہ۔ مکاتب۔ اعرابی۔ فاسق۔ حرام زادہ۔ دیوانہ۔ معنی۔ نابینا۔  
 دائمی بے خرد۔ ماسک یعنی جو پیشاب یا بخانہ کی حاجت کو باوجود غلبہ کے  
 روک کر نماز پڑھتا ہے۔ شرابی۔ شطرنج باز۔ چوس باز۔ اور امرد۔

## امام میں دس صفتوں کا ہونا ضروری ہے

فقیر ابو الیث تبینہ میں لکھتے ہیں کہ امام میں دس صفتوں کا ہونا ضروری ہے تاکہ اُس کی اور اُس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی نماز درست اور کامل ہو۔ اول قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھے آواز بنا کر نہ پڑھے۔ دوسرے تکبیرات کو پوئے آواز سے ادا کرے۔ تاکہ مقتدی صاف طور پر سن لیں تیسرے رکوع و سجدہ کو اطمینان سے ادا کرے۔ چوتھے اپنے کو حرام مشیت سے نگاہ رکھے پانچویں اپنے بدن اور جامہ کو نجاست خبیثہ اور غلیظہ سے نگاہ رکھے چھٹے قرأت دراز نہ پڑھے۔ مگر اُس وقت کہ قوم کی خواہش ہو اور وہ راضی ہو۔ ساتویں مجب و تکبر نہ کرے۔ آٹھویں نماز سے باہر نہ ہو جب تک خونین کے لئے طلب آمرزش نہ کرے۔ نویں نماز کے بعد کی دُعا میں اپنی ذات کو مخصوص نہ کرے بلکہ سب کے واسطے دُعا مانگے۔ دسویں جب کوئی مسافر یا مسکین اُس کی مسجد میں پہنچے تو اُس سے کوئی چیز طلب نہ کرے۔ اس کے سوا امام کے لئے اہمیت سے خصائص مطولات میں منقول ہیں۔ وہاں تلاش کرنا چاہئے۔

وَتَجُوزُ الصَّلَاةُ عَلَى كُلِّ بَرٍّ وَفَاحٍ اور وہاں ہے نماز پڑھنا اور ہر نیک کار و بدکار کے جب اُس کی موت ایمان پر ہوتی ہو۔ اسی پر اجماع ہے۔ اور اسی کا مؤید قول آنحضرت کا ہے۔ لَا تَدْعُوا الصَّلَاةَ عَلَى مَنْ مَاتَ مِنْ أَهْلِ الْقَبْلَةِ یعنی اہل قبلہ سے جو کوئی بھی مرے اُس کی نماز جنازہ پڑھو۔ اور ترک نہ کرو۔ وَتَكُفُّ عَنْ ذِكْرِ الْقَحَّابَةِ الْإِسْخَیْیِیِّ اور ہم رُودہ اہل السنۃ و الجماعت تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر نیکی کے ساتھ کرتے ہیں۔ اس واسطے کہ نصیص قرآنی بالعموم جملہ صحابہ کرام کی ثنا و صفت میں نازل ہوئی ہیں۔ اور نیز احادیث صحیحہ اُن کی صفت میں اور اُن کی بدگوئی سے باز رہنے کے وجوب میں بہ کثرت وارد ہیں۔ ایک حدیث میں ہے خَيْرُ الْقُرُونِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلَوْهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلَوْهُمْ بَسْرَاءُ مِیْرے صحابہ کے پھر تابعین کا۔ پھر تبع تابعین کا۔ اور فرمایا لَا تَسْبُوا أَصْحَابِي قُلُوا إِنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ



أَحَدٍ وَهَبًا مَا يَكُنْ مِنْهُمْ وَلَا نَصِيفَةً بَدَلُونِي كَرِيمٌ صَحَابِي  
 پس اگر تم خدا کی راہ میں اُحد پار کے برابر بھی سونا خرچ کر ڈالو۔ جب بھی میرے  
 کسی ایک صحابی کے ایک میا نصف کے برابر بھی نہ پہنچو گے۔ اور فرمایا۔ اَلْكَرْمُ مَوَا  
 اَصْحَابِي فَإِنَّهُمْ خِيَارُ كَرْمٍ مِيرے بعد صحابہ کا اکرام کرو۔ کیونکہ وہ تمہارے خیار  
 ہیں۔ اور فرمایا۔ اَللَّهُ اَمَّنُهُ فِي أَصْحَابِي لَا تَخْذَنَ وَهُمْ عَنْ مَكَانٍ بَعْدِي  
 مَنْ أَحْبَبَهُمْ خَيْرٌ أَحَبَّهُمْ وَمَنْ يَكْصِبْهُمْ فَبَعْضِي أَيْسَرُ لَهُمْ  
 وَمَنْ إِذَا هُمْ فَقَدْ أَذَانِي وَمَنْ إِذَا نِي فَقَدْ أَذَى اللَّهِ وَمَنْ أَذَى  
 اللَّهُ تَعَالَى فَيُؤْ شَرُّكَ اَنَا يَا خُذْهُمْ مِيرے صحابہ کے باب میں  
 خدا سے ڈرو۔ میرے بعد اُن کو اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے عرض نہ بناؤ  
 پس جو شخص اُن کو محبت کرتا ہے۔ وہ میری محبت سے اُن کو دوست رکھتا ہے  
 اور جو شخص اُن سے بغض رکھتا ہے۔ تو میری دشمنی سے اُن کو دشمن رکھتا ہے۔  
 یعنی اُن کی محبت میری محبت ہے۔ اور اُن سے بغض رکھنا مجھ سے بغض رکھنا  
 ہے۔ اور جو شخص صحابہ کو اذیت دیتا ہے وہ مجھے اذیت دیتا ہے۔ اور جو  
 مجھے اذیت دیتا ہے وہ خدا کو اذیت دیتا ہے۔ اور جو خداوند تعالیٰ کو اذیت دیتا  
 ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس کو عنقریب پکڑ لے گا۔

## تمام صحابہ عدول ہیں

اسی بنا پر تمام علما کا مذہب ہے کہ جملہ صحابہ کرام قبل فتنہ علی عثمان  
 سے اور نیز اُس کے بعد عدول ہیں۔ ان میں سے کسی کی بدگونی نہ کرنی چاہئے۔  
 اس کا مؤید قول اس حضرتؓ کا ہے۔ اَصْحَابِي كَالْجَمْعِ يَأْتِيهِمْ اِثْتَدَّ يَنْتَمِ  
 اِهْتَدَى يَنْتَمِ میرے صحابہ تناروں کی مثل ہیں جس کے پیچھے چلو گے۔ رستہ پر  
 پہنچ جاؤ گے۔ رواہ الدارمی اور ابن دقیق العید اپنے عقیدہ میں کہتے ہیں۔ کہ  
 صحابہ کرام میں باہم جو تنازعات واقع ہوئے ہیں۔ اور اُن میں بکثرت اختلاف  
 بیانات و روایات پایا جاتا ہے۔ تو یاد رکھو۔ کہ اُس بیان میں باطل و کذب بہت  
 ہے۔ پس اُن کی جانب التفات نہ کرو۔ اور ان منازعات میں درایت کو ذریعہ



جناہت و نبوت کو پہنچا ہو اُس کی بھی ایسی برائی نہ آدیل کرو۔ چونکہ اور اُن بزرگوں کے مراتب عالیہ کے موافق ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں تمام صحابہؓ کی وقوع تنازع سے پہلے ہی بلع فرمائی ہے۔ تو اُس کے بعد کا کلام اکثر روافض کا تراشا ہوا ہے وہ مشکوک موہوم اور محتمل تاویلات کا ہے۔ لہذا مشکوک موہوم حق اور راست کو نہیں جھٹلا سکتا۔ اور امام شافعی فرماتے ہیں **هَذَا إِذْ مَا طَهَّرَ اللَّهُ** **أَكْبَرُ نَبَا عَنْهَا فَلَا نُبُوْتَ أَكْبَرُ نَبَا عَنْهَا** یعنی خدا نے ان حواریوں سے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا ہے۔ تو ہم اُن کی (صحابہ کی) بدگوئی سے اپنی زبانوں کو بلوٹ واؤدہ نہ کریں گے۔ حضرت امام احمدؒ سے کسی نے جناب علیؓ کو عائشہؓ کی مشاہرات کی بابت استفسار کیا۔ تو آپؐ نے فرمایا **بَلَدَكَ أُمَّتُهُ قَدْ خَلَّتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ** **وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَنْهَا** کاؤا یعنی وہ ایک گروہ تھا کہ اُن کا کسب اُن کے ساتھ کیا۔ اور تمہارا کسب تمہارے لئے ہے۔ تم اُن کے کسب سے سوال نہیں کئے جاؤ گے۔ حضرت امام عظیمؒ فرماتے ہیں۔ **لَوْلَا عَلِيٌّ لَمْ يُخْرِتِ السِّيَرَةُ فِي الْخَوَارِجِ** یعنی اگر جناب علیؓ نہ ہوتے تو فرقہ خوارج کی تفسیر سے آگاہی نہ ہوتی۔ دو فرقہ ہیں۔ جو صحابہ کی بدگوئی سے اپنے لئے عذاب آخرت جمع کرتے ہیں۔ ایک روافض جو اصحابِ ثلاثہ اور مخالفین علیؓ کو برا کہتے ہیں۔ دوسرے خوارج جو جناب علیؓ کی اور اُن کے دوستوں کی بدگوئی کرتے ہیں عقلاً و نقلاً دونوں ہی ایک نیا نیا خیث فعل کے مرتکب ہیں۔ لیکن فرقہ اہل لہنت و اجماعت کا مسلک یہ ہے کہ وہ تمام صحابہؓ کو بلا استثناء عدول یقین کرتے ہیں۔ اور اُن میں سے بعض صحابہؓ کے باہم جو تنازعات مروی ہیں۔ اُن کو اُن کی اجتہادی غلطی پر محمول کرتے ہیں۔ فساد و اصرار کی وجہ سے گمان نہیں کرتے۔ غرض سب کے ساتھ حسن ظن کرتے ہیں۔ موافق نصوص قرآنیہ و احادیث صحیحہ کے۔ اس صورت میں خود ظاہر ہے کہ صحابہؓ کو برا کہنا اور اُن پر طعن کرنا اگر مخالف دلائل قطعیہ کے ہو تو کفر ہے۔ جیسا **قَذَفَ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا**۔ ورنہ اُس کے باعث اور فسق ہونے میں تو کلام ہی نہیں۔ حامل کلام یہ ہے کہ سلف مجتہدین اور علمائے صالحین سے معاویہؓ اور اُن کے احزاب پر لعن کرنا غیر منقول ہے۔

## بزرید اور اہل قبلہ پر لعنت کی تحقیق

ادب بزرید پر لعنت کرنے میں علما کا اختلاف ہے خلاصہ میں ہے کہ بزرید اور حجاج پر لعنت کرنا ہمیں نہ بیان نہیں کیونکہ آنحضرتؐ نے نمازیوں اور اہل قبلہ پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بزرید پر لعنت کرنے کے جواز کے باب میں سوال کرے کہ اس پر لعنت جائز ہے یا نہیں کیونکہ وہ قاتل حسین علیہ السلام ہے۔ یا کم از کم اس نے حسینؑ کے قتل کا حکم کیا ہے۔ تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں۔ یہ مطلق ثابت نہیں کہ اس نے حسینؑ کا قتل کیا۔ یا ان کے قتل کا حکم دیا۔ اور اس طرح کہنا بھی جائز نہیں۔ پھر لعنت کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے بذات تحقیق کے تو مسلمان کو کبیرہ گناہ کی طرف منسوب کرنا بھی درست نہیں ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابن مجہم نے علیؑ کو قتل کیا یا ابولولو، نے عمرؓ کو قتل کیا۔ کیونکہ یہ واقعات بتواتر اخبارات ثابت ہیں۔

الفصل لوگوں پر لعنت کرنے میں خطرہ ہے اور سکوت میں کوئی خطرہ نہیں۔ اگر وہ سکوت لعن ابلیس سے کیوں نہ ہو۔ اگر کہا جائے کہ بعض اہل قبلہ پر لعنت کرنا خود آنحضرتؐ سے منقول ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ آنحضرتؐ احوال خلق سے پورے واقف تھے۔ کوئی دوسرا آپؐ جیسا واقف نہیں ہو سکتا۔ سعد الدین تغتا زانی شرح عقائد میں لکھتے ہیں کہ بزرید پر لعنت کرنے میں علما کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض تو لعنت کو جائز نہیں کہتے۔ اور بعض اس خیال سے جائز کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک بزرید نے حسینؑ کے قتل کا حکم کیا۔ اور وہ آپؐ کے قتل سے راضی و مستحیر ہوا۔ لیکن قاتل یا آمر اور مجیر قتل حسینؑ پر لعنت کرنے سے کسی کو انکار نہیں۔ پھر لکھا ہے۔ اگر جیسا کہ ہمیں روایات متواتر بالمعنی سے ثابت ہوا۔ بزرید نے قتل حسینؑ کا حکم کیا ہے۔ یا اس پر راضی ہوا یا اجازت دی ہے تو ہم اس صورت میں کبھی سکوت نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہمیں اس کے موافق ہونے سے بھی انکار ہے۔ خدا اس پر اور اس کے انصار و اعوان پر لعنت کرے۔



عشره مطهره

وَنَشْهَدُ بِالْجَنَّةِ لِلْعَشْرَةِ الَّذِينَ بَشَّرَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأُورِثَهُمُوهَا هِيَ دِيْتَةٌ هِيَ أَنْ دَسْ أَدَمِيَّوْنَ كَيْ جَنَّتِي هُوْنَ كِي جَنِّ كِي بَايْتِ  
آنحضرتؐ نے جنتی ہونے کی بشارت دی۔ چنانچہ فرمایا۔ ابوبکرؓ فی الجنة و  
عمرؓ فی الجنة و عثمانؓ فی الجنة و طلحةؓ فی الجنة و زبیرؓ فی الجنة و عبد  
الرحمنؓ فی الجنة و سعدؓ ابن ابی وقاصؓ فی الجنة و سعیدؓ ابن زیدؓ فی الجنة  
و ابو عبیدہؓ بن الجراحؓ فی الجنة اور اسی طرح حضرت فاطمہؓ اور حسینؓ و حسنؓ کے  
جنتی ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ کیونکہ حدیث صحیح میں وارد ہے ان فاطمہؓ  
سیدۃ النساء اهل الجنة والحسن والحسين سيدا شباب اهل الجنة  
یعنی بیشک فاطمہؓ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔ اور حسنؓ و حسینؓ جو انان جنت کے  
سردار ہیں۔ اور ہم تمام صحابہ کا ذکر خیر سے کرتے ہیں۔ اور ان میں سے کسی ایک کو  
معین کر کے جنتی یا دوزخی نہیں کہہ سکتے۔ ہاں خدا سے امید ہے کہ صحابہ کرام کے  
مراتب غیر صحابہؓ سے ضرور برتر اور بالاتر ہوں گے۔ بلکہ اس بات کی علی العموم گواہی  
دیتے ہیں کہ مومنین جنتی ہیں۔ اور کفار دوزخی کسی شاعر نے عشرہ مبشرہ کے ہجائے  
گرامی کو نظم کیا ہے جو بغرض یادداشت یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

آنکه بشارت از بهشت آمدشان  
پس سعد و سعید و سراسر عالمه و زبیر

موزوں پر مسح کرنا

دوسری المسیح علی الخفین فی السفر والمحصرا اور بہارا اعتقاد ہے کہ دونوں موزوں پر مسیح کرنا سفر میں درست درواہے۔ اگرچہ یہ امر کتاب الہی پر زیادہ ہے۔ لیکن خبر مشہور ہے۔ اسی واسطے امام کبھی فرماتے ہیں کہ جو شخص موزوں پر مسیح کرنے کو روانہ نہیں رکھتا۔ اس پر کفر کا خوف ہے۔ یعنی قریب یہ کفر ہو جاتا ہے۔ مسیح علی الخفین کے باب میں کسی نے جناب علیؑ سے سوال کیا



تو آپ فرمایا کہ آنحضرتؐ تین رات دن تک مسافر کو موزوں پر مسح کرنے کا حکم فرمایا۔ اور ایک شب بانہ روز تک مقیم کو بشرطیکہ موزوں کو عمارت کا ل پر پٹنا ہو۔ اسی طرح حضرت ابو بکرؓ سے مروی ہے کہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔ میں نے ستر صحابہ کو پایا۔ جو موزوں پر مسح کرنے کو جائز کہتے ہیں۔ بعض علمائے راویان احادیث مسح علی الخفین کے اسمائے گرامی کو جمع بھی کیا ہے۔ چنانچہ شرح العقائد پر حضرت مولانا ساجد العلومؒ کی کتاب ارکان اربع سے ایک بسیط حاشیہ صفحہ ۱۸ پر لکھا ہے جس میں ان صحابہ کرامؓ کے نام یا تفصیل درج ہیں جن سے موزوں پر مسح کرنے کی حدیث منقول ہے۔ غرض اس باب میں ایسے آثار آئے ہیں جو چیز تو اتر میں اہل ہیں کسی نے حضرت انس بن مالکؓ سے سوال کیا کہ اہل السنۃ والجماعت کی علامت کیا ہے۔ آپؓ فرمایا تھب الشیخین ولا تطعن فی الختین و تسم علی الخفین یعنی حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کو دوست رکھنا۔ اور حضرت علیؓ و حضرت عثمانؓ کے باب میں طعن نہ کرنا۔ اور موزوں پر مسح کرنا۔ یہ تین علامتیں اہل السنۃ والجماعت کی ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ مسح علی الخفین کا منکر اہل السنۃ سے خارج ہے۔ ولا یحرم تبیذ التمر اور ہم حرام نہیں جانتے ہیں شیرہ خرماکو۔ تا وقتیکہ وہ حد شک کو نہ پہنچا ہو۔ اور اگر حد شک کو پہنچ گیا ہو۔ تو اس کے حرام ہونے میں کسی کو تامل نہیں۔

## دلیلی کے درجہ کو نہیں پہنچتا

درجۃ الاولیاء اور دلیلی کے درجہ کو نہیں پہنچتا ہے اس لئے کہ انبیاء معصوم ہیں اور خوفِ حاکم سے ایمن وحی الہی اور مشاہدہ ملائک سے مشرف اور تبلیغ احکام الہی پر مامور اور یہ خصوصیات کسی لی کو کسی حالت میں میسر نہیں ہو سکتے پس دلی کیونکہ انبیاء کا درجہ پاسکتا ہے۔ بعض کرامہ کا یہ کہنا کہ نبی دلی کے درجہ کو پہنچ سکتا ہے کفر ہے۔

ہاں اس میں علما کا اختلاف ہے کہ مرتبہ ولایت افضل ہے یا مرتبہ نبوت۔ پھر بعد تحقیق دلائل فریقین کے تمام علما اس پر متفق ہو گئے ہیں کہ نبی کو مرتبہ کو دلی ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ اور مرتبہ نبوت حقیقت میں ولایت سے افضل ہے۔

والحیصل العبد الیٰ خیر یسقط عنه الامرو الذی مادام عاقبتہ  
بالغاً۔ اور انسان جیت تک عاقل بالغ ہے۔ اُس سے خدا کے امر نہ اسی ساقط نہیں  
ہوتے۔ جب تک وہ عاقل اور بالغ ہے۔ کیونکہ تکالیف شرعی میں بلا استثنا کسی  
ایک کے سب کی جانب بالعدم خطا ہے۔ اور اسی پر مجتہدین کا اجماع ہے۔ لیکن اہل  
اجت کا قول ہے کہ بندہ جب غایت درجہ عبادت و مجاہدہ کر کے عقل کے قلمب  
حاصل کر لیتا ہے۔ تو عبادتِ ظاہری اُس سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ اُس وقت اُس کی  
عبادت صرف تفکر و مراقبہ تک محدود ہوتی ہے۔ یہ قول محض کفر و ضلال ہے اس  
واسطے کہ دنیا کے پردہ میں بنی نوع انسان میں کامل تر آنحضرت علیہ السلام کی ذات  
پاک تھی۔ باوجود اس کے آپؐ کے تکالیف ساقط نہیں ہوئیں۔ لیکن یہ جو حدیث میں  
وارد ہے۔ اذا احب اللہ عبداً لا یضربہ ذنب جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو  
دوست رکھتا ہے تو اُس کو کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچاتا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ  
خدا اُس بندہ کو گناہ سے نگاہ و محفوظ رکھتا ہے۔ اُس کو گناہ کرنے ہی نہیں دیتا۔  
جس سے اُس کو نقصان پہنچے۔ والنصوص تحمل علی ظواہرہا اور نصوص یعنی  
آیات و احادیث ممول ہیں اپنے ظاہر پر جب تک ظاہر سے اُن کی تاویل پر کوئی دلیل  
قطعی نہ ہو۔ والعدول عنہا الیٰ معانید عیہا اہل الباطن الحاد اور پھر تا  
ظاہر آیات و احادیث سے اُن معنوں کی طرف کہ دعویٰ کرتے ہیں ان معنوں کا  
اہل باطن اتحاد ہے اور متصل یہ کفر ہے باطنیہ۔ ایک فرقہ ہے جو کہتا ہے کہ آیات احادیث  
عمول پر ظاہر نہیں ہیں۔ بلکہ اُن کے باطنی معنی ہیں جن کو خدا۔ رسول اور ولی ہی  
سمجھ سکتا ہے۔ ایسی باتیں کرنے سے اُن کا یہ قصد ہے کہ شریعت نبویؐ کی کلی  
نفی کر دیں۔ اور کوئی شخص عبادتِ شرعی کا پابند نہ رہے۔ ورد النصوص کفر  
اور رد و انکار کرنا اُن احکام کا جن کے متعلق صریح آیات و احادیث وارد ہیں  
اور قطعی دلائل سے ثابت ہیں۔ کفر ہے۔ جیسے انکار حشر اجداد اور وزن اعمال  
اور صراط وغیرہ کا کیونکہ اس سے تکذیبِ خدا و رسول کی ثابت ہوتی ہے۔ اسی  
طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی تمت لگانا کفر ہے۔ کیونکہ آپ  
کی عصمت صریح آیات و احادیث اور دلائل قطعی سے ثابت ہے واستلزام



المعصیۃ صغیرہ کا نکتہ او کیبتہ کفر اور حلال جاننا گناہ کو خواہ وہ گناہ  
 صغیرہ ہو یا کبیرہ کفر ہے۔ بشرطیکہ اُس کا گناہ ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہو یا ہو  
 والا ستہانتہ بہا کفر اور گناہ کو ہلکا جاننا کفر ہے۔ والا ستہانتہ علی  
 اللہ یعبر کفر اور شریعت پر ہنسنا کفر ہے۔ اور نیز حلال اتفاق کو حرام جاننا  
 اور حرام اتفاق کو حلال جاننا کفر ہے۔ امام سرخسی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی  
 حائضہ عورت سے وطی کرنے کو حلال جانے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اور امام محمد  
 نوادریں لکھتے ہیں کہ کافر نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی اپنی عورت سے لواطت کرنے  
 کو حلال جانے تو بعض کے نزدیک کافر ہوتا ہے۔ اسی طرح اسمائے الہی اور  
 اوامر خداوندی کے ساتھ ہزل کرنا کفر ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کلمہ کفر کہے۔  
 اور دوسرا ربیل رضا خدہ کرے۔ تو دونوں کافر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص عظیم  
 کی طرح منبر پر چڑھے۔ اور ایک جماعت اُس کے گرد اگر دبٹھکر مزاح کے طور پر  
 اُس سے مختلف مسائل پوچھے۔ اور اُس کی ہنسی اڑا دے۔ تو سب کافر ہو جاتے  
 ہیں۔

تحفۃ المسائل میں ہے کہ اگر کوئی شخص امانت کے طور پر عالم کی نقش گو  
 گفتگو کے توکا فر ہو جاتا ہے اسی طرح اگر کسی عالم کی طرف تیز نظر سے دیکھے۔  
 توکا فر ہو جاتا ہے۔ تنادئی سراجی میں ہے کہ اگر خطیب خطبہ پڑھنے کے وقت  
 کسی ایسے بادشاہ کو جو ظالم ہو۔ عادل کہے۔ توکا فر ہو جاتا ہے۔ امام منصور ماتریدی  
 فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تاجہ بادیہ بادشاہوں کو عادل کہے توکا فر ہو جاتا ہے۔ قتیبہ  
 امام زہد میں ہے کہ حیلہ شرعی کا منکر کافر ہے۔ اگر کوئی کسی کو کفر کا حکم کہے یا اُس کا  
 عازم ہو۔ یا کسی عورت کو فتویٰ دے کہ کافر ہو نا شوہر سے جدا ہوئے یا شراب  
 پینے اور بیابج کھانے کے وقت بسم اللہ کہے۔ توکا فر ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی قصداً  
 غیر قبلہ کی طرف یا بے ظہارت نماز پڑھے توکا فر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کلمہ کفر  
 کو خقیف جانا کفر ہے۔ اگرچہ اُس پر اعتقاد نہ ہو۔ الیٰ فی ذالک من  
 الفروع عات۔



ایک عاجو ہر قسم کے کف سے پاک کرتی ہے

چونکہ کلمات کفر کا احصاء ممکن نہیں۔ اور اگرچہ بعض علما مثل ملا علی قاری اور مولانا فتح محمد برہان پوری اور مولانا قطب الدین رحمہم اللہ نے اپنی معتبر کتب میں بقدر امکان ان کا احصاء کیا ہے۔ تاہم وہ کلمات کفر کا شمار و احصاء نہیں کر سکے۔ اس واسطے ہم تمام تمام کفر سے پاک ہونے کے لئے یہاں ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔ جو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی۔ حضور نے فرمایا کہ ہر روز صبح کے وقت اور شام کے وقت ایک ایک مرتبہ ان کلمات کو پڑھ لیا کرو۔ اللّٰهُمَّ رَاقِيَ اَعْوَدُ بِكَ مِنْ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا وَّ اَنَا اَعْلَمُ وَّ اسْتَغْفِرُكَ مِمَّا لَا اَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلَمُ الْعَلِيُّوْبُ یعنی اے اللہ میرے میں تحقیق تیرے ساتھ پناہ مانگتا ہوں اس امر سے کہ میں تیرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک کر دوں۔ اور میں اُس کو جانتا ہوں۔ اور میں تجھ سے اے اللہ مغفرت چاہتا ہوں اُس چیز سے کہ میں اُس کو نہیں جانتا۔ یہ شک کو بُھٹ جانے والا عذاب کی باتوں کا ہے۔ جب کوئی مسلمان ان کلمات کو پڑھ لیگا (نو اگرچہ اُس سے کلمہ کفر سرزد ہوا ہوتا ہم) وہ از سر نو مسلمان ہو جائیگا۔ اور چاہے کہ بندہ جتنی مرتبہ کلمہ شہادت پڑھے تو یہ نیت کرے کہ اگر مجھ سے دانستہ کوئی کفر ظہور میں آیا ہو۔ تو میں کلمہ پڑھتا ہوں۔ تاکہ از سر نو مسلمان ہو جاؤں۔ والیاس من اللہ تعالیٰ کفر اور نا امید ہونا حق سبحانہ تعالیٰ سے کفر ہے کہ قرآن میں وارد ہے لَا يَآيِسُ مِنَ رَّحْمَةِ اللّٰهِ الْاَلْقَوْمُ الْكَافِرُونَ نا امید نہیں ہوتے رحمت الہی سے مگر کافروں کی قوم والا من اللہ تعالیٰ کفر اور اہل ایمان ہونا اللہ تعالیٰ سے کفر ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا۔ لَا يَآمُنُ مَنْ مَكَرَ اللّٰهَ الْاَلْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ اہل ایمان نہیں ہوتے اللہ کے عذاب سے مگر خسارہ پانے والے یعنی کافر لوگ کہ ان کو عاقبت میں سوائے خسارہ کے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔

## عدم تکفیر اہل قبلہ کے معنی

اگر کہا جائے کہ تم یا اس اور امن وغیرہما کو کفر کہتے ہو۔ حالانکہ اہل قبلہ کو کافر نہ چاہئے کہ ان کی تکفیر خود کفر ہے۔ جواب یہ ہے کہ کفر سے ہماری مراد یہاں کفر حقیقی نہیں ہے۔ بلکہ مجازاً اُن لوگوں پر کفر کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ اُن سے وہ چیز صا در ہوتی ہے۔ جو کفر پر دلالت کرتی ہے۔ اور کفر حقیقی کہتے ہیں۔ انکار قلبی کو۔ جو تصدیق کے مقابل ہے۔ اور عدم تکفیر اہل قبلہ کے یہ معنی ہیں کہ جب تک کسی اہل قبلہ سے ایسی بات سرزد نہ ہو۔ جو کفر حقیقی پر دلالت کرتی ہے یا جو موجب کفر ہے۔ مثلاً انکار حشرِ اجساد وغیرہ تب تک اُس کی تکفیر نہیں کرنی چاہئے غرض جو شخص ضروریاتِ دین کا منکر ہو۔ اگرچہ وہ اہل قبلہ سے ہو۔ اُس کی تکفیر اہل لہذت والجماعت کے نزدیک واجب ہے۔ ورنہ نہیں۔ اور مراد اہل قبلہ سے وہ لوگ ہیں جو ضروریاتِ دین مثل حدودِ عالم حشرِ اجساد اور خدا تعالیٰ کے عالمِ کلیات و جزئیات ہونے پر متفق ہیں۔ پھر اگر کوئی شخص تمام عمر مشغول بہ طاعاتِ الہی رہے۔ مگر قیامِ عالم اور عدم حشرِ اجساد وغیرہ کا قائل ہو۔ تو وہ ہرگز اہل قبلہ سے نہیں ہو سکتا اس کلیہ کے موافق ہر ایک فرقہ اور شخص کی حالت کو دیکھ لینا چاہئے۔ اس کے بعد اُس کی تکفیر پر حکم لگانا چاہئے +

## کاہن کو سچا جاننا کفر ہے

والتصدیق کاہن یما یخبر عن الغیب کفر اور کاہن کو سچا جاننا غیب کی خبر دینے میں کفر ہے۔ اس واسطے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ من اتی کاہنا فصدقہ بما یقول فقد کفر بما انزل اللہ علی محمد یعنی جو شخص کاہن کے پاس آیا اور اُس نے اُس کے کہنے کو سچا جاننا تو تحقیق اُس نے کفر کیا۔ اُن احکام کا جو خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کئے ہیں۔ اور کاہن اُس شخص کو کہتے ہیں۔ جو آئندہ زمانے کے حالات کے علم کا دعوے کرے۔ اور معرفتِ اسرار اور مطالعہ علمِ غیب کا مدعی ہو۔ عرب میں مختلف قسم



کے کاہن تھے۔ بعض تو یہ دعویٰ کرتے کہ جن اُن کو غیب کی خبریں آکر دیتے ہیں اور بعض کہتے تھے کہ ہم اپنی خدا داد قہم سے امورِ آئندہ کی معرفت کر لیتے ہیں۔ اور علمِ نجوم جلنے والا جیہ دعویٰ کرے امورِ آئندہ کی معرفت کا تو وہ مثل کاہن کے ہے۔ اور یہی حال ہے ہر ایسے شخص کا جو علمِ غیب کا مدعی ہو یا بت یہ ہے کہ علمِ غیب ایک ایسا امر ہے جو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہے کسی بشر کو اُس پر اطلاع نہیں ہو سکتی۔ اور انبیاء و جو امورِ غیبیہ سے واقف تھے۔ وہ اس طرح تھا کہ خدا تعالیٰ وحی اور الہام کے ذریعہ اُن امورات پر اُن کو مطلع فرما دیتا۔ اور پھر وہ بشرطِ اجازت مخلوق پر اُن امورات کو ظاہر کرتے۔ اسی طرح اولیا۔ اور خاصانِ خدا بعض غیبی باتوں پر بالعلامِ خدائے عزوجل اطلاع رکھتے ہیں۔

## مردہ کو ثواب پہنچتا ہے

والمعدوم لم یس لیثیج اور اہلِ لہنت و الجماعت کے نزدیک معدوم کوئی چیز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ شے کو وجود و ثبوت کے معنی میں اطلاق کرتے ہیں اور معدوم کے معنی منفی و غیر موجود کرتے ہیں۔ اولفی و اثبات میں تضاد ہے۔ و فی دعاء الاحیاء للمیت و صدقاتہم عنہم نفع لہم اور زندوں کے دعا کرنے میں میت اور مردوں کے لئے اور اُن کے صدقہ دینے میں میت کی طرف سے نفع ہے۔ واسطے میت کے یعنی اگر زندہ میت کے لئے دعا کرے یا اُس کی طرف سے کوئی صدقہ کرے تو اُس دعا و صدقہ سے نزدیک اہلِ لہنت و الجماعت کے میت کو نفع پہنچتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ نمازِ جنازہ میں میت کے واسطے دعا واقع ہوئی ہے۔ اور حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس میت پر سو اور ایک حدیث میں آیا ہے۔ چالیس مسلمان نمازِ جماعت ادا کرتے اور اُس کے لئے مغفرت کی دعا مانگتے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ اُس کی دعا و ثقتاً کو میت کے حق میں قبول فرماتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ دعا بلا کو رفع کرتی ہے۔ اور صدقہ خدا کے غضب کو بھٹاتا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ

العالم والمتعلم اذا مر علی قریۃ فان اللہ تعالیٰ یرفع



العذاب عن مقبرة تلك القرية اربعين يَوْمًا یعنی عالم اور متعلم جب کسی گاؤں پر گزرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے قبرستان سے عذاب اٹھالیتا ہے چالیس دن تک اور اس باب میں آیات و احادیث بہت ہیں۔  
یہاں اُن ربّی نقل کرنا ضروری نہیں ہے۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰی یَجِیْبُ الدَّعَوَاتِ وَیَقْضِی الْحَاجَاتِ اور اللہ تعالیٰ دعاؤں کو قبول کرتا۔ اور حاجتوں کو بر لاتا ہے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا  
اَدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ دَعْوَتِیْ کہ میں تمہاری دعا کو قبول کروں۔ اور رسول علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ بندہ کی دعا کو قبول کرتا ہے۔ جب تک کہ کسی گناہ یا قطع رحم کے لئے دعا نہ کرے۔ اور چاہئے کہ دعائیں جلدی نہ کرے کہ یہ بات اجابت سے محرومی کا باعث ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اے مومنو! تمہارا پروردگار باحیا اور باکرم ہے۔ اُس کو اپنے کرم سے شرم آتی ہے کہ بندہ اُس سے دعا کرے۔ اور خدا اُس کو بدوں قبول کے پٹلائے۔ اور دعائیں اصل باتِ نجاتِ حضورِ قلب ہے۔ اس واسطے کہ بے حضور دل کی دعا مقرون باجابت نہیں ہوتی۔  
بعض علماء کہتے ہیں کہ کفار کی دعا بھی مقبول ہوتی ہے۔ بدلیل اس آیت کے رب انظر فی الی یوم یدعشون اس آیت سے ثابت ہے کہ خدا نے ابلیس کی دعا کو قبول فرمایا۔ اور اُسے قیامت تک مدتِ عطا فرمائی لیکن جمہور اس کے خلاف ہیں۔ بدلیل اس آیت کے وَمَا دَعَا الْكَافِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ وَّ اَوْحٰشٍ اور حدیث میں جمایا ہے دعا المظلوم مستجابہ۔ ان کا کافر یعنی مظلوم کی دعا مقبول ہے۔ اگرچہ وہ کافر ہو۔ تو مراد کافر سے یہاں کفرانِ نعمت کرنے والا ہے نہ وہ کافر جو عند مومن کی ہے۔

وَمَا اَخْبَرَ النَّبِیَّ صَلٰی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَمُ مِنَ الشَّلٰطِ السَّاعَةِ مِنْ خُرُوجِ الدِّجَالِ وَدَابَّةِ الْاَرْضِ وَیَا جُوجُ وَیَا جُوجُ وَ تَزْوِلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ مِنَ السَّمٰوِیِّ وَ تَطْلُو عِ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِہَا فَهُوَ حَقٌّ اور آنحضرتؐ نے قیامت کی علامتوں کے ظہور کی بابت جو خبر دی ہے

جیسے دجال کا خروج کرنا اور دابۃ الارض کا اور یا جوج و ماجوج کا نکلنا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا۔ اور مغرب سے شمس کا نکلنا یہ سب حق ہے تفصیل کے لئے دیکھو عقائد توراتی صفحہ  
والمجتهد قد یخطئ وقد یرصیب اور مجتہد کی رائے  
مسائل فرعیۃ مشرعیہ میں کبھی خطا کرتی ہے۔ اور کبھی صواب اور مجتہد کو  
خطا پر بھی اجر ہے ۛ

اس مسئلہ میں علمائے امت یعنی بعض اشاعرہ اور معتزلہ کا اختلاف  
ہے۔ مگر ہم خیال اختصار اُس کے ذکر کو قلم انداز کرتے ہیں۔ اور مجتہد کے  
اجتہاد کے غلطی اور مصیب ہونے کے باب میں جو احادیث و آثار وارد ہیں  
صرف انہیں کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت نے فرمایا۔ ان اصبت  
فلله عشر حسنات وان اخطات فله حسنة واحدة یعنی اگر  
تو نے اپنے اجتہاد میں پوری کامیابی موافق کتاب و سنت و اجماع امت کے  
حاصل کی۔ تو تیرے لئے دس نیکیاں ہیں۔ اور اگر تو نے سو گناہ تقاضا کئے  
بشریت خطا کی تو تیرے لئے ایک نیکی ہے۔ دوسری حدیث میں ہے جَعَلَ  
للمصیب اجرین وللخطی اجر واحد اجتہاد میں مصیب کے لئے دو اجر  
ہیں۔ اور خطا کرنے والوں کے لئے ایک اجر ہے۔ اور ابن مسعودؓ سے ہے کہ  
ان اصبت فمن الله ذلّة فمئی ومن الشیطان یعنی اجتہاد میں میرا  
مصیب ہونا خدا کی جانب سے ہے اور میرا غلطی ہونا خود میرے سہو اور  
شیطان سے ہے ۛ

ان احادیث منقولہ سے ظاہر ہے کہ مجتہد اجتہاد میں کبھی صواب  
پر ہوتا ہے۔ اور کبھی غلطی پر۔ لیکن چونکہ اُس سے عداً اور دانستہ غلطی  
سرزد نہیں ہوتی۔ اور اُس کی تمام ہمت و فہم صواب کی تلاش میں مصروف  
و متنبہ ہوتی ہے۔ اس لئے اُس کو غلطی پر بھی اجر ملتا ہے۔ لهذا  
ما امرت ان یختصر فی المطالب وان شئت تفصیلاً فعلیہ  
بالمطوّل ۛ



ورسل المبشر افضل من رسل الملأئكة و  
 رسل الملأئكة افضل من عامة البشر و  
 افضل من عامة الملأئكة یعنی بشر کے رسول ملائکہ کے  
 رسولوں سے افضل ہیں۔ اور ملائکہ کے رسول عام انسانوں سے افضل  
 ہیں۔ اور عام انسان عام فرشتوں سے افضل ہیں۔ یہ بیان اجماعی  
 ہے۔ اور دلائل اس کے کتاب عقائد توحیدی میں مرقوم ہیں۔ صنف  
 ملاحظہ فرمادیں۔

## تمہد بالخیر

## إطلاع عم

حاکم مصنف کتاب ہانے اس کتاب کے تمام حق حقوق بموجب  
 ایک نمبر ۱۱۱ کے رو سے بغرض طبع ملک چین الدین  
 خلف الرشید ملک فضل الدین سکے زنی۔ تاجر کتب قزوچی  
 ملک الدہلے کی قزوچی دکان، بازار کشمیری لاہور  
 کو ہمیشہ کے لئے دے دی ہے۔ لہذا کوئی صاحب بغیر اجازت  
 ملک صاحب موصوف قصد طبع نہ فرمادیں۔ اس لئے یہ چند  
 سطور بطور اطلاع عام لکھ دیں ہیں۔ فقط

المستہر

احقر محمد خاں ام پوری



## رکن الدین

یہ سالہ مسائل فقہ میں بھی نہایت جامع بڑے دلچسپ پیرایہ میں بطور سوال جواب تصنیف ہوا ہے۔ یہ سالہ اس قدر مقبول خلافت ہوا ہے کہ اس کی تعریف فضول ہے بغیر اشتہار کے ہی اس کی اس قدر بکری ہے کہ دکان میں کتاب آتے ہی فروخت ہو جاتی ہے۔ خدا نے عجیب قبولیت عطا فرمائی ہے مصنف حضرت مولانا مولوی حاجی شاکر محمد رکن الدین صاحب نقشبندی مجددی الوری۔ آج تک اردو زبان میں مسائل فقہ کا ایسا جامع اور دلچسپ رسالہ تصنیف نہیں ہوا ہے قابل دید اعلیٰ اور خوشخط کتاب ہے۔ قیمت صرف .. .. ۱۲

## اردو ترجمہ کتاب اربعین فی اصول الدین

از تصنیف لطیف ابو حامد حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کتاب جو لیحاظ اپنے اعلیٰ مضامین کے نہایت نادر اور پیشکش ہے عربی سے اردو زبان میں با محاورہ ترجمہ کر کے طبع کی گئی ہے۔ اس میں امام صاحب نے انسان کو حصول اللہ کے طریق بتائے ہیں۔ اور دیا چہ میں اس کی مفصل تشریح کر دی ہے۔ نیز آپ نے بالفاظ صریح اعلان کیا ہے کہ دنیا دار اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔ صرف ذات الہی کا طالب فائدہ اٹھائیگا۔ نہایت خوشخط چھپ کر تیار ہو گئی ہے۔ قیمت .. .. ۱۲

## اردو ترجمہ کتاب جہاں القرآن

یہ کتاب اربعین کا دوسرا حصہ ہے تصنیف حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ۔ اس میں کتاب میں امام صاحب نے قرآن کریم سے جو آیات چُن چُن کر لکھی ہیں۔ اُن کی نسبت فرمایا ہے۔ کہ جو ہر بے با ہیں۔ مسلمان اس کے مطالعہ اور ورد سے مستفیض ہو سکتے ہیں۔ اور جو شخص اربعین فی اصول الدین کا مطالعہ کرے۔ اس کے لئے اس کا پڑھنا نہایت ضروری ہے۔ درحقیقت امام صاحب نے جس خوش اسلوبی سے انتخاب جواہرات کیا ہے۔ وہ نہایت بے مثل طریقہ ہے۔ اہل ذوق و شوق دونوں کو خرید کر حزر جاں بنائیں۔ نہایت خوش فہم اعلیٰ درجہ کے کاغذ پر چھپ کر تیار ہے۔ قیمت صرف .. .. ۱۲

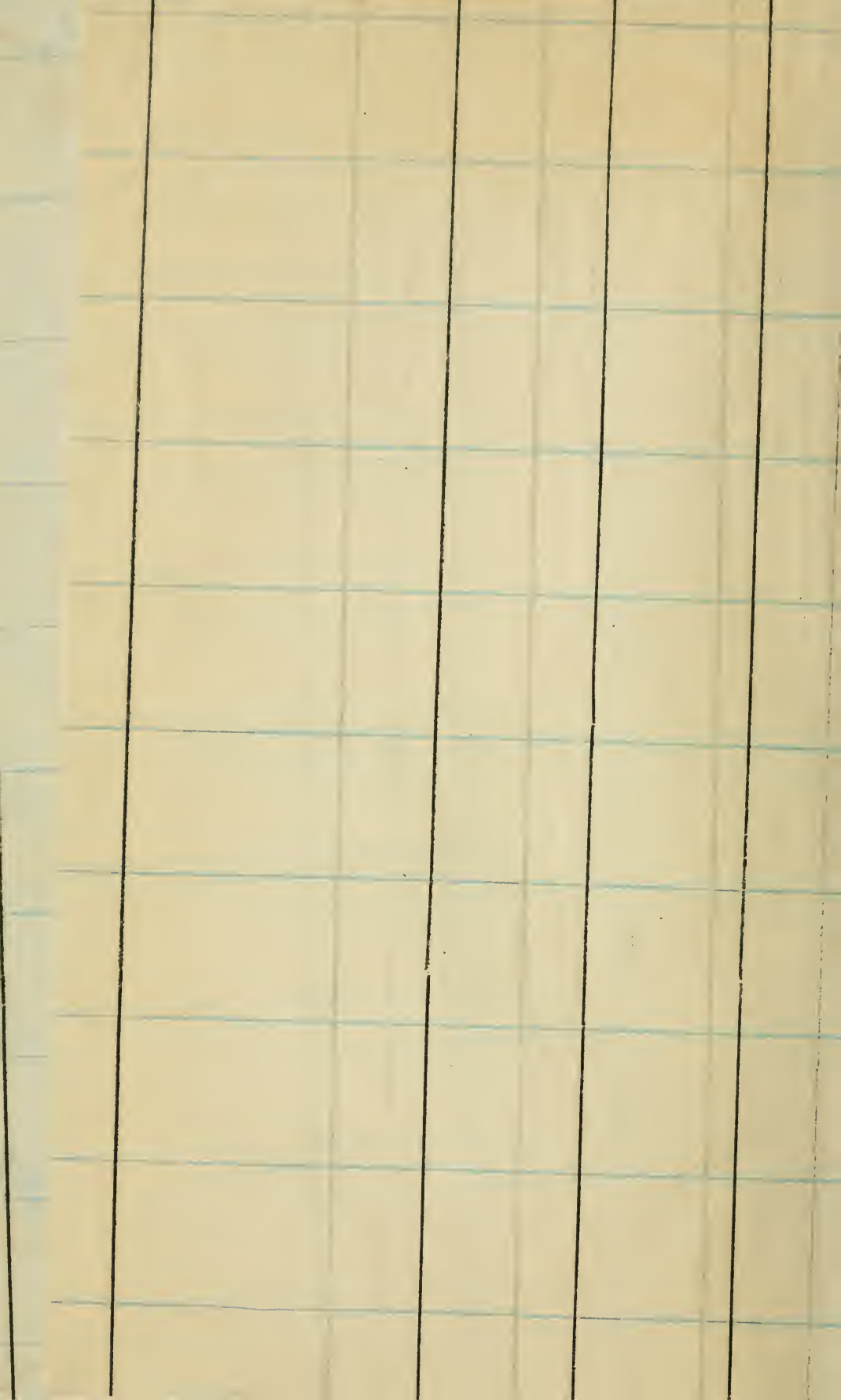
عربی سے اردو ترجمہ کتاب

الشفاعة في حقوق المصطفى صلى الله عليه وسلم

یہ ایک بہت بڑی مشہور کتاب عربی میں حضرت قاضی ابن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے  
جناب رالتمآپ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے مناقب و محاسن میں تصنیف فرمائی ہے۔  
اس کتاب کی خوبی اور مقبولیت احاطہ تحریر میں نہیں آسکتی کیونکہ ذاتِ بری  
جس محبوب کی صفت و ثناء قرآن کریم میں اپنی زبانِ مبارک سے فرمائی اور جملہ  
فرشتگان کو اس پیارے نام پر صلوات و سلام پڑھنے کے لئے حکم دے تو دوسرا کون  
بشر یا جن ملک ہے کہ وہ اس ثنا کو پورے طور پر ادا کر سکے۔ حضرت مصنف نے  
اس مبارک کتاب کو جس خوبی اور حسن اعتقاد سے لکھا کہ اپنے ایمان و محبتِ مصطفوی  
کا ثبوت دیا ہے یہی اسی مبارک ہستی کا کام تھا۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث  
دہلویؒ نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس کتاب سے بڑھ کر کوئی کتاب جنابِ رسول  
مقبول کی شان میں نہ اب تک لکھی گئی ہے۔ اور نہ آئندہ کوئی لکھیگا۔ یہاں تک  
حضرتؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ جس گھر میں یہ کتاب النشفا ہوگی۔ وہاں تبصدق  
رسول پاکؐ کبھی کوئی بیماری نہ ہوگی۔ اس میں حضرتؒ نے وہ باریک مبالغہ بیان  
فرمائی ہیں جو آج تک بعض علما کرام کی زبان سے کم سننے میں آئے ہیں۔ ہر ایک  
سچے مسلمان کا ایمان تازہ ہوتا ہے۔ اور وہ برکاتِ الہی سے بہرہ یاب ہو کر حیاتِ  
رسول مقبولؐ کے فیضان سے فیضیاب ہوتا ہے۔ غرض کتابِ قابلِ دید ہے قیمت

اسد کی قومی کا نام ملک حسن الدین فضل الدین گزنوی

تاجر کندی منزل قشندیه بازار کشمیری لاهور

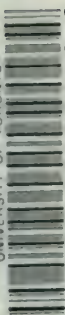








UNIVERSITY OF TORONTO



3 1761 00187935 2